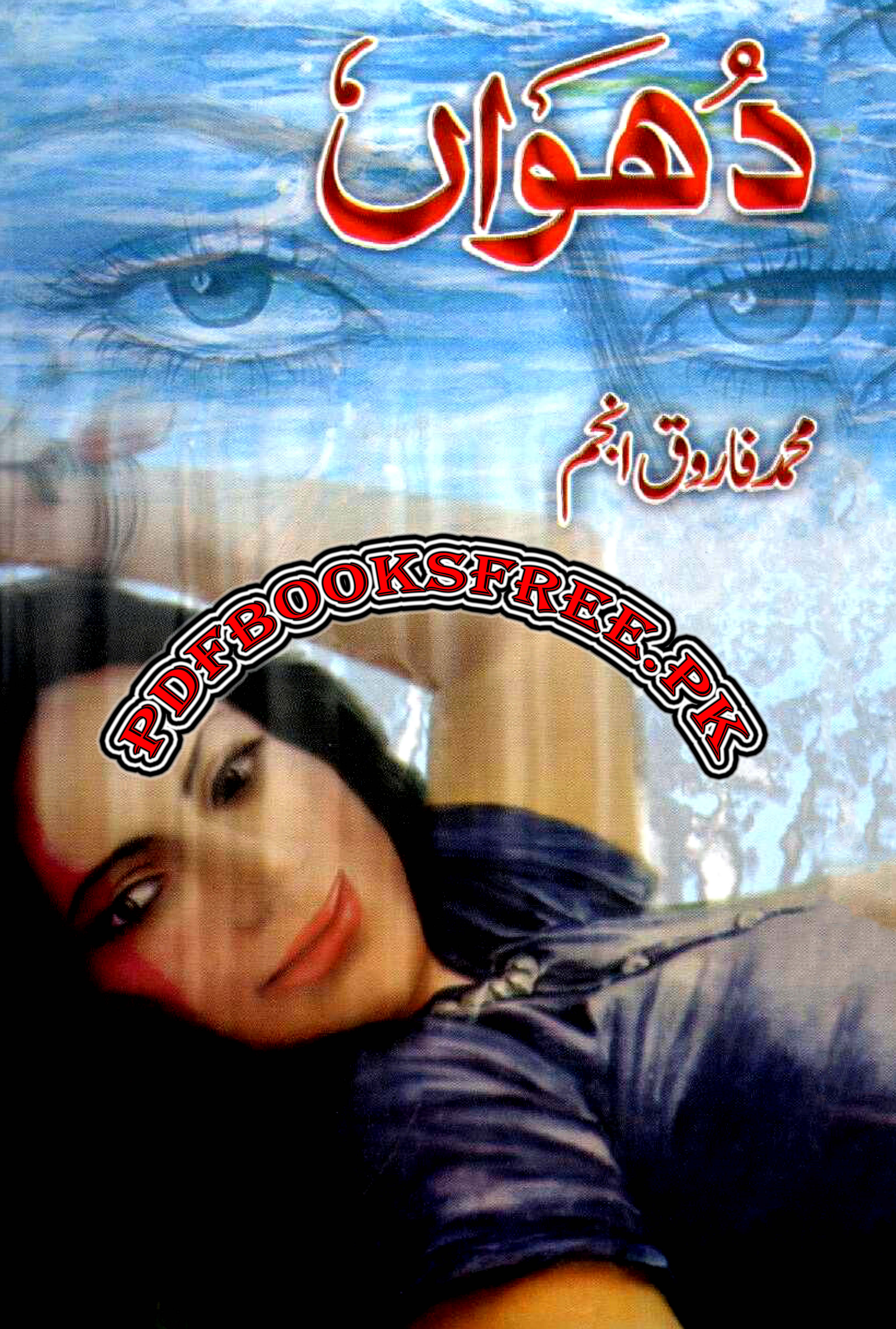
دھواں
محمد فاروق انجم
PDFBOOKSFREE.PK

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

پاکستان ورچوئل لائبریری پر موجود تمام کتابیں قارئین کے مطالعے اور دعوتی واصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھواں

محمد فاروق انجم

نواب سنز پبلی کیشنز
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

با وقار اور نفاست پسند قارئین کے لئیے پر وقار اور نفیس ترین کتابیں

ضابطہ

حقوقِ اشاعت محفوظ ہیں

ناشر	اعجاز احمد نواب	حروف آرائی	میٹرکس کمپوزرز
طابع	نواب سنز پبلی کیشنز	سرورق	ڈیزائن ماسٹر
مطبع	زیرو پوائنٹ	اشاعت	۲۰۱۲ء

Retail Price
Rs. 300/-

رابطہ

نواب سنز پبلی کیشنز
اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی Ph: 051-5555275
ڈسٹری بیوٹرز اشرف بک ایجنسی کمیٹی چوک اقبال روڈ راولپنڈی فون 051-5772306

پیش لفظ

محترم قارئین!

''دھواں'' آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ نواب سنز پبلی کیشنز کے ادارے سے یہ میرا پہلا ناول ہے جو شائع ہو کر آپ تک پہنچا ہے۔ نواب سنز پبلی کیشنز کے روحِ رواں محترم اعجاز احمد نواب صاحب کی شخصیت، ان کی محبت اور شفقت ہے کہ انہوں نے مجھے یہ عزت بخشی۔

میرا یہ ناول پاکستان کے موقر ہفت روزہ ''اخبارِ جہاں'' کراچی میں پندرہ ہفتوں تک قسط وار شائع ہوتا رہا ہے۔ اس ناول کی مقبولیت میرے سابقہ سلسلوں پر غالب رہی تھی۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ''دھواں'' کو لکھتے ہوئے میں نے خصوصی طور پر تجسس کا خیال رکھا تھا۔ پہلی سطر سے لے کر جیسے جیسے کہانی آگے بڑھتی ہے، نئے کردار ملتے ہیں۔ کہانی کا تجسس بڑھتا ہی جاتا ہے اور پڑھنے والا قاری اس ناول کی گرفت میں جکڑا جاتا ہے۔

اس کہانی کا مرکزی کردار کا نام عارف ہے۔ عارف کو اپنوں نے زخم دیا اور اُسے مجبور کر دیا کہ وہ انتقام کی راہ پر چل پڑے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عارف نے جب انتقام لینے کا ارادہ کیا تو اس نے دشمن کو زیر کرنے کے لیے کسی ہتھیار سے کام لینے کی بجائے اس نے اپنا زیرک دماغ استعمال کیا اور اپنی سوچ سے مکڑی کا ایسا جال بُن دیا کہ دشمن اس تارِعنکبوت میں پھنس کر رہ گئے۔

اس ناول میں کئی کردار ہیں۔ ہر کردار اپنی جگہ ڈٹ کر کھڑا ہے۔

مجھے اُمید ہے کہ آپ میرے اس ناول کو پسند کریں گے۔

فاروق انجم

PAKISTAN VIRTAUL LIBRARY
www.pdfbooksfree.pk

......

رات کی سیاہ چادر پر چاند جلوہ افروز تھا۔

سردی کی شدت میں آج کچھ زیادہ ہی اضافہ ہو گیا تھا۔ پوش علاقے کی بیرونی سڑک دور تک گہرے سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس خاموشی کو توڑتی ہوئی ایک سیاہ کار نمودار ہوئی۔ اس کی رفتار دھیمی تھی۔ وہ چلتے چلتے سڑک کے کنارے رُک گئی۔ ایک بار پھر دُور تک خاموشی چھا گئی۔ لگتا تھا جیسے اس جگہ انسانوں کا بسیرا نہیں ہے، محض خوبصورت اور بڑے مکان ہی ایستادہ ہیں۔

وہ کار اس جگہ پانچ منٹ سے کھڑی تھی۔ ایک طرف سے ایک آدمی نمودار ہوا جس نے اوورکوٹ پہنا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ٹھونسے ہوئے تھے۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کار کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ واضح نہیں تھا کیونکہ اس نے گردن کے گرد مفلر لپیٹا ہوا تھا جس میں اس کا منہ چھپ گیا تھا۔ جب وہ سانس لیتا تو اس کے منہ سے دھواں نکلتا تھا۔

جونہی وہ کار کے پاس پہنچا کار کا اگلا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر نکل کر کھڑا ہو گیا۔ اوورکوٹ والا آدمی اس کے پاس آتے ہی بولا۔ ''میری موٹر سائیکل پنکچر ہو گئی تھی۔ مجھے اسے چھوڑ کر یہاں تک پیدل آنا پڑا۔ اس لئے کچھ دیر ہو گئی۔'' اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔

"اس بات کو چھوڑو اور کام کی بات کرو۔" اس آدمی نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"کل شام کو وہ اس شہر سے نکل جائیں گے۔" اوورکوٹ والے نے بتایا۔

"کیا اسی شہر میں جائیں گے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں...... اسی شہر میں جائیں گے۔ وہاں ان کی پرسوں دن کے گیارہ بجے ٹریڈ بلڈنگ کے تیسرے فلور پر آفس نمبر چودہ میں میٹنگ ہے۔ وہاں سے جونہی وہ فارغ ہوں گے۔ وہ سیدھے اپنے ہوٹل میں چلے جائیں گے جہاں ان کا کمرہ بک ہو چکا ہے۔"

اوورکوٹ والے نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے ان میں حرارت پیدا کی۔

"ہوٹل اور اس کا کمرہ وہی ہے جو تم نے کل بتایا تھا۔" اس نے سوال کیا۔

"بالکل وہی ہوٹل ہے وہی کمرہ ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔" وہ جواباً بولا۔

"تم بھی ساتھ جا رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں میرا کیونکہ کوئی کام نہیں ہے اس لئے میں نہیں جا رہا۔" اوورکوٹ والے نے جواب دینے میں تامل نہیں کیا۔

"اور کون جا رہا ہے ساتھ؟" اس نے ایک اور سوال کیا۔

"ان کا منیجر ہے...... وہ ساتھ جا رہا ہے۔" اوورکوٹ والے نے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" اس آدمی نے یہ کہتے ہوئے اپنی کار کا دروازہ کھولا۔ اوورکوٹ والا اس کے کہنے کے باوجود اپنی جگہ سے ہلا نہیں، اسی جگہ کھڑا اُس کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ کار کا دروازہ کھول کر اپنا ایک قدم اندر رکھ چکا تھا۔ اس کے بعد وہ بولا۔ "جس طرف سے تم آئے ہو، وہاں ایک پیلے رنگ کا کوڑے کا ڈرم ہے۔ اس کے اندر ایک لفافہ رکھا ہے وہ تم اٹھا لینا۔" یہ کہہ کر وہ کار میں بیٹھ گیا اور کار کا دروازہ بند ہوتے ہی وہ آگے چل پڑی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آگے صفحہ نمبر 7 پڑھیے

"کیا ارادہ ہے سر......؟ چلنا ہے کہ بارش رکنے کا انتظار کریں۔" اس کے منیجر نے پوچھا۔

"چلتے ہیں بھئی...... ہم نے گاڑی میں جانا ہے شام ہو رہی ہے۔" خوش پوش آدمی بولا۔ "بارش میں جاتے ہوئے مزہ آئے گا۔"

دونوں چلتے ہوئے کار پارکنگ تک پہنچے۔ وہاں ان کی کار کھڑی تھی۔ اندر ڈرائیور مستعد بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں کو دیکھتے ہی اس نے کار اسٹارٹ کی اور ان کے سامنے لے گیا۔

خوش پوش شخص کار میں پیچھے اور منیجر، ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔

کار اس عمارت کے احاطے سے جونہی باہر نکلی، پاس کھڑی ایک کار کے اندر بیٹھے ہوئے آدمی نے موبائل فون کان سے لگایا اور بولا۔ "وہ یہاں سے نکل گئے ہیں۔"

یہ اطلاع دیتے ہی اس نے موبائل فون بند کیا اور کار اسٹارٹ کر کے خود بھی اس جگہ سے باہر نکل گیا۔

"بارش کے ساتھ تیز ہوا بھی چل رہی تھی۔ سڑکیں ٹریفک کے رش سے خالی دکھائی دے رہی تھیں۔ جا بجا پانی کھڑا تھا۔ شام کا اندھیرا ہو رہا تھا لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے رات ہو رہی ہے۔ خوش پوش شخص باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُسے بارش اچھی لگ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بدستور اطمینان اور لبوں پر ہلکی مسکراہٹ تھی۔ اچانک اس کے منیجر کے ہاتھ میں پکڑا ہوا موبائل فون بجا اور اس نے اسکرین پر نمبر دیکھتے ہی وہ موبائل فون خوش پوش شخص کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"سر بیگم صاحبہ ہیں۔"

موبائل فون تھامتے ہوئے چہرے کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔

"کیسی ہو ڈارلنگ؟"

"آپ سنائیں کیسے ہیں؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"میں ٹھیک ہوں اور بہت خوش ہوں۔ میری ڈیل بہت کامیاب رہی ہے۔" اس نے خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ آدمی واپس مڑا اور اس طرف چلنے لگا جس طرف سے وہ آیا تھا۔ وہ ڈبل سڑک تھی۔ سڑک کے درمیان میں گرین بیلٹ تھی۔ اس پار اسے پیلے رنگ کا ڈرم دکھائی دیا۔ وہ تیزی سے اس ڈرم کے پاس پہنچا۔ اس نے اندر جھانکا، کوڑے کے اوپر ہی ایک خاکی لفافہ پڑا تھا۔ اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر لفافہ اٹھایا۔ اسے اپنے اوورکوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا اور تیزی سے چلنے لگا۔ اس کا رُخ اُسی طرف تھا جدھر سے وہ آیا تھا۔
اس کی چال غیر معمولی تیز تھی۔

☆......☆......☆

موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔
شہر کی سب سے معروف ٹریڈنگ بلڈنگ کے تیسرے فلور کے آفس نمبر چودہ سے ایک خوش پوش ساٹھ سالہ عمر کا شخص اپنے منیجر کے ساتھ نکلا اور لفٹ کی طرف بڑھا۔ اس کے منیجر نے ایک ہاتھ میں بریف کیس پکڑا ہوا تھا جبکہ اپنی بغل میں لیپ ٹاپ دبا کر اسے دوسرے ہاتھ سے تھاما ہوا تھا۔ خوش پوش شخص بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔ وہ چلتے ہوئے خود ہی کئی بار مسکرایا تھا۔ دونوں لفٹ کے پاس چلے گئے۔ لفٹ نیچے کی طرف آ رہی تھی۔ اس فلور پر آتے ہی لفٹ رُک گئی اور اس کا دروازہ کھلا۔ کچھ آدمی لفٹ سے باہر نکلے جبکہ وہ دونوں اس فلور سے اس لفٹ میں داخل ہو گئے۔ دروازہ بند ہو گیا اور لفٹ تیزی سے نیچے کی طرف جانے لگی۔ گراؤنڈ فلور پر جاتے ہی لفٹ کو ایک جھٹکا سا لگا اور اس کے ساتھ لفٹ کا دروازہ کھلا۔ لفٹ میں موجود دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ دونوں بھی باہر نکل کر اس عمارت سے خارجی دروازے کی طرف چل پڑے۔
جونہی وہ دونوں دروازہ کھول کر اس عمارت سے باہر نکلے۔ موسلا دھار بارش دیکھ کر خوش پوش شخص ٹھٹکا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ ''ارے بارش ہو رہی ہے۔ اندر پتہ ہی نہیں چلا۔ اس کا مطلب ہے کہ باہر کا بھی موسم اچھا ہے۔''

''پھر آپ کو مبارک ہو۔'' دوسری طرف سے بھی خوشی کا اظہار ہوا۔
''تم کو بھی مبارک ہو۔ کل میری واپسی ہے۔'' اس نے بتایا۔ ''ہم اس کامیابی پر ایک پارٹی دیں گے۔''
''زبردست...... اس وقت کہاں ہیں آپ؟'' بیگم نے پوچھا۔
''میں ہوٹل جا رہا ہوں۔'' اس نے جواب دیا۔
''سیدھے ہوٹل ہی جا رہے ہیں نا آپ؟'' اس کی بیگم نے لاڈ سے پوچھا۔
وہ ہنسا۔ ''اس کے علاوہ میں کہاں جا سکتا ہوں۔ سیدھا ہوٹل میں ہی جا رہا ہوں۔ ہماری ڈور صرف اور صرف آپ سے بندھی ہے۔''
''میں نے مذاق میں پوچھا تھا۔ یہاں بارش ہو رہی ہے کیا؟'' اس نے ہنس کر پوچھا۔
''بہت خوبصورت بارش ہو رہی ہے۔ میرا پسندیدہ موسم ہے اس وقت۔'' وہ گاڑی کے شیشے سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
''آج تو آپ کا لکی دن ہے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔
''ہاں تم کہہ سکتی ہو۔'' وہ مسکرایا۔
''اب اس بارش میں نہانے کے لئے نہ نکل جانا۔'' بیگم صاحبہ نے تنبیہ کی۔
وہ ہنسا۔ ''میرا ابھی اتنی ٹھنڈ میں اکڑ کر مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''
''او۔ کے پھر کل ملاقات ہوگی۔'' بیگم نے پیار سے کہا۔
''خدا حافظ۔'' وہ پھر مسکرایا۔ اس نے موبائل فون اپنے منیجر کی طرف بڑھا دیا۔
خوش پوش شخص کے چہرے سے مسکراہٹ معدوم نہیں ہوئی تھی۔ ایک تو اپنی کامیاب ڈیل کی خوشی اور اوپر سے اس بارش میں اپنی بیوی سے موبائل فون پر بات نے اُسے مزید خوش کر دیا تھا۔
بارش میں کار بھاگتی جا رہی تھی۔ جلد ہی شہر کا فائیو سٹار ہوٹل آ گیا۔ کار کی رفتار آہستہ ہو گئی تھی۔ جونہی وہ ہوٹل کے احاطے میں داخل ہوئی کچھ فاصلے پر سڑک کے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانب کھڑی کار کے اندر موجود شخص نے اپنی کار کی ہیڈ لائٹس چار بار روشن کیں۔ کچھ ہی دیر کے بعد دور کھڑی کار اس ہوٹل کی طرف آئی اور وہ بھی کے احاطے میں داخل ہو گئی۔

ہوٹل کے دوسرے فلور پر اس خوش پوش شخص کا کمرہ بک تھا۔ وہ اپنے منیجر کے ساتھ سیڑھیوں کے ذریعے دوسری منزل پر پہنچا۔ ایسا وہ تب کیا کرتا تھا جب کچھ چلنا مقصود ہوتا تھا۔ وہ ایک مصروف زندگی گزار رہا تھا۔ چلنے کا موقع اُسے اسی طرح ملتا تھا۔

ایک کمرے کے پاس پہنچ کر اس کے منیجر نے چابی لگا کر دروازہ کھولا اور وہ شخص اندر جانے سے قبل اپنے منیجر سے بولا۔ ''تم جاؤ اپنے کمرے میں آرام کرنا ہے تو آرام کرو۔ ہال میں جا کر ڈنر کرنا ہے تو وہ کرو۔ میری طرف سے تم کل صبح ناشتے تک فری ہو۔''

''او کے سر۔'' وہ مسکرا کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا جو اس کمرے کے برابر تھا۔

خوش پوش شخص اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس نے دروازہ اندر سے مقفل کیا۔

اس نے اپنی ٹائی کی گرہ کھولی۔ کمرے کو روشن کیا اور بارش کا نظارہ کرنے کے لئے ابھی وہ کھڑکی کی طرف جا رہا تھا کہ اس پر پڑے پردے ہٹا دے کہ دروازے پر ہلکی دستک ہوئی اور اس کے قدم اسی جگہ رک گئے۔

وہ دروازے کی طرف پلٹا، دروازے کے نزدیک جا کر اس نے پوچھنے کی بھی زحمت نہیں کی۔ اس کی دانست میں تھا کہ اس کے منیجر کو کوئی بات یاد آ گئی ہو گی۔ اس لئے اس نے دستک دی ہے۔ جیسے ہی اس نے دروازہ کھولا سامنے اس کا منیجر ہی کھڑا تھا۔

''سر آپ کا لیپ ٹاپ......'' اس نے لیپ ٹاپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں تھی۔ میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔ آج کا کام ختم، کل ہو گا جو بھی ہو گا۔'' خوش پوش شخص بولا۔

''تو کیا سر لیپ ٹاپ واپس لے جاؤں؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں اپنے پاس رکھو۔'' اس نے کہا اور دروازہ بند کر دیا۔

ابھی وہ دروازہ بند کر کے دو قدم ہی چلا تھا کہ پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ اس

کے قدم پھر رک گئے۔ اس نے جھلا کر دروازے کی طرف دیکھا اور بڑبڑایا۔ ''اب کیا یاد آ گیا ہے اسے؟''

اس بار جونہی اس نے دروازہ کھولا، باہر اس کا منیجر نہیں بلکہ دو اجنبی آدمی تھے۔ دونوں آدمی برق رفتاری سے اندر داخل ہوئے۔ ایک نے خوش پوش شخص کو دبوچ لیا تھا۔ دوسرے نے اس کے سر پر پستول رکھ دیا۔

''کوئی شور نہیں......کوئی آواز نہیں۔'' پستول والے شخص نے یہ کہہ کر دروازہ بند کر کے مقفل کر دیا۔

''کون ہو تم؟'' وہ پھنسی ہوئی آواز میں بولا۔

اس سوال کا جواب دینے کی بجائے دونوں نے اسے بیڈ پر اوندھا لٹایا۔ ایک نے جلدی سے اپنے کوٹ کی جیب سے پلاسٹک کا لفافہ نکالا، اس کے اندر ایک سرنج اور ایک چھوٹی شیشی تھی۔ اس نے برق رفتاری سے ٹیکہ بھرا۔ پھر دوسرے نے اس کا کوٹ اتارا۔ اس کے ایک بازو کی آستین اوپر کی، پستول اس کے سر کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ وہ مزاحمت کرنے کی بجائے گھبرایا ہوا تھا۔ ٹیکہ اس کے بازو پر لگا دیا گیا۔

ٹیکہ لگانے کے بعد دونوں نے اس کو چھوڑ دیا۔ وہ سیدھا ہو گیا اور ان کو دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا کہ دونوں کے ہاتھوں پر دستانے چڑھے ہوئے اس آدمی نے پلاسٹک کے لفافے میں سرنج اور شیشی ڈالی، اسے اپنے کوٹ کی جیب میں رکھا اور اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

خوش پوش شخص نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اسے نقاہت سی محسوس ہونے لگی، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ دل ڈوبنے لگا، کچھ ہی دیر کے بعد اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ اس کی سانس اکھڑنے لگی۔ اس نے ہاتھ پیر مارے۔ لیکن سب بے سود رہا اور وہ فرش پر گر گیا۔ چند لمحوں بعد اس کا جسم ساکت ہو گیا۔

دونوں آدمی دروازے کی طرف بڑھے۔ ایک نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور پھر وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔ کچھ دیر کے بعد راہداری ایسے خالی ہو گئی تھی

جیسے اس جگہ سے کوئی گزرا ہی نہیں تھا۔

وہی کار فائیو سٹار ہوٹل کے احاطے سے نکلتے ہوئے رکی، اس نے اپنی ہیڈ لائٹس دوبار روشن کیں اور بند کرنے کے بعد کار اسی طرف بڑھا دی جس طرف سے وہ آئی تھی۔

اس ہوٹل سے کچھ فاصلے پر کھڑی کار میں بیٹھے ہوئے آدمی نے موبائل فون کان کو لگا کر کہا۔ ''کام ہو گیا ہے۔''

''او کے۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔ اس کے بعد وہ کار بھی حرکت میں آئی اور بارش میں دوڑنے لگی۔

☆......☆......☆

اس قتل کے چار دن کے بعد رات کو اسی وقت اسی پوش علاقے کی سڑک پر وہی کار آ کر رکی۔ جونہی وہ کار رکی، ایک طرف سے ایک آدمی بھاگ کر اس کار کے پاس آ گیا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے اس رات اوور کوٹ پہنا ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ کار کے پاس پہنچا، کار کا آدھا شیشہ نیچے ہوا، اس کے بولنے سے قبل ہی باہر کھڑا آدمی بول پڑا۔

''آپ نے مجھے اچانک کیوں بلایا؟''

''تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لئے۔'' اندر سے آواز آئی۔

''کس بات کا شکریہ ادا کرنے کیلئے۔'' وہ چونکا۔

''جاؤ اور اس جگہ سے کچھ اور بھی وصول کر لو۔'' کار میں بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا اور کار کا شیشہ بند ہو گیا۔

وہ آدمی خوشی خوشی اس ڈرم کی طرف چل پڑا۔ ڈرم کے پاس جا کر اس نے جونہی اندر جھانکا۔ اندر سے ایک زہریلے سانپ نے بجلی کی سی تیزی سے اس کے چہرے پر ڈس لیا۔ دور تک پھیلے ہوئے گہرے سکوت میں اس شخص کی چیخیں بلند ہونے لگیں۔ آس پاس کے کئی گھروں کی کھڑکیوں کے پردے ایک طرف ہٹ گئے تھے۔ وہ اس آدمی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ بدستور تڑپ رہا تھا۔ وہ زمین پر گر گیا اور اسی طرح تڑپ تڑپ کر اس نے جان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دے دی۔

ہوٹل میں ہونے والے قتل کی اس واردات میں کس کو کیا فائدہ ہوا؟ کس نے کیا کیا؟ پولیس نے اپنے تئیں جاننے کی کوشش کی لیکن پھر یہ فائل دیگر ان گنت فائلوں کے ساتھ گرد کا حصہ بننے لگی اور جو شخص سانپ کے ڈسنے سے مر گیا تھا، اس کا تو کوئی کیس کہیں نہیں درج ہوا کیونکہ یہ بات واضح تھی کہ اس کو سانپ نے ڈس لیا تھا اور وہ موقع پر ہی مر گیا۔ وہ وہاں کیا کر رہا تھا، کیوں گیا تھا، یہ سوال بھی وقت کے ساتھ دم توڑ گئے۔

اس واقعہ کو سات ماہ گزر گئے تھے۔

☆......☆......☆

کہتے ہیں سمندر کی گہرائی میں اتر کر بھی کوئی یہ نہیں جان سکتا کہ اس نے اپنے سینے میں کیا کچھ چھپایا ہوا ہے۔ سمندر کی وسعت کسی کو اپنے بارے میں کچھ جاننے کا موقع کب دیتی ہے۔ اس کی مضطرب دوڑتی ہوئی لہریں جو کناروں سے ٹکراتی ہیں وہ کب طوفان کا روپ اختیار کر جائیں اور کب رحم دل موجوں کی صورت میں بدل کر لوٹ جائیں، کنارے سے دُور کھڑے ہو کر اس بات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

کچھ ایسی ہی بات عارف حمید میں بھی تھی۔ وہ سمندر کی طرح گہری سوچ رکھتا تھا۔ اس کے دل میں کونسی سوچ جنم لے رہی ہے اس کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا۔ کب اس کی آنکھوں میں دوسرے کے لئے رحم جاگ جائے اور کس وقت وہی رحم کروٹ بدل کر وبال کی شکل اختیار کر لے کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ انگارے برسا رہی ہے یا پھول، کسی کے لئے سمجھنا آسان نہیں تھا۔ اس کی نظر کہاں ہے، اس بات کا وہ اپنے سائے کو بھی پتہ نہیں چلنے دیتا تھا۔

عارف حمید بہت زیرک، چالاک، شاطر اور موقع شناس نوجوان تھا۔ پچیس سال کی عمر میں اس کا دماغ کسی سو سال کے تجربہ کار اور کہنہ مشق شخص کی طرح کام کرتا تھا۔ وہ اچھے قد کاٹھ کا نوجوان تھا۔ اس کی نیلی آنکھیں پرکشش تھیں، اس کا خوبصورت اور وجیہہ چہرہ

جاذبِ نظر تھا۔ وہ عام سے لباس میں بھی صنفِ نازک کے لئے سحر انگیز تھا۔ وہ کیا بول رہا ہے اور کیا سوچ رہا ہے یہ صرف وہی جانتا تھا۔ وہ سمندر کی طرح گہرا تھا۔

عارف کے دل میں بچپن سے ایک ہی خواہش نے انگڑائی لی تھی کہ وہ اپنے تایا ابا کی طرح بہت امیر، دولت مند اور شاہانہ زندگی بسر کرے۔ وہ اس کا سگا تایا نہیں تھا۔ وہ عارف کے باپ منظور احمد کا کزن تھا۔ اس کے تایا ابا کا بہت بڑا بزنس تھا۔ اس کے پاس مہنگی اور نئے ماڈل کی کاریں تھیں۔ ایسی کاریں خال خال ہی نظر آتی تھیں۔

وہ ایک بڑی کوٹھی میں رہائش پذیر تھا۔ اس کا لباس ایسا ہوتا تھا کہ ایک سلوٹ بھی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس کی بیوی دبئی سے شاپنگ کرنے کی باتیں کرتی تھی، اس کے بچے شہر کے مہنگے سکولوں میں زیرِ تعلیم تھے۔ اس کے تایا زاد بھی خاندان والوں کے ساتھ سیدھے منہ بات نہیں کرتے تھے۔ جب عارف کی کلائی خالی ہوتی تھی تو اپنے تایا زاد کی کلائیوں پر مہنگی گھڑیاں بندھی ہوئی دیکھتا تھا۔ وہ سارے خاندان میں امیر کبیر شخص تھا۔

جب کبھی بھی وہ کسی خاندان کی تقریب میں اکٹھے ہوتے تو عارف ان کی کار کو دیکھتا رہتا تھا۔ وہ پاس بیٹھے ہوتے تو اس کی نگاہیں کبھی ان کے لباس پر جاتیں اور کبھی ان کی کلائیوں پر ٹھہر جاتیں جہاں مہنگی چمکتی ہوئی گھڑیاں ہوتی تھیں۔ ان کی گفتگو میں زعم ہوتا تھا اور چلنے کا انداز ایسا کہ جیسے وہ سب سے منفرد اور الگ ہوں۔ جیسے وہ کسی اور ہی دنیا سے آئے ہوں، جیسے ان میں سرخاب کے پر لگے ہوں۔

ان کی باتیں پیسے کے گرد گھومتی تھیں۔ اسٹاک مارکیٹ میں کیا ہوا کس کار کا نیا ماڈل آیا ہے، ڈالر کا ریٹ بڑھا ہے تو ان کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ ان کی باتوں میں یہی کچھ ہوتا تھا۔ وہ بچپن سے یہی بات سنتا آ رہا تھا اور ان ہی باتوں نے اس کا ذہن دولت مند بننے کے لئے مائل کر دیا تھا۔ یہ ٹھاٹ دیکھ کر وہ ایسا مرعوب ہوا تھا کہ وہ ان جیسا بننے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔

عارف حمید جب اپنے گھر کی طرف دیکھتا تو اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس کا باپ منظور احمد ایک سرکاری کلرک تھا جس کے اندر ایمانداری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو پانچ وقت کی نماز پڑھتا تھا اور دال کھا کر بھی اس کی زبان شکر میں ڈوبی رہتی تھی۔ کبھی زبان پر شکوہ نہیں آتا تھا اور ایسی ہی اس کی ماں بھی تھی۔ وہ بھی خوش و خرم اور قناعت پسند تھی۔ کبھی انہوں نے چمکتی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر اپنے دل میں اسے پانے کی خواہش نہیں کی تھی۔

اس کے تینوں بھائی اور دو بہنیں بھی اس سے مختلف تھیں۔ وہ اس طرح نہیں سوچتی تھیں۔ وہ اپنی پڑھائی میں مشغول رہتے تھے۔ ہر سال اچھے نمبروں سے پاس ہوتے تھے۔ بڑے بھائیوں نے تو اپنے اخراجات خود برداشت کرنے کے لئے محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانی شروع کر دی تھی۔ بس ایک عارف ہی تھا جو اس زندگی سے ناخوش تھا جو اس زندگی سے فرار چاہتا تھا جس کی خواہش تھی کہ اس کے پاس اپنے تایا سے بھی زیادہ دولت ہو۔ کلائی پر مہنگی گھڑی ہو اور آنے جانے کے لئے کاروں کی لمبی قطار موجود ہو، نوکروں کی فوج اس کے ایک اشارے کی منتظر ہو۔

عارف نے میٹرک کیا اور پھر ایف اے کرنے کے بعد وہ تھرڈ ایئر میں پڑھنے لگا۔ ہر امتحان میں اس کے نمبر واجبی سے ہوتے تھے۔ جب وہ تھرڈ ایئر میں پہنچا تھا تو اس کی دونوں بہنوں کی شادیاں ہو چکی تھیں، بڑا بھائی لیکچرار بن گیا تھا جبکہ دو بھائی ابھی پڑھ رہے تھے۔

اس کا کیا مستقبل تھا، وہ کیا بننا چاہتا تھا، اس کی کسی کو خبر نہیں تھی اور نہ ہی وہ کسی کو بتاتا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اس کے اندر کیا طوفان اٹھ رہے ہیں۔ اس کے دل کی زمین پر کیا خواہش پھوٹ رہی ہے اور وہ اندر ہی اندر کس کس خواہش کا گلا دبا رہا ہے۔ وہ چپ چاپ بہت کچھ سوچتا رہتا تھا۔

منظور احمد اکثر اپنے اس بیٹے کو کچھ مختلف اور الگ ہی دیکھتا تھا۔ کبھی کبھی اسے عارف سے ڈر بھی لگنے لگتا تھا۔ اس کے باقی تین بیٹے کم گو اور اپنے کام سے کام رکھنے والے تھے جبکہ عارف کی دلچسپی تو دوسروں کے کاموں میں تھی۔

ایک دن منظور احمد کو موقع مل گیا تو اس نے عارف سے پوچھ ہی لیا۔

"تم کیا ہر وقت سوچتے رہتے ہو؟"

"سوچنا اچھی بات نہیں ہے ابا؟" عارف مسکرایا۔

"اچھی بات ہے لیکن تم کیا سوچتے رہتے ہو۔ کسی کی مہنگی کار دیکھ لیتے ہو تو تب سوچ میں پڑ جاتے ہو، کسی کا بڑا گھر دیکھ لیتے ہو تو اس وقت کہیں کھو جاتے ہو۔ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟" منظور احمد نے کہا۔

"ایک بات بتائیں، ابا کیا آپ مجھے پڑھتے رہتے ہیں؟" عارف بولا۔

"باپ ہوں بیٹا جی...... اولاد کو کھلی کتاب کی طرح اپنے سامنے نہیں رکھوں گا تو آنکھوں پر پٹی باندھ لوں کیا؟" منظور احمد نے کرسی پر پہلو بدلا۔

عارف ہولے سے مسکرایا۔ "ابا بھلا میں کیا سوچتا ہوں۔ آپ بتا سکتے ہیں۔"

"یہ جانتا ہوں کہ تم کچھ سوچتے ہو لیکن یہ نہیں جانتا کہ کیا سوچتے ہو، اس لئے تم سے پوچھ رہا ہوں۔" منظور احمد نے کہا۔

"ابا آپ نے کبھی سمندر دیکھا ہے؟ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور خاموش سمندر؟" عارف نے پوچھا۔

"کئی بار دیکھا ہے۔ خاموش اور چنگھاڑتا ہوا سمندر۔" منظور احمد جھٹ سے بولا۔

"کنارے پر کھڑے ہو کر سمندر کو دیکھتے ہوئے بھلا کیا کیا نظر آتا ہے، آپ بتا سکتے ہیں۔" عارف نے پھر سوال کیا۔

"کنارے پر کھڑے ہو کر سمندر دور تک نظر آتا ہے، پانی ہی پانی ہوتا ہے۔"

منظور احمد اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"پانی کی چادر سے کوئی نہیں دیکھ سکتا کہ سمندر کے اندر کیا ہے۔ وہ اپنا ایک کنارہ دکھا رہا ہوتا تو دوسرا کنارہ اس نے چھپایا ہوتا ہے۔ اس کی گہرائی میں کیا ہے وہ کسی کو نہیں بتاتا جو بھی اس کی گہرائی میں اترنے کی کوشش کرتا ہے وہ لوٹ آتا ہے۔ مجھے سمندر اسی لئے اچھا لگتا ہے کیونکہ وہ کسی کو اپنا رازدار نہیں بناتا جو لوگ اپنے راز اپنے پاس رکھتے ہیں ان پر کوئی قابو نہیں پاسکتا ہے۔" عارف نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منظور احمد کچھ دیر اس کا منہ دیکھتا رہا۔ "تم سمندر ہو اور میں کچھ جاننے کی کوشش نہ کروں۔ تمہارا مطلب یہ ہے؟"

"ابا میں نے ایک بات کی ہے بس۔" عارف کہہ کر مسکراتا ہوا وہاں سے اٹھ گیا جبکہ منظور احمد سر ہلاتا رہ گیا۔ پاس بیٹھی ہوئی اس کی بیوی ثروت مسکرادی۔

"پتہ نہیں کیا بولتا رہتا ہے۔" منظور احمد نے سر ہلایا۔

عارف کو سمندر اچھا لگتا تھا۔ وہ سمندر کو دیکھ کر اس کے طلسم میں کھو جاتا تھا۔ وہ اس کے کنارے کھڑا ہو کر اس کی گہرائی جاننے کی کوشش میں رہتا تھا۔ وہ اکثر ساحل سمندر چلا جاتا تھا۔

عارف حمید کو پڑھائی میں دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ کچھ کرنا چاہتا تھا۔ پیسہ کمانا چاہتا تھا۔ بڑا آدمی بننا چاہتا تھا۔ وہ اپنے ان ہی خوابوں کے حصار میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

اس دن اس کی زندگی میں ایک نئے موڑ نے جنم لیا۔ جب اس کا تایازاد راشد اپنی چمکتی ہوئی کار میں ان کے گھر آیا۔ اس نے پینٹ کوٹ کے ساتھ بہت خوبصورت شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس کی بہن کی شادی تھی اور وہ انہیں کارڈ دینے کے لئے آیا تھا۔ اس کی چال میں رعونت تھی۔ اس نے عجیب سے انداز میں ان کے گھر کے صحن میں کھڑے ہو کر جائزہ لیا۔

اس وقت گھر میں اس کی ماں ثروت، اس کا بڑا بھائی شکیل اور عارف موجود تھا۔ سب نے اسے عزت سے بٹھایا۔ راشد بڑے تکلف سے بیٹھا تھا۔ چائے پانی کا پوچھا تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ عارف اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ اس جگہ بیٹھ کر عجیب سا محسوس کر رہا ہے۔ اس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جیسے اس کی ماں، بڑا بھائی کمتر اور کمین لوگ ہیں۔ زعم کی بو اس کی زبان سے آ رہی تھی۔ وہ بار بار ان کے گھر کا جائزہ لیتا اور کئی بار اس نے عجیب سا منہ بنایا تھا۔

"تم کیا کر رہے ہو شکیل؟" راشد نے شکیل سے سوال کیا۔ حالانکہ شکیل اس سے عمر میں بڑا تھا لیکن اس کا مخاطب کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس سے چھوٹا ہو۔ معلوم نہیں شکیل کو یہ بات اچھی لگی تھی کہ نہیں...... لیکن عارف کو اچھا نہیں لگا تھا کہ وہ اس کے بڑے بھائی کو اس طرح مخاطب کرے۔ وہ سب شکیل کی عزت کرتے تھے۔

"میں اب پڑھاتا ہوں۔" شکیل نے جواب دیا۔

"اسکول ماسٹر بن گئے ہو؟" گویا اسکول ماسٹر کوئی اچھا کام نہ ہو۔

"میں کالج میں لیکچرار ہوں۔" شکیل نے اچھے ظرف کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔

"ایک لیکچرار کو کیا مل جاتا ہے؟ عجیب سی نوکری ہے۔ پہلے بندہ خود کتابوں کے ساتھ دماغ کھپاتا ہے اور پھر دوسروں کو زور دیتا ہے کہ وہ پڑھے۔" راشد نے اتنا کہہ کر قہقہہ لگایا۔

عارف کو وہ ہنستا ہوا عجیب لگ رہا تھا۔ اسے اس پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ اس کی ہنسی میں فرعونیت تھی۔

"علم حاصل کرنا اور پھر دوسروں کو علم سے روشناس کرانا تو بہت اچھا کام ہے۔" شکیل نے متانت سے کہا۔

"تم کرتے رہو اچھا کام۔" راشد نے یہ کہہ کر اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا کارڈ عارف کی ماں کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ شادی کا کارڈ ہے۔ سب آیئے گا۔ آپ سب کو خاندان کی سب سے بڑی شادی دیکھنے کا موقع ملے گا۔"

"ہاں کیوں، آئیں گے ضرور آئیں گے۔" ثروت مسکرائی اور راشد کے ہاتھ سے شادی کارڈ لے لیا۔

"اس شادی میں شہر کے بڑے بڑے لوگ آ رہے ہیں۔ سیاست دان، وزیر اور کاروباری لوگ، آپ لوگوں نے شاید ایسی شادی پہلے کبھی نہ دیکھی ہو۔" راشد نے فخر سے بتایا۔

"بڑے لوگوں کی شادی تو پھر بڑی ہی ہو گی نا۔" ثروت نے مسکرا کر اس کے فخر کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نظر انداز کر دیا۔

"چاچی آپ کو پتہ ہے ہم نے نیا بنگلہ بنایا ہے۔ چند دنوں میں وہاں شفٹ ہو رہے ہیں۔ کیا عالیشان بنگلہ ہے۔ جتنا آپ کا یہ صحن ہے، اتنا بڑا میرے کمرے کا باتھ روم ہے۔" وہ مسکرایا۔ "ہم شادی اپنے نئے بنگلے میں ہی کر رہے ہیں۔ آپ دیکھیں گی تو آپ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔"

"خدا آپ کے نصیب میں کرے۔" ثروت نے دعا دی۔

"آپ بھی یہ گھر بدل لیں، گھٹن سی محسوس نہیں ہوتی آپ کو یہاں۔" اس نے چاروں طرف دیکھا اور ایک بار پھر عجیب سا منہ بنایا۔ "مجھ سے تو سانس لینا مشکل ہو رہا ہے۔ آپ کیسے رہتے ہیں اس بند سے ڈربے میں۔"

عارف کی برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کا بازو پکڑ کر اسے کھینچتا ہوا دروازے کی طرف لے گیا۔ راشد کے لئے یہ صورتحال بہت ہی حیران کن تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے ساتھ ایسا ہو جائے گا۔ اس کی ماں اور بھائی روکتے رہ گئے۔

عارف نے اس کو دروازے میں لے جا کر باہر دھکا دیا اور بولا۔ "گھٹن محسوس ہو رہی ہے تو یہاں بیٹھے کیا کر رہے ہو۔ جاؤ اپنے عالیشان بنگلے میں جا کر بیٹھو۔" پھر عارف نے دروازہ ٹھک سے بند کر دیا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟ تم نے راشد کو باہر نکال دیا۔" ثروت بولی۔

"وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔" عارف کا غصہ اس کے چہرے سے مترشح تھا۔ "وہ کارڈ دینے کے لئے آیا تھا یا ہمیں کمتر ثابت کرنے کے لئے۔ کیا ہماری کوئی عزت نہیں ہے۔ شکیل بھائی کو کیسے مخاطب کر رہا تھا وہ۔"

"دروازہ کھولو اور اسے اندر بلاؤ۔ ہٹو ایک طرف۔" ثروت دروازے کی طرف بڑھی۔

"ماں مت کھولنا۔ اس کی باتوں سے کیسی بو آ رہی تھی۔ یہ بات آپ نے محسوس نہیں کی۔" عارف دروازے کے آگے کھڑا ہو گیا۔

"تم نے اپنی ماں کی برداشت کی خوشبو کیوں محسوس نہیں کی؟" ثروت اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

"میں یہ سب برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ وہ کیسے اس گھر کو دیکھ رہا تھا۔" عارف ایک طرف جا کر کھڑا ہو گیا۔ "ہمارے گھر کو گھٹن زدہ کہہ رہا تھا۔ یہ ڈربہ ہے۔ ہم ڈربے میں رہتے ہیں؟" عارف چیخا۔

"دیکھو عارف، انہوں نے دولت کے انبار میں آنکھ کھولی ہے۔ وہ ایسا ہی سوچتے ہیں جیسا ان کو ماحول ملا ہے۔ تم کیوں غصہ کر رہے ہو؟" شکیل نے آگے بڑھ کر سمجھایا۔

"ہمارے گھر میں وہ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں۔ ہم کیا ان کے ملازم ہیں۔ ان سے بھیک لے کر کھاتے ہیں۔" عارف بولا۔

ثروت نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول کر باہر جھانکا۔ وہ جا چکا تھا۔ گلی میں اس کی کار نہیں تھی۔ ثروت اس کی طرف متوجہ ہوتی ہوئی بولی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا عارف...... تیرے ابا کو پتہ چلے گا تو وہ غصہ ہوں گے۔ وہ تیرے تایا کا بیٹا ہے۔"

"ابا تو ویسے بھی مجھ پر غصہ ہوتے رہتے ہیں۔ یہ کون سی نئی بات ہے۔" عارف نے لاپروائی سے کہا۔ "اور سن لوں گا۔"

"تمہاری اس حرکت سے خاندان میں دراڑ بھی پڑ سکتی ہے۔ بھائی بھائی الگ ہو سکتے ہیں۔ تم یہ کیوں نہیں سمجھتے ہو۔" ثروت تیز لہجے میں بولی۔

"اب ایک ساتھ مل کر کیا ہو رہا ہے؟ ان کی بڑی بڑی باتیں ہم سنتے ہیں۔ ان کی شاپنگ، ان کے بنگلے، ان کا کاروبار، یہی تو ہم سنتے رہتے ہیں۔ اچھا ہے کہ ان باتوں سے نجات مل جائے گی۔" عارف کہہ کر کمرے میں چلا گیا۔

شکیل ایک طرف چپ کھڑا اپنے بھائی کے تیور دیکھ رہا تھا۔ ایسا جوش اور ایسی سوچ ان کے گھر میں کسی میں بھی نہیں تھی۔ شکیل نے اپنی ماں کو حوصلہ دیا اور ایک طرف بٹھا دیا۔ شکیل کو توقع نہیں تھی کہ عارف کو اس کی بات پر اتنا غصہ آ جائے گا کہ وہ اس کا بازو پکڑ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے گھر سے باہر نکال دے گا۔ عارف نے جو بھی کیا تھا وہ آناً فاناً کر دیا تھا۔ ثروت ایک طرف پریشان سی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

☆......☆......☆

شام کو گھر میں سب افراد تھے لیکن ابھی ثروت نے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا تھا کہ عارف کا تایا دلنواز احمد اپنے بیٹے راشد اور بیوی کے ساتھ آ گیا۔

ان کے چہروں پر غصّے کے انگارے دکھائی دے رہے تھے۔ منظور احمد عزت اور اخلاق سے اس کی طرف بڑھا۔ مصافحے کے لئے اپنے ہاتھ اس کی طرف بڑھائے۔

دلنواز احمد نے بھائی سے مصافحہ کرنے کے بجائے درشت لہجے میں کہا۔ "منظور احمد اب تیرے گھر میں میری اولاد کی یہ عزت ہو گی کہ اس کا بازو پکڑ کر اس کو گھر سے باہر نکال دیا جائے گا؟"

دلنواز احمد کی بات سن کر منظور احمد دم بخود اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "کیا مطلب......؟"

"بڑی معصومیت سے پوچھ رہے ہو کہ کیا مطلب؟" دلنواز احمد کا لہجہ تمسخرانہ ہو گیا۔

"میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔" منظور احمد لاعلم تھا۔ حیرت ابھی تک اس کی آنکھوں سے نمایاں تھی۔

"کہاں ہے تیرا بیٹا جس نے میرے بیٹے راشد کو اس گھر سے بازو پکڑ کر باہر نکال دیا تھا۔ آج میں اسے بتاؤں کہ تم لوگوں کی اوقات کیا ہے۔" ایک دم دلنواز احمد کی آواز میں چنگھاڑ پیدا ہو گئی۔

"کیا ہوا ہے؟" منظور احمد اس کی بات سنتے ہی پریشان ہو گیا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ بیٹھ جائیں۔ مجھے بتائیں۔"

"کیا ہو گیا ہے؟ اتنے بھولے بن گئے ہو منظور یا اپنے بیٹے کی حرکت پر پردہ ڈال رہے ہو؟" دلنواز احمد نے اپنی آنکھیں اس کے چہرے پر جماتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" منظور احمد بولا۔ "میں ابھی کچھ دیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے باہر سے گھر آیا ہوں۔"

"راشد تم لوگوں کو شادی کا کارڈ دینے کے لئے آیا تھا تاکہ تم لوگ ہماری بیٹی کی شادی میں آ کر اپنے آپ کو باعزت محسوس کر سکو۔ تم لوگ بھی بڑے لوگوں میں بیٹھ کر یہ جان سکو کہ ہم جیسے بڑے لوگ کیسے ملتے ہیں۔ ہمارے تعلقات کہاں کہاں اور کن کن لوگوں کے ساتھ ہیں اور تمہارے بیٹے نے راشد کا بازو پکڑ کر اس گھر سے باہر نکال دیا۔ اس گھر سے جہاں میری اولاد آنا پسند نہیں کرتی۔ اس کی ایسی جرأت کیسے ہوئی۔" دلنواز چیخ رہا تھا۔

منظور احمد نے سوالیہ نگاہوں سے ثروت کی طرف دیکھا۔ ثروت کے بولنے سے پہلے شکیل نے نرم لہجے میں کہا۔ "تایا ابا آپ بیٹھیں...... عارف سے غلطی ہوئی ہے لیکن راشد نے جب یہ کہا کہ آپ کا گھر اس کے باتھ روم جتنا ہے تو عارف کو غصہ آ گیا......"

"بھاڑ میں گیا اس کا غصہ...... راشد نے سچ کہا تو اس سے برداشت نہیں ہوا۔ وہ ہے کہاں۔ میرے سامنے لاؤ اسے۔" دلنواز کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔

"ثروت تمہارے خاندان نے پیسہ دیکھا ہے اور نہ تیری اولاد کو پتہ ہے کہ پیسہ کیا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ جلتے ہیں ہم جیسے لوگوں کو دیکھ کر۔" اس بار راشد کی ماں نے اپنے میک اپ میں نہائے منہ کو حرکت دی۔

"میرے بیٹے نے اپنے بنگلے کی تعریف کیا کی وہ تم لوگوں سے برداشت نہیں ہوئی۔ ایسی جلن ہوئی تم لوگوں کو۔ مجھے پتہ ہوتا کہ تم لوگ اپنے دلوں میں ایسی آگ لئے بیٹھے ہو تو ہم اس طرف منہ بھی نہ کرتے۔"

"ہمیں کوئی جلن نہیں ہے......" ثروت نے کہنا چاہا۔

"بند کرو یہ باتیں، یہ جلن نہیں تھی تو اور کیا تھا۔" راشد کی ماں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "خود کچھ کر نہیں سکتے اور دوسروں کو کرتا ہوا دیکھ نہیں سکتے۔ جب راشد نے بتایا کہ تم لوگوں نے اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے تو ہمارے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ تم لوگوں کی یہ جرأت؟"

اسی اثناء میں عارف کمرے سے باہر نکل آیا۔ منظور احمد تو پریشان، مغموم کھڑا سب

سن رہا تھا۔ جونہی عارف کمرے سے باہر نکلا۔ دلنواز تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ عارف نے تھپڑ کھانے کے بعد اپنا چہرہ سیدھا کیا اور چپ چاپ اس کی طرف دیکھتا رہا۔ دلنواز احمد اس پر یوں ہاتھ اٹھا دے گا، یہ کسی کو امید نہیں تھی لیکن اس وقت سب نے برداشت کیا اور چپ رہے۔ خود عارف نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا۔

دلنواز احمد نے اس کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑا۔ "تم نے راشد کو گھر سے باہر نکالا تھا۔ تیرے باپ کو بھی میں نے ان ہی ہاتھوں سے مارا ہے۔ تیرے باپ نے میری دی ہوئی فیس سے کالج میں داخلہ لیا تھا۔ چھ مہینے تک تیرا باپ میری روٹیاں کھاتا رہا تھا۔ آج تیرا باپ جس نوکری کو کر رہا ہے وہ میری سفارش سے ملی تھی۔ تیری ماں جب بیاہ کر آئی تھی تو رہنے کے لئے میں نے اپنا سرونٹ کوارٹر دیا تھا۔ اس بستر پر سوتے رہے ہیں جہاں میرا چوکیدار سوتا تھا۔ میرے چوکیدار کے برتنوں میں کھاتے رہے ہیں، یہ اوقات ہے تم لوگوں کی۔" دلنواز احمد سیخ پا ہو کر بول رہا تھا۔

عارف ہی کیا سب سن رہے تھے۔ راشد اور اس کی ماں کی گردنیں سانپ کے پھن کی طرح کھڑی تھیں۔ منظور احمد کی گردن اور بھی جھک گئی تھی۔

اس کے بعد دلنواز احمد تیزی سے منظور احمد کی طرف بڑھا جو سر جھکائے کھڑا تھا جس نے شاید یہ باتیں اپنی اولاد کو نہیں بتائی تھیں۔ دلنواز احمد بولا۔ "اب ہم دونوں کے راستے الگ ہیں۔ میرا تم لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ تم مر گئے میرے لئے۔"

"ثروت...... کچھ باتیں اور بھی میں تم کو یاد دلاؤں۔" راشد کی ماں نے ثروت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ثروت چپ کھڑی رہی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ لگ رہا تھا دل جیسے ابھی دھڑکنا بند ہو جائے گا اور وہ نیچے گر جائے گی۔

راشد کی ماں نے ثروت کی طرف دیکھا اور پھر ایک ادا سے بولی۔ "یاد ہے جب تم ہسپتال میں تھیں......"

"ہماری غربت کے دنوں کا مذاق مت اڑائیں تائی امی۔" اس سے پہلے کہ راشد

کی ماں کچھ کہتی، عارف نے اسے روکنا چاہا۔

''اب کون سا تم لوگ محل میں رہنے لگے ہو کہ اپنی غربت کے دن یاد نہیں کرنا چاہتے۔ آئینہ دکھا رہے ہیں تم لوگوں کو...... تاکہ یہ یاد رہے جس کو تم نے دھکا دے کر گھر سے باہر نکالا تھا، اسی کے باپ کے ٹکڑوں پر تیرا باپ اور تیری ماں پلتے رہے ہیں۔'' دلنواز احمد کا غصہ اب بھی آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔

''چلو چلیں۔'' راشد کی ماں نے نفرت آمیز نظروں سے ان سب کی طرف دیکھا۔

''اتنا ہی بہت ہے۔ ساری عمر یاد رہے گا اور اپنی اوقات کو یاد کر کے روتے رہیں گے۔''

ان تینوں نے باری باری سب کی طرف دیکھا اور تینوں اس گھر سے چلے گئے۔

گھر کے سب افراد پر سوگ چھا گیا تھا۔ ثروت ایک طرف بیٹھ گئی۔ منظور احمد بھی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے جسم سے ساری طاقت کسی نے سلب کر لی ہے۔ باقی بھی دائیں بائیں بیٹھ گئے۔ ایک عارف ہی اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔ اس کی گال پر تھپڑ کا نشان تھا۔ ابھی بھی وہ گال پر اٹھنے والی تکلیف محسوس کر رہا تھا۔ اس کے دل میں کیا طوفان اٹھ رہا تھا۔ اس کا دماغ کیا سوچ رہا تھا یہ کوئی نہیں جان سکتا تھا۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو مغموم اور کرب ناک صورت کے ساتھ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ جو باتیں ماں باپ نے اپنی اولاد سے مخفی رکھی تھیں جو بھرم قائم رکھا تھا وہ ان لوگوں نے ایک پل میں ایسے توڑ دیا تھا جیسے کوئی شیشہ ٹھوکر مار کر توڑ دے۔

عارف چلتا ہوا اپنے باپ کے پاس گیا۔ کچھ دیر اس جگہ کھڑا رہا اور اپنے باپ کو دیکھتا رہا۔ اس کا باپ اسی طرح بیٹھا رہا۔ پورے گھر میں اداسی چھائی ہوئی تھی۔ تایا دلنواز کی باتیں، اس کی بیوی کا قہقہہ سب کو یاد آ رہا تھا۔ باپ کی بے عزتی کے وہ الفاظ ان کے سینے میں تیزاب کی طرح گرے تھے۔ ان کی تکلیف سب محسوس کر رہے تھے۔

عارف حوصلہ دینے کے لئے بھی دو الفاظ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ پہلے ہی ان معاملات میں حساس دل رکھتا تھا ان باتوں نے اس کو اندر سے توڑ دیا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں دور چلا جائے۔ وہ سب کے سامنے آنسو نہیں بہا سکتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عارف چلتا ہوا دروازے تک گیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور ایک نظر اپنے باپ پر ڈال کر باہر نکل گیا۔

وہ کسی ہارے ہوئے انسان کی طرح جا رہا تھا۔ گلی سے نکل کر وہ بازار میں پہنچا وہاں سے ایک سڑک پر نکل گیا، سامنے ایک پل آ گیا، اپنے تایا کی ترش باتوں کو یاد کرتے ہوئے اس نے پل عبور کیا اور چلتے چلتے وہ سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔

سمندر اس کا دوست تھا۔

جو باتیں وہ کسی سے نہیں کہہ سکتا تھا وہ سمندر سے کہہ دیتا تھا۔ وہ اس کے سامنے رو سکتا تھا کیونکہ وہ سمندر اس کے آنسو اپنے دل میں جذب کر کے کسی پر عیاں نہیں کر سکتا تھا۔ عارف کا خیال تھا کہ سمندر انسان سے بھی اچھا راز دار ہے۔ اسے جو بات بھی بتائی جائے یہ اپنے پھیلے ہوئے سینے میں چھپا لیتا ہے اور کبھی باہر نہیں نکالتا۔ سمندر کی لہریں جب انسان کے پیروں کے ساتھ ٹکراتی ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے وہ اس کا غم کم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ اس کے پیروں سے ٹکرا کر اس کے اندر کا کرب کھینچ کر دور لے جاتی ہوں اور کہیں چھوڑ کر پھر اس کے پاس آ جاتی ہوں۔

عارف مضبوط دل اور اعصاب کا مالک تھا۔ وہ کبھی نہیں روتا تھا لیکن آج اس کی آنکھوں میں اُترا ہوا پانی چھلک پڑا اور باپ کی بے عزتی برداشت نہیں ہوئی اس کے تایا نے اس کے باپ کا بھرم توڑ دیا تھا۔ وہ سمندر کے کنارے بیٹھ کر رونے لگا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے۔ باپ کا چہرہ بار بار اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ تایا کے کہے ہوئے الفاظ اس کا دل پھاڑ دینے کے لئے کافی تھے۔ جانے کیسے دل سینے سے باہر نہیں نکلا تھا۔

عارف روتا رہا۔ اندھیرا چھا گیا تھا۔ ایک تیز لہر آئی۔ وہ سیدھی عارف کے اوپر آ پڑی اور جب وہ واپس گئی تو عارف کی آنکھوں کے آنسو بھی اس لہر کے ساتھ چلے گئے تھے۔ وہ اس کی آنکھوں کے آنسو بھی ساتھ لے گئی تھی۔ اس کا چہرہ بھیگ گیا تھا۔ جیسے سمندر نے اس کی آنکھوں کے آنسو پونچھے ہوں۔ وہ کچھ دیر تک سمندر کو دیکھتا رہا۔ دل کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔ پھر عارف اپنی جگہ سے اٹھا اور واپس جانے کے لئے چل پڑا۔ ایک دم وہ رکا اور گھوم کر اس نے سمندر کی طرف پھر دیکھا۔

وہ اسی طرف دیکھتا ہوا اپنے دل ہی دل میں بولا۔ ”زندگی کی آخری سانس تک میں تایا کے الفاظ نہیں بھولوں گا۔ میں ان کو بتا دوں گا کہ میرا نام عارف حمید ہے اور میں منظور احمد کا بیٹا ہوں جن پر کئے گئے احسانات طعنے کی شکل میں انہوں نے لوٹائے تھے۔ ایک ایک لفظ کا انتقام لوں گا۔ آج سے تم میرے لئے تایا نہیں ہو وہ ہو جس نے میرے باپ کی بے عزتی کی ہے۔“

عارف گھوما اور اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ اس کے پیچھے سمندر کی موجیں منہ زور ہو رہی تھیں۔ تیز ہوا چلنے لگی تھی۔

وہ اسی راستے سے پیدل چلتا ہوا اپنے گھر کی گلی میں پہنچا تو وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ وہاں ایک ایمبولینس کھڑی تھی۔ وہ ابھی گھر کی طرف چلا ہی تھا کہ اس کی گلی کا ایک لڑکا اس کے سامنے آ گیا اور بولا۔ ”تم کہاں چلے گئے تھے عارف۔ تیرے ابا کی اچانک طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ ہم ہسپتال لے گئے وہ اب دنیا میں نہیں رہے۔“

عارف نے یہ سنا تو اسی جگہ دم بخود کھڑا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی آنسو نہیں تھا۔ اس کا دل رو رہا تھا۔ آنکھوں کے آنسو تو سمندر کی وہ موج لے گئی تھی۔ عارف کو اپنے باپ کی اچانک موت کا اتنا دکھ تھا کہ اس کے لئے یہ صدمہ برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا اپنے گھر میں داخل ہو گیا۔

☆......☆......☆

عارف نے دیکھا کہ اس کا سوتیلا تایا دلنواز احمد اس کے باپ کی موت پر نہیں آیا۔ اس گھر سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ عارف کے دل پر یہ بات پتھر کی طرح لکھی گئی تھی کہ اس کے باپ کی موت کا ذمہ دار اس کا سوتیلا تایا ہی ہے جس نے ایسی باتیں کہنے میں کسی تامل سے کام نہیں لیا اور وہ باتیں منظور احمد نے اپنے دل کو لگا لیں اور ان باتوں کے بوجھ

دب کر وہ زندگی کی بازی ہار گیا۔

یہ خواہش اب اور بھی زور پکڑ گئی تھی کہ اسے بڑا آدمی بننا ہے۔ دولت کمانی ہے۔ جیسے بھی ممکن ہو، اسے اپنا تایا دلنواز احمد سے ٹکر لینی ہے۔ وہ اس کی بربادی کے لئے جو سامان بھی کرے گا کوئی کسر نہیں چھوڑے گا۔

کئی دن گزر گئے تھے زندگی پھر معمولات پر آنے لگی تھی۔ سوگوار گھڑیوں میں پھر زندگی جھانکنے لگی، مسکراہٹیں جنم لینے لگی تھیں۔ عارف نے کتابوں کو اسٹور میں رکھ دیا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اب آگے نہیں پڑھے گا بلکہ زندگی کو پہاڑ میں راستہ بنانے کے لئے تراشے گا اور اس پار جانے کا راستہ خود بنائے گا۔

جب کئی دن عارف کالج نہیں گیا تو شکیل نے اس سے پوچھا۔ ”تم کالج کیوں نہیں جاتے ہو؟“

”اب میں کالج نہیں جاؤں گا۔“ عارف نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔ ”کالج چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے میں نے۔“

”کالج کیوں نہیں جاؤ گے۔ کیا ہوا ہے؟“ شکیل نے حیرت سے پوچھا۔ ”کالج چھوڑنے کا فیصلہ تم نے کیوں کیا ہے؟“

”پڑھائی چھوڑ دی ہے میں نے۔“ عارف نے کہا۔ ”جب پڑھائی چھوڑ دی تو کالج جانا بھی چھوٹ گیا۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو تم نے پڑھائی چھوڑنے کا کیوں فیصلہ کیا۔ تمہیں اخراجات کا مسئلہ ہے تو یہ تمہاری فکر نہیں ہے۔ وہ میں پورے کروں گا۔“ شکیل ہمدردی سے بولا۔

”اب میں کماؤں گا۔ کام کروں گا۔ پڑھائی نہیں ہوگی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔“ عارف نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

○○○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

......

"تم ایسا مت سوچو، اپنی کتابیں لو اور کالج جاؤ۔ پڑھائی مکمل کرو، پھر مانا۔" شکیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"آپ میری فکر نہ کریں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور جو فیصلہ میں کر لوں، وہ ہوتا ہے۔" عارف نے نرم لہجے میں کہا اور جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہارا یہ فیصلہ مجھے پسند نہیں ہے۔" شکیل بولا۔

"میرا فیصلہ غلط بھی نہیں ہے۔" عارف نے کہا۔

"کیسے غلط نہیں ہے؟" شکیل کو اس کی فکر ہونے لگی تھی۔ "تم پڑھائی چھوڑ رہے ہو۔ اپنا مستقبل تاریک کر رہے ہو۔"

عارف نے اپنے بھائی کی طرف دیکھا۔ "آپ پڑھ لکھ کر نوکری کر رہے ہیں اور نواز بھی اپنی اپنی تعلیم مکمل کرنے والے ہیں۔ ان کو بھی اچھی نوکریاں مل جائیں مجھے نوکری کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں بزنس کرنا چاہتا ہوں۔ اس لئے میں پڑھنا تھا۔ پڑھ لیا ہے۔"

"بزنس پیسے سے ہوتا ہے۔" شکیل کا انداز سمجھانے کا تھا۔

"پیسہ بھی میرے پاس آئے گا۔" وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

"کہاں سے آئے گا؟" شکیل نے پوچھا۔

"جہاں سے بھی آئے گا، میں پیسے کو ہاتھ سے جانے نہیں دوں گا اور پھر بزنس کروں گا۔" عارف نے کہا۔

"تم کوئی غلط کام کرنے کا تو نہیں سوچ رہے؟" شکیل کو ایک نئی فکر نے گھیر لیا۔

عارف مسکرایا۔ "یہاں کچھ صحیح بھی ہو رہا ہے کیا؟ جو بھی ہو رہا ہے جہاں بھی ہو رہا ہے وہ بس ہو رہا ہے۔"

"عارف مجھے تمہارے ارادے ٹھیک نہیں لگتے۔ دیکھو کچھ الٹا سیدھا مت کرنا۔" شکیل اس کی طرف دیکھ کر فکرمندی سے بولا۔

"میں نے کوئی ارادہ آپ کو بتایا ہے جس کو جان کر آپ یہ کہہ سکیں کہ میرا ارادہ ٹھیک نہیں ہے؟" عارف نے سوالیہ نگاہوں سے شکیل کی طرف دیکھا۔ "میں نے تو آپ کو کچھ بتایا ہی نہیں ہے۔ پھر آپ کیسے کہہ سکتے ہیں میرے ارادے ٹھیک نہیں لگتے۔"

"تم پیسہ آنے کی بات کر رہے ہو۔" شکیل نے کہا۔

"پیسہ آنے کی بات کرنا غلط تو نہیں ہے۔" عارف اتنا کہہ کر اپنے بھائی کو دم بخود سوچتا ہوا چھوڑ کر کمرے میں چلا گیا۔

اس کی ماں بھی دروازے میں کھڑی اس کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ عارف کو جانتی تھی کہ وہ دل میں کچھ اور چھپائے بیٹھا ہے۔

☆......☆......☆

عارف کا کالج میں ایک ہی دوست تھا جس کا نام منصور نادر تھا۔

منصور کا تعلق کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔ ایک فیکٹری تھی، جائیداد تھی، کرائے پر ی ہوئی مارکیٹ تھی، دو کوٹھیاں تھیں۔ ایک کوٹھی کرائے پر دی ہوئی تھی اور دوسری جس میں وہ اپنی ماں زاہدہ بیگم کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں خانساماں، ڈرائیور اور دوسرے نوکر تھے۔

منصور کے باپ کو فوت ہوئے تقریباً سات ماہ ہو گئے تھے۔ اس کا باپ اچھا آدمی

تھا۔ زاہدہ بیگم کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ تھی لیکن اس نے اپنے آپ کو پوری طرح سے فٹ رکھا ہوا تھا۔ اس کی خوبصورتی اور کشش اس بات کا پتہ نہیں چلنے دے رہی تھی کہ وہ عمر کے اس ہندسے کو چھو چکی ہے۔ وہ ایک ماڈرن عورت تھی۔

زاہدہ بیگم فیکٹری بھی جاتی تھی۔ وہاں سارا کام تو اس کا اسٹاف کرتا تھا اور بہت سی ذمہ داری ان کے پرانے منیجر لطیف بیگ کے کندھوں پر تھی لیکن زاہدہ بیگم کی اپنی فیکٹری پر کسی ماہر کاروباری کی طرح پوری نظر تھی۔ فیکٹری اور جائیداد کے دوسرے معاملات کی دیکھ بھال میں منصور کے مرحوم والد کے دوست اظہر حسین کی معاونت بھی زاہدہ بیگم کو حاصل تھی۔

اظہر حسین ایک کاروباری شخص تھا۔ وہ پچپن سال کا ایک صحت مند شخص تھا۔ دولت کی ریل پیل نے اسے ہر فکر سے ہمیشہ دور رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ صحت مند اور توانا جسم کا مالک تھا۔ زندگی میں کوئی ایسی خواہش نے اس کے دل میں جنم نہیں لیا تھا جو پوری نہ ہوئی ہو۔ اس کا بزنس ملک میں ہی نہیں بلکہ ملک سے باہر بھی پھیلا ہوا تھا جس کی دیکھ بھال اس کی اولاد کرتی تھی۔ اس کی بیوی اور بچے کینیڈا میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو چکے تھے۔ اظہر حسین کبھی ملک میں اور کبھی ملک سے باہر ہوتا تھا۔

اپنے دوست کی موت کے بعد اظہر حسین نے ماں اور بیٹے پر مشتمل فیملی کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ کاروبار کیسے کرنا ہے۔ اس کے معاملات کیسے چلانے ہیں اور دوسری تمام الجھنوں کے راستے اظہر حسین نے ہی زاہدہ بیگم کو بتائے تھے۔ وہ منصور کے ساتھ بھی بہت اخلاق اور پیار سے پیش آتا تھا۔

زاہدہ بیگم اکثر کہتی تھی کہ اگر اظہر حسین کا ساتھ نہ ہوتا تو شاید وہ یہ سب کچھ سنبھال نہ پاتی۔ منصور نے باپ کی وفات کے بعد اظہر حسین سے ملنا تقریباً ترک کر دیا تھا۔ جب بھی ان کے گھر آتا تھا تو منصور دوسرے دروازے سے نکل جاتا اور جب کبھی ان سامنا ہوتا تھا تو وہ ہیلو ہائے کر کے دائیں بائیں ہو جاتا تھا۔

منصور کی دوستی عارف کے ساتھ بہت گہری تھی۔ دونوں ایک دوسرے کا پس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جانتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت بے تکلف تھے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ان کا خوب مذاق تھا۔ منصور نے کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ ایک چھوٹے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ دونوں میں دوستی کے ساتھ ایک دوسرے سے پیار بھی تھا۔

عارف نے جب منصور کو بتایا کہ وہ کالج چھوڑ رہا ہے اور کاروبار کرنے کی سوچ رہا ہے تو منصور سنتے ہی بولا۔ ''یہ تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو۔ تمہیں پڑھنا چاہئے اور کوئی بہت بڑا مفکر بننا چاہئے۔ بلکہ دانشور بن کر قوم و ملک کی خدمت کرنی چاہئے اور اگر تم سیاستدان بن جاؤ تو کیا بات ہے۔ تمہارے قدموں میں وہ سب کچھ ہوگا جو کسی عام آدمی کی پہنچ سے بھی دور ہوتا ہے۔''

''میں سیریس بات کر رہا ہوں اور تم مذاق کر رہے ہو۔'' عارف نے متانت سے کہا۔

''میں نے کب تجھے یہ مذاق میں کہا ہے۔ میں خود بہت سنجیدہ ہوں۔'' منصور زیر لب مسکرا رہا تھا۔

''مجھے تو تیری بات مذاق ہی لگ رہی ہے۔ میں واقعی کوئی کاروبار کرنے کی سوچ رہا ہوں۔'' عارف بولا۔

''کیا کاروبار کرنا چاہتے ہو؟'' منصور نے پوچھا۔

''کوئی بھی جس میں پیسہ ہو۔'' عارف نے جواب دیا۔ ''جس میں نام ہو، عزت ہو اور بلندی ہو۔''

''کاروبار میں پیسہ لگانا پڑتا ہے اور پھر اس سے پیسہ کمایا جاتا ہے۔'' منصور نے کہا۔ ''پھر سب کچھ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔''

عارف بولا۔ ''اسی لئے تو بتا رہا ہوں۔ مجھے کاروبار کرنے کے لئے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔''

''بولو کیا مدد چاہئے۔ میں حاضر ہوں۔ مجھے خوشی ہوگی۔ تم مجھ سے پہلی بار مدد مانگ رہے ہو۔'' منصور نے جلدی سے کہا۔

"میں بہت سوچ بچار کے بعد تم سے بات کر رہا ہوں۔ میرے پاس کوئی چارہ نہیں ہے، کوئی راستہ نہیں ہے۔ میرے ساتھ کاروبار میں شراکت کر لو۔" عارف جھجکتے ہوئے بولا۔

"کاروبار کیا ہے۔ اس کا تو پتہ چلے۔" منصور نے پوچھا۔

"یہ ابھی سوچا نہیں ہے۔" عارف نے کہا۔

"بس شراکت کے بارے میں سوچا ہے۔" منصور مسکرایا۔

"شراکت داری برابر کی سرمایہ کاری کے ساتھ نہیں ہوگی۔ میرے پاس پیسہ نہیں ہے۔ میں نے سوچا ہے کہ تم پیسہ لگاؤ، میں محنت کروں گا۔ تم حامی بھرو، میں ایک دن میں تمہیں سوچ کر بتاؤں گا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔ تمہاری "ہاں" سے میں سوچ سکتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے انکار کرنے پر میری سوچ اسی جگہ ختم ہو جائے گی۔" عارف بولا۔

"تم سوچ کر مجھے بتاؤ کہ کیا کرنا چاہتے ہو۔ میں تمہیں پیسہ دوں گا۔ مجھے منافع کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم اگر کاروبار کر سکتے ہو تو مجھے خوشی ہوگی۔" منصور نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم نے میرا مان رکھ لیا میرے دوست۔" عارف اس کی طرف ممنون نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمہارا بہت شکریہ۔"

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ تم نے مجھے اس قابل سمجھا اور مجھ سے اپنے دل کی بات کہی۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔" منصور نے کہا۔ "تم جو کرنا چاہتے ہو اس کے لئے میں سرمایہ مہیا کروں گا۔"

"تم ہی میرے دوست ہو۔ تمہارے سوا میں اور کس کو کہہ سکتا ہوں۔ یقین مانو کہ میں نے بہت سوچنے کے بعد بڑی ہمت جمع کر کے تم سے بات کی تھی۔" عارف بولا۔

"ایک بات کا خیال رکھنا عارف۔ تم جانتے ہو کہ تمام پیسہ میری مما کے پاس ہوتا ہے۔ ابھی تو میرا کوئی الگ سے اکاؤنٹ بھی نہیں کھلا۔ مجھے جیب خرچ ملتا ہے۔ میں اپنی مما سے بیس پچیس لاکھ روپے آسانی سے لے سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ کا بجٹ نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بنانا۔" منصور نے کہا۔ "اس سے زیادہ رقم لینا میرے لئے مشکل ہوگا۔"

"میں جانتا ہوں۔ میرے لئے یہ رقم بہت ہے۔" عارف نے سر ہلایا۔

"ویسے ایک بات تو بتاؤ۔" منصور نے اس کی طرف دیکھا۔

"پوچھو کیا پوچھنا ہے۔" عارف نے جلدی سے کہا۔

"تمہیں اچانک بزنس کرنے کی کیا سوجھی؟ یہ پڑھائی بیچ میں ہی کیوں چھوڑ رہے ہو۔ بات کیا ہے؟" منصور نے پوچھا۔

"میں اپنے حالات بدلنا چاہتا ہوں۔ ترکش سے نکل کر تیر سیدھے دل پر لگے ہیں۔ وہ تیر دل سے تب ہی نکلیں گے جب میرا بزنس ہوگا، میری کوئی حیثیت ہوگی، میری پہچان ہوگی۔" عارف نے متانت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کس نے مار دیئے اتنے سارے تیر؟ کون بدبخت ہے وہ۔" منصور اس کی بات سن کر ہنسا۔ "کس نے ایسی جرأت کی ہے۔"

"ایسا حملہ اپنے ہی کیا کرتے ہیں کیونکہ ان کا ہر نشانہ ٹھیک جگہ پر لگتا ہے۔ غیروں کے تمام نشانے خالی جایا کرتے ہیں۔" عارف نے جواب دیا۔

"تم کچھ گہری باتیں نہیں کرنے لگے ہو؟" منصور نے اپنے کان کو کھجایا۔ "مجھ جیسے کم عقل کے دماغ میں تمہاری یہ بات کہاں آئے گی۔"

عارف ہنسا۔ "ابھی تم نے میری گہری باتیں سنی ہی کہاں ہیں۔ فی الحال اس بات کو ہضم کرنے کی کوشش کرو۔"

"میں نے اسی لئے تو کہا تھا کہ تم دانشور بن جاؤ۔ بڑی بڑی باتیں کیا کرو۔" منصور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟ کہیں جانا ہے کیا۔" اس طرح منصور کو دیکھتے ہوئے عارف نے پوچھا۔

"کچھ کھانے پینے کے لئے دیکھ رہا ہوں۔ کیا کھائیں یار۔" منصور سوچتے ہوئے بولا۔ اس کی نگاہیں اب بھی دور تک گھوم رہی تھیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی بولی۔

''کچھ نہیں ایسے ہی بس...... آپ کہیں جا رہی ہیں؟'' منصور نے پوچھا۔

''ہاں...... میں آفس جا رہی ہوں۔ ضروری کام پڑ گیا ہے۔'' زاہدہ بیگم نے بتا

''شام کو واپسی ہو گی۔''

''اس وقت آپ آفس جا رہی ہیں۔'' منصور نے ایک نظر گھڑی کی طرف دیکھا

''کچھ اہم چیک سائن کرنے ہیں۔ اس لئے مجھے جانا پڑ رہا ہے۔'' زاہدہ بیگم کہا۔ ''رات ہو یا دن...... کام کے لئے تو جانا ہی پڑتا ہے۔''

''مما ایک چیک مجھے بھی چاہئے۔'' منصور نے کہہ دیا۔

زاہدہ بیگم اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتی ہوئی بولی۔ ''کتنے کا چیک چاہیے۔''

''پچیس لاکھ روپے کا۔'' منصور نے بتایا۔

''کتنے کا......؟؟'' زاہدہ بیگم نے متحیر نگاہوں سے رُک کر اس کی طرف دیکھا۔ بڑی رقم کا سن کر اسے حیرت ہوئی تھی۔ اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔

''پچیس لاکھ روپے کا چیک مجھے چاہیے۔'' منصور نے اپنی ماں کے پاس جا بڑے اطمینان سے کہا۔

''پچیس لاکھ روپے؟ اتنی بڑی رقم کا تم نے کیا کرنا ہے؟'' زاہدہ بیگم نے حیر سے پوچھا۔

منصور نے سوچا کہ وہ اس سوال کا کیا جواب دے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ دے تا کہ کوئی ابہام نہ رہے اور مما کے سوال بھی لمبے نہ ہوں۔

''میرا ایک بہت ہی اچھا دوست ہے۔ وہ اپنے کاروبار میں مجھے شامل کرنا چا ہے۔ اس کو پیسوں کی ضرورت ہے۔ وہ کچھ دنوں کے بعد لوٹا دے گا۔''

''منصور ایسا کون سا تمہارا دوست ہے جو کاروبار کرتا ہے۔ تم نے پہلے مجھے کبھی کے بارے میں نہیں بتایا۔'' زاہدہ بیگم نے پوچھا۔

''اس نے ابھی ابھی پڑھائی اپنے حالات کی وجہ سے چھوڑی ہے۔ وہ کاروبا

چاہتا ہے۔'' منصور بولا۔ ''میں نے اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے۔''

''منصور آر یو کریزی...... ؟ ایک دوست تم سے اتنی بڑی رقم مانگ رہا ہے اور تم فوراً اس کو رقم دینے کے لئے تیار ہو گئے ہو۔ وہ تمہارے پیسے سے کاروبار کرنا چاہتا ہے۔ کاروبار کے لئے اس کا باپ اس کو کیوں پیسے نہیں دے رہا ہے۔'' زاہدہ بیگم تیز لہجے میں بولی۔

''وہ میرا بہت ہی اچھا دوست ہے۔ مجھے اس پر اعتماد ہے۔ میں اس لئے اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔'' منصور نے وضاحت کی۔ ''وہ مضبوط مالی حیثیت کے لوگ نہیں ہیں۔ اس کا باپ چند ہفتے پہلے فوت ہوا ہے۔''

''تم ابھی بچے ہو۔ ان معاملات کو نہیں جانتے کہ لوگ کس طرح فائدہ اٹھاتے ہیں اور پھر فریب دیتے ہیں۔'' زاہدہ بیگم نے کہا۔

''میں اب بچہ نہیں رہا ہوں۔ ایم بی اے کا سٹوڈنٹ ہوں۔ مجھے اپنے دوست پر اعتماد ہے۔'' منصور بولا۔

''تم ابھی بچے ہی ہو۔ دوسروں کی باتوں میں آ کر تم اتنی بڑی رقم برباد کرنا چاہتے ہو۔'' زاہدہ بیگم نے کہا۔ ''میرا وقت ان فضول باتوں میں ضائع مت کرو۔''

''رقم برباد نہیں ہو گی۔ وہ بہت ذہین ہے۔ پلیز آپ مجھے چیک دے دیں۔'' منصور بولا۔

''ذہین تو ہے کہ وہ اپنے امیر دوست کی دوستی سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ اپنا دماغ ہی تو استعمال کر رہا ہے اور تم اس کی باتوں میں آ گئے ہو۔'' زاہدہ بیگم نے بلا تامل کہا۔

''آپ مجھ پر یقین کریں وہ دوسروں کی طرح نہیں ہے۔ وہ میرا اکلوتا دوست ہے۔'' منصور نے اپنی بات پر زور دیا۔

''ہرگز نہیں، میں تمہیں کوئی پیسہ نہیں دوں گی۔ تم ابھی دوسروں کو سمجھ نہیں سکتے۔'' زاہدہ بیگم نے سختی سے انکار کر دیا۔ ''تمہارے اس فضول دوست کے لئے میرے پاس ایک

"آ جاؤ آلو چھولے کھاتے ہیں۔ وہی مزے دار اور چٹخارے دار۔" عارف اس کا
ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔

☆......☆......☆

عارف کو کاروبار کرنے کے لئے پیسوں کا حوصلہ مل گیا تھا۔

بیس پچیس لاکھ روپے منصور کے لئے اپنی مما سے لینا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اب
عارف نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ وہ کیا کاروبار شروع کرے جس میں منافع اتنا ہو کہ وہ
دنوں میں زمین سے آسمان کی بلندی پر پہنچ جائے۔

رات بھر عارف تانے بانے بنتا رہا۔ نینداس کی آنکھوں سے دور ہو گئی تھی۔ وہ
اپنے مقاصد کے لئے اپنی نیندیں اور کھانا پینا تک بھول جانا چاہتا تھا۔ رات کا آخری پہر
تھا۔ وہ کمرے میں بیٹھا ہوا کاغذ اور پنسل پکڑے جو کاروبار اس کے ذہن میں آتا، وہ لکھتا،
اس کے متعلق سوچتا اور پھر اسے کاٹ کر کچھ اور سوچنے لگتا تھا۔

عارف جب تھک گیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور کمرے کی کھڑکی کھول کر باہر دیکھنے
لگا۔ اس کا کمرہ اوپر کی منزل پر تھا۔ دور تک آسمان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا
چل رہی تھی۔ ہر طرف سناٹا اور سکوت پھیلا ہوا تھا۔

وہ کچھ دیر تک اسی طرح کھڑا رہا اور پھر کھڑکی بند کرنے کے لئے ابھی اس نے
اپنے ہاتھ بڑھائے ہی تھے کہ سامنے والے گھر کے اوپر والے کمرے کی کھڑکی تھوڑی سی
کھلی اور موم بتی ایسے لہرائی جیسے کوئی اسے اپنی طرف متوجہ کر رہا ہو۔ عارف رک گیا اور
سامنے دیکھنے لگا۔

آدھی کھلی کھڑکی سے ایک لڑکی کا چہرہ نمودار ہوا۔ اس نے مسکرا کر عارف کی طرف
دیکھا اور پھر کھڑکی بند کر دی۔ عارف اسی جگہ کھڑا رہا۔ اس کی نگاہیں بند کھڑکی پر منجمد ہو گئی
تھیں۔ وہ حیران تھا کہ یہ کون لڑکی ہے۔ وہ ایک عرصے سے اس محلے میں رہ رہے تھے۔
ایک ایک گھر کو جانتے تھے وہ اس گھر کے بارے میں بھی جانتا تھا لیکن وہ اس لڑکی کو پہلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار دیکھ رہا تھا۔

اس دومنزلہ گھر میں میاں بیوی، ان کا ایک بیٹا اور اس کی بیوی اور تین چھوٹے بچے
رہتے تھے۔ اس لڑکے کا نام سہیل تھا۔ اس کی بیوی کو وہ اچھی طرح جانتا تھا جو چہرہ اسے
کھڑکی میں دکھائی دیا تھا وہ سہیل کی بیوی کا نہیں تھا۔ وہ کوئی اور ہی خوبصورت چہرہ تھا جسے
عارف پہلی بار اس گھر کی کھڑکی میں دیکھ رہا تھا۔

عارف یہ بھی جانتا تھا کہ یہ بڑا گھر تھا۔ وہ سب نیچے والے حصے میں ہی رہتے
تھے۔ اوپر والا حصہ خالی ہی ہوتا تھا۔ عارف کو شاذ ہی وہ کھڑکی کھلی ملتی تھی۔ رات کے اس
پہر جب سب سو رہے تھے۔ وہ کون تھی جو اس گھر کے اس کمرے میں ہاتھ میں موم بتی لئے
جاگ رہی تھی۔

عارف اس جگہ کھڑا رہا اور اس کھڑکی کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ چہرہ پہلی نظر میں ہی اس
کی آنکھوں میں سما گیا تھا۔ وہ خوبصورت اور مسکراتا ہوا چہرہ اس کے دل و دماغ سے محو نہیں
ہو رہا تھا۔ جب وہ کھڑکی دوبارہ نہیں کھلی تو وہ اس جگہ سے ہٹ گیا۔ اس نے کھڑکی بند کر
دی۔ ایک جھلک نے ہی اسے مضطرب کر دیا تھا۔ وہ جس مقصد کے لئے جاگ رہا تھا۔ اس
پر اس لڑکی کا چہرہ اور مسکراہٹ غالب آ گئی تھی۔ وہ بھول گیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔

اس نے گھڑی میں وقت دیکھا ساڑھے تین بج رہے تھے۔ ایک بار پھر اس نے
اپنی کھڑکی تھوڑی سی کھولی اور اس جانب دیکھا۔ وہ کھڑکی اب بھی بند تھی۔ عارف نے پھر
کھڑکی بند کی اور اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

عارف کب سوچتے ہوئے نیند کی وادی میں پہنچ گیا اس کا اسے پتہ بھی نہیں چلا۔
جب اس کی آنکھ کھلی صبح ہو چکی تھی۔ وہ اٹھتے ہی کھڑکی کی طرف بھاگا اور کھڑکی کھول کر
باہر دیکھنے لگا۔ عجیب سحر میں مبتلا ہو گیا تھا۔ کھڑکی بند تھی۔ اس نے بھی بے زاری سے اپنی
کھڑکی بند کر دی۔

☆......☆......☆

عارف کے بارے میں اس کی ماں بھی پریشان تھی کہ اس نے کیا کرنے کی ٹھان کر تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا۔ ناشتے کے بعد جب وہ دونوں تنہا گھر میں تھے۔ اس کی ماں کو پوچھنے کا موقع مل گیا۔

"عارف کل تم اپنے بھائی سے کیا باتیں کر رہے تھے۔ تم پڑھنا نہیں چاہتے اور کاروبار کرنے کی سوچ رہے ہو؟"

"آپ ہماری باتیں سن رہی تھیں ماں؟" عارف نے پوچھا۔

"میں اپنے کمرے کے دروازے میں ہی کھڑی تھی اور یہ گھر اتنا بڑا نہیں ہے کہ دو فرد باتیں کر رہے ہوں اور تیسرے کو سنائی نہ دیں۔" ثروت بولی۔

"اس گھر کو بڑا کرنے کی ہی تو فکر میں ہوں۔" عارف نے کہا۔ "اسی لئے پڑھائی چھوڑ دی ہے۔"

"ہمارے لئے یہی گھر بہت بڑا ہے تم اس کی فکر نہ کرو۔" ماں نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"بڑا گھر ہوتا تو یہاں آنے والے کو گھٹن محسوس نہ ہوتی۔ کوئی اسے ڈربہ نہ کہتا۔" عارف کے اندر کی تلخی باہر نکلی۔ "اس تھپڑ کی تپش اب بھی مجھے اپنے گال پر محسوس ہوتی ہے۔ ان ہی باتوں کا بوجھ میرے باپ کی موت کا سبب بنا ہے۔"

"تم ان باتوں کو بھول جاؤ۔" ثروت نے کہا۔ "وہ جو ہونا تھا ہو گیا۔"

"یہ باتیں سانس کی ڈور کے ساتھ بندھ چکی ہیں۔ بھول نہیں سکتا۔ یہ باتیں میرے باپ کی قاتل ہیں۔" عارف بولا۔

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" ثروت نے کچھ توقف کے بعد پوچھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ اپنے آنسو پی رہی ہے۔ "تم کیوں ایسا سوچ رہے ہو؟"

"میں ایسا سوچنے پر مجبور ہوں ماں جی۔ کچھ بھی کروں گا، لیکن پیسہ ضرور کماؤں گا۔" عارف نے کہہ کر چائے کا کپ اُٹھا لیا۔

"تم پڑھ لکھ کر اگر کچھ بن جاؤ تو کیا یہ اچھی بات نہیں ہے۔ پیسہ تب بھی کماؤ گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ثروت کے لہجے میں متانت تھی۔

"میں نے نوکری نہیں کرنی۔ نوکری میں کچھ نہیں رکھا۔ اس لئے بزنس کرنا ہے۔ بزنس میں پیسہ ہے۔" عارف بولا۔

"بزنس کرنے کے لئے پیسہ ہے تمہارے پاس؟" ثروت نے پوچھا۔ "بزنس باتوں سے نہیں ہوتا۔"

"یہی سوال کل شکیل بھائی بھی کر رہے تھے۔ پیسہ کتنی اہمیت اختیار کر گیا ہے ہماری زندگی میں۔ کچھ بھی کرنے سے پہلے ہم یہ سوچتے ہیں کہ یہ کرنے کے لئے پیسہ ہے؟ تم کچھ نہیں کر سکتے، کیونکہ تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے۔ میں ایسا نہیں کر سکا کیوں کہ میرے پاس پیسہ نہیں ہے۔ کاش میں وہ بنگلہ خرید لیتا، اگر میرے پاس پیسہ ہوتا...... پیسہ...... پیسہ...... پیسہ...... شاید ہمیں پیسے پر یقین زیادہ ہے۔ اسی لئے ہم اس کا بار بار ذکر کرتے ہیں اور جو پیسہ دیتا ہے اس کے بارے میں سوچتے ہی نہیں ہیں۔" عارف نے چائے کا کپ رکھ دیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"تم ابھی بزنس کے بارے میں مت سوچو۔ اس میں شک نہیں ہے کہ دینے والا اوپر بیٹھا ہے......" ثروت کی بات اس نے کاٹ دی۔

"آپ بے فکر رہیں اور مجھے بار بار اس بات کی طرف مائل کرنے کی کوشش مت کریں کہ میں بزنس کے بارے میں نہ سوچوں۔ میں نے اپنی کشتیاں جلا دی ہیں۔" عارف اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "اب میری واپسی ممکن نہیں ہے۔"

ثروت چپ ہو گئی۔ وہ اس کے ساتھ اور بحث نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے برتن سمیٹے اور کچن میں چلی گئی۔

اسی اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی۔ عارف دروازہ کھولنے کے لئے چلا گیا۔ جونہی اس نے دروازہ کھولا اس کا دل زور سے دھڑکا، نگاہیں اسی جگہ جم گئیں۔ سامنے ہاتھ میں ڈھانپی ہوئی پلیٹ پکڑے وہی لڑکی کھڑی تھی جو اس نے رات کے آخری پہر سہیل کے گھر کی اوپر والی منزل پر دیکھی تھی۔ وہی لباس تھا، چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی، نگاہیں

جھکی ہوئی تھیں جیسے وہ اندر آنے کی اجازت مانگ رہی ہو۔

عارف ایک طرف ہٹ گیا۔ وہ لڑکی چلتی ہوئی اندر آ گئی۔ اس نے صحن میں رُک کر آواز دی" خالہ......"

لڑکی کی آواز سن کر ثروت نے کچن سے جھانکا۔ "میں ادھر ہوں آ جاؤ۔"

وہ سیدھی کچن میں چلی گئی۔ عارف نے پلٹ کر دروازہ بند کیا اور کچن کی طرف دیکھنے لگا۔

عارف کی ماں کیونکہ کچن میں تھی اس لئے وہ آگے نہیں گیا۔ وہ اس کو ایک بار پھر دیکھنے کے لئے کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سہیل کے گھر آئی ہوئی کوئی مہمان ہے۔ سہیل کے گھر والے شاید کچھ بانٹ رہے ہیں۔ وہ لڑکی کچھ دیر کے بعد کچن سے باہر نکلی اور ایک نظر عارف پر ڈال کر مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

عارف اسی جگہ کھڑا تھا۔ اس کی ماں کچن سے باہر نکلی اور جونہی اس کی نظر عارف پر پڑی، وہ رک گئی۔

"کیا بات ہے۔ کیا دیکھ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں۔" عارف چونکا۔ "ایسے ہی کھڑا دیکھ رہا تھا۔"

"ایسے تو نہیں کھڑے تھے کچھ دیکھ رہے تھے۔" ثروت نے اس کا جائزہ لیا۔

"نہیں کچھ نہیں۔" عارف بولا۔

ثروت کمرے میں چلی گئی۔ عارف اسی جگہ کھڑا رہا۔ پھر وہ کمرے کی طرف گیا۔ اس نے کھلے دروازے سے اندر جھانکا، اس کی ماں بستر ٹھیک کر رہی تھی۔ اچانک اس کی نظر عارف پر پڑی۔

"کیا ہوا ہے۔ کیا دیکھ رہے ہو؟ کچھ تلاش کر رہے ہو، مجھے بتاؤ۔" ثروت نے پوچھا۔

"ابھی اندر لڑکی آئی تھی ایک۔" عارف نے پوچھا۔

"ہاں آئی تھی اور وہ چلی بھی گئی۔" ثروت نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس لڑکی کو میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ یہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے۔" عارف بولا۔

"یہ سامنے والے سہیل کی بیوی کی دور کی رشتے دار ہے۔ یہاں نوکری کرنے کے لئے آئی ہے۔" ثروت نے بتایا۔

"نوکری کرنے کے لئے آئی ہے......؟" عارف کو حیرت ہو رہی تھی۔

"کیوں وہ نوکری نہیں کر سکتی۔ اسے نوکری کرنا منع ہے۔" ثروت پھر اپنے کام میں لگ گئی۔

"میرا مطلب ہے کہ......" عارف کہتے کہتے رک گیا۔

"تیرا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تو اسے بھی مشورہ دینا چاہتا ہے کہ تم نوکری مت کرو۔ کوئی کاروبار کر لو۔" ثروت بولی۔

"میں بھلا اسے کیوں مشورہ دوں گا۔" عارف کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔

"میں نے کہا شاید تیرا ارادہ ہو۔" ثروت کہتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف چلی۔

عارف اس لڑکی کے حسن میں کھویا ہوا تھا۔ پہلی بار اس عمر میں اس کو کسی لڑکی نے اس طرح سے متاثر کیا تھا۔

عارف اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کمرے کا دروازہ اس نے ایسے کھولا جیسے اسے امید ہو کہ وہ لڑکی اس کے کمرے میں آ کر بیٹھ گئی ہو گی۔ اس کا کمرا خالی تھا۔ عارف نے دروازے پر کھڑے ہو کر کمرے میں اچھی طرح سے نظر دوڑائی اور پھر کمرے میں داخل ہوا۔ عارف کے لئے یہ بڑی عجیب بات تھی کہ وہ اس کو ہر جگہ دکھائی دینے لگی تھی۔ اس نے کپڑے بدلے اور نیچے آ گیا۔

گھر سے باہر نکلنے سے قبل اس نے اپنی ماں کو آواز دی۔ "میں جا رہا ہوں ماں۔"

"ٹھیک ہے میں دروازہ بند کر لیتی ہوں۔"

عارف گھر سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

عارف کا ایک جان پہچان والا پراپرٹی ڈیلر تھا۔ عارف اس کے پاس چلا گیا۔ اس کا نام محبوب تھا۔ عارف نے اس سے پراپرٹی کے کاروبار کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے بلا تامل کہا۔ ''کمانے کے لیے پراپرٹی سے اچھا کاروبار نہیں ہے۔ ادھر کچھ لو ادھر منافع کے ساتھ بیچ دو۔ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ جتنا ریٹ زمین کا بڑھا ہے۔ اتنا شاید ہی کسی اور چیز کا ریٹ بڑھا ہو۔''

''اگر زمین کا لین دین کیا جائے تو کتنا پیسہ چاہئے اس کام کے لئے؟'' عارف نے پوچھا۔

''کاروبار اندھا کنواں ہوتا ہے جناب۔ جتنا پیسہ ڈالتے جاؤ، ڈالتے جاؤ کنواں خالی ہی رہے گا۔'' محبوب اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔

''کوئی فائدے کا سودا ہے؟ جس میں فوراً منافع مل جائے اور وقت بھی زیادہ نہ لگے۔'' عارف نے کہا۔

''ہاں...... کئی ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک، جن میں منافع ہے اور سودے بھی سونے جیسے ہیں۔'' محبوب جلدی سے بولا۔

''مثلاً میرے پاس کوٹھیاں ہیں، بنگلے ہیں، زمین ہے، پلاٹ ہیں، تم کو کیا چاہئے۔ کس چیز میں سرمایہ کاری کرنا چاہتے ہو۔'' محبوب نے پوچھا۔

''ایسی چیز بتاؤ جس پر لاگت کم اور منافع زیادہ آئے۔ جسے خرید کر لگے کہ یہ واقعی منافع بخش تھا۔'' عارف نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

اس نے سوچا اور بولا۔ ''میرے پاس ایک پلاٹ ہے۔ کارنر کا پلاٹ ہے۔ کل ہی مجھے اس کے مالک نے بیچنے کے لیے کہا ہے۔ اسے پیسوں کی ضرورت پڑ گئی ہے، وہ لے لو۔ فائدہ کا سودا ہے۔ یوں بک جائے گا۔'' اس نے چٹکی بجائی۔

''کتنی رقم کا پلاٹ ہے۔'' عارف نے پوچھا۔

''بیس لاکھ روپے کا سودا ہے۔ بندہ ضرورت مند ہے۔ ورنہ یہی سودا وہ اگر رک کر بیچے تو پچیس لاکھ سے کم میں نہ بکے...... لیکن مالک جلدی میں ہے۔'' محبوب نے بتایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا واقعی وہ پلاٹ پچیس لاکھ روپے میں بک سکتا ہے۔'' عارف کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔

''میری ذمہ داری ہے۔ سو فیصد منافع ہی منافع ہے۔'' محبوب نے پورے یقین کے ساتھ کہا۔

''مجھے دکھاؤ گے وہ۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔'' عارف بولا۔

''ابھی چلو میرے ساتھ میں پلاٹ دکھا دیتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

عارف اس کے ساتھ اٹھ کر وہ پلاٹ دیکھنے کے لئے چلا گیا۔ وہ قریب کی کالونی میں کارنر کا پلاٹ تھا۔ اس کے ارد گرد بھی خالی پلاٹ تھے۔ عارف کو اس کی لوکیشن اچھی لگی تھی۔

پراپرٹی ڈیلر نے بتایا۔ ''یہ پلاٹ ایک بہت بڑی کمپنی کے منیجر کا ہے۔ سات آٹھ ماہ پہلے میرے ہاتھوں ہی اس کی رجسٹری اس کے نام ہوئی تھی۔ اب وہ اس کو جلدی فروخت کرنا چاہتا ہے۔ ایک بات اور بتاؤں۔ اس نے صرف مجھے اس پلاٹ کو فروخت کرنے کے لئے کہا ہے۔ یہ پلاٹ ایسے بک جائے گا جیسے دودھ کے اوپر سے ملائی اٹھائی جاتی ہے۔ پوچھیں بھلا کیوں؟'' اس نے عارف کی طرف دیکھا۔

''کیوں؟'' عارف نے سوال کیا۔

''کیونکہ اس کے ارد گرد جو پلاٹ آپ کو خالی نظر آ رہے ہیں یہ ایک ہی آدمی کے ہیں۔ ان سے میں رابطہ کروں تو وہ اسے فوراً خرید لیں۔ ان کی اس پلاٹ کو خریدنے سے نکڑ سیدھی ہو جاتی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''یہ باقی پلاٹ کس کے ہیں۔'' عارف نے پوچھا۔

''یہ سارے پلاٹ دلنواز احمد کے ہیں۔ جانتے ہیں آپ اسے۔ بہت بڑا کاروباری شخص ہے۔'' پراپرٹی ڈیلر نے بتایا تو عارف ان پلاٹوں کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ پھر بولا۔ ''اس لئے میں کہہ رہا ہوں کہ پلاٹ پچیس لاکھ روپے میں یوں بک سکتا ہے۔ میں ایک پراپرٹی ڈیلر ہوں۔ مجھے اپنی کمیشن سے غرض ہے۔ یہ مرغی اگر میں آرام سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کھاؤں تو دو دفعہ کھا سکتا ہوں۔ ایک بار آپ کو پلاٹ دلا کر اور دوسری بار آپ سے پلاٹ دلنواز احمد کو بیچ کر......اگر میں سیدھی بات دلنواز سے کروں تو وہ بیچنے والے لوگ نہیں ہیں۔ خرید کر رکھ لیں گے۔ مجھے ایک ہی انڈا ملے گا۔"

عارف کچھ آگے چلا گیا اور وہ اپنے تایا کی زمین پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔

"میں یہ پلاٹ ضرور خریدوں گا۔" عارف نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"بیعانہ دیں، بات کرتا ہوں۔" وہ خوش ہو کر بولا۔ "مالک پراپرٹی کو ابھی بلا لیتا ہوں اور بیعانہ پر ہی یہ پلاٹ آگے بیچ دیتا ہوں۔"

"شام کو رقم لے کر آ آؤں گا۔ آپ اس پلاٹ کی بات کسی سے نہیں کریں گے۔ سمجھیں یہ میں نے خرید لیا۔" عارف بولا۔

"میں کیوں کروں گا۔ مجھے کیا کسی باؤلے کتے نے کاٹا ہے۔ آپ سے بات ہو گئی اور پھر آگے دوسری پارٹی سے بات ہو گی۔" محبوب نے کہا۔

"چلو چلیں۔" عارف اس کے ساتھ پھر اس کے آفس میں آ گیا۔ کچھ دیر وہاں رُکنے کے بعد عارف وہاں سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

عارف کالج پہنچا۔ منصور اس وقت وہاں موجود تھا۔ دونوں ایک طرف بیٹھ گئے۔

عارف نے اس کو اس پلاٹ کے بارے میں بتایا اور کہا کہ وہ فائدے کا سودا ہے۔ بیس لاکھ میں سودا ہو گا۔ شام سے پہلے اگر مجھے تین چار لاکھ روپے بھی مل جائیں تو میں بیعانہ دے کر باقی رقم مقرر کی ہوئی تاریخ پر دے سکتا ہوں۔

اس کی بات سن کر منصور بولا۔ "میں ابھی گھر ہی جا رہا ہوں۔ تمہارا فون نہ آتا تو میں نکل گیا ہوتا۔ شام تک میں تم سے رابطہ کرتا ہوں۔"

"اس سے زیادہ وقت نہ لگے۔ میں اس پلاٹ کو کھونا نہیں چاہتا۔" عارف نے

تاکید کی۔ "میں اسے خریدنا چاہتا ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ اتنے پیسے تو یوں مل جائیں گے۔" منصور نے چٹکی بجائی۔ "پہلی بار اپنی امی سے کچھ مانگ رہا ہوں اور بیس پچیس لاکھ میری ماں کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتے۔ آسانی سے مل جائیں گے۔

"میں تمہارا کہاں انتظار کروں؟" عارف نے پوچھا۔

"تم کو میں فون کر کے بتا دوں گا، گھر بلا لوں گا یا پھر ہم کہیں باہر مل لیں گے۔" منصور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس پلاٹ سے فائدہ ہو جائے گا تو کچھ پیسے بن جائیں گے۔" عارف پُرجوش تھا۔ "کام پٹڑی پر چڑھ جائے گا۔"

"تم میرے پیسوں کو استعمال کرنا۔ جتنا منافع ملے وہ تمہارا ہو گا۔ بس اصل رقم لوٹا دینا۔ وہ بھی شاید میں تم سے کبھی نہ مانگتا۔ کیونکہ ابھی یہ سارا پیسہ میری ماں کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک میری پڑھائی مکمل نہیں ہوتی، میں کچھ نہیں کر سکتا۔" منصور نے کہا۔ "اس لئے رقم واپس کرنی پڑے گی۔"

"تمہارا یہ احسان میں زندگی بھر یاد رکھوں گا۔" عارف نے ممنون نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے ہاتھ کچھ پیسہ آ جائے تو میں تمہاری رقم لوٹا دوں گا۔"

"احسان نہیں۔ یہ تو ایک دوست کا دوسرے دوست کے ساتھ تعاون ہے۔" منصور مسکرایا۔ "تم اس کو احسان مت کہو۔"

دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور منصور اپنے گھر چلا گیا۔

☆......☆......☆

ان کی کوٹھی شہر کے پوش علاقے میں تھی۔ جب منصور مین دروازہ عبور کر کے نشست گاہ میں داخل ہوا تو اس کی ماں کہیں جانے کی تیاری میں تھی۔

"منصور آ گئے تم؟" "آج تم نے دیر کر دی، کیا بات تھی؟" زاہدہ بیگم اس کو دیکھتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیسہ بھی نہیں ہے۔"

"میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ مجھے اپنے دوست کے سامنے شرمندگی ہوگی۔" منصور کو انکار کی امید نہیں تھی۔

"تم اس کی رقم نہیں لوٹا رہے کہ تم نے اس سے وعدہ کیا تھا۔ میں تمہیں کوئی نہیں دوں گی۔ اُسے منع کر دو بلکہ ایسے دوست سے دوستی مت رکھو۔ یہ برباد کرنے وا دوست ہوتے ہیں۔" زاہدہ بیگم بولی۔ "زمانہ بہت تیز رفتار ہو گیا ہے بچے۔"

"مما...... میں پھر کہہ رہا ہوں کہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔ مجھے پی چاہیے۔ آج شام سے پہلے۔ بہت ضروری ہے۔" منصور بولا۔

"دیکھو منصور عملی زندگی میں کیسے کیسے لوگ کس کس بھیس میں منہ کھولے کھڑے ہوتے ہیں، تم یہ نہیں جانتے ہو۔ تم ابھی نا تجربہ کار ہو۔" زاہدہ بیگم نے اسے سمجھایا۔

"آپ اس بات پر کیوں زور دے رہی ہیں کہ میں ابھی بچہ ہوں۔ میں کچھ جانتا۔ مجھے کچھ نہیں پتا۔ آپ یہ کیوں نہیں سمجھتیں کہ میں بڑا ہو گیا ہوں۔ میں بچہ ہوں۔ اچھا بُرا سوچ سکتا ہوں۔" منصور کو اس بات سے چڑ ہونے لگی تھی۔

"منصور تم کس طرح اپنی ماں کے ساتھ بات کر رہے ہو۔ اپنے دوست کے تمہارا لہجہ ہی بدل گیا ہے۔" زاہدہ بیگم نے آنکھیں نکالیں۔

"آپ نے بھی تو ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے۔ آپ میری بات سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی ہیں۔" منصور بولا۔

"میں جا رہی ہوں، شام کو بات ہوگی۔ ابھی اور میں اس موضوع پر بات نہیں سکتی۔" زاہدہ بیگم کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"مما میری ریکویسٹ ہے، مجھے شام سے پہلے رقم چاہیے۔" منصور نے ایک با اپنی ماں کے سامنے کھڑے ہو کر التجا آمیز لہجے میں کہا۔

"میں نے کہا کہ شام کو بات ہوگی۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" زاہدہ بیگم اس کی سننے کے لئے تیار نہیں تھی۔

"مما پلیز میں آپ سے پہلی بار مانگ رہا ہوں۔ میری عزت کا سوال ہے۔" منصور بے بسی سے بولا۔ "کچھ دنوں کے بعد رقم واپس ہو جائے گی۔"

"پہلی بار تم اپنے لئے کچھ مانگتے تو میں انکار نہ کرتی۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔ "اور یہ بھی سن لو کہ وہ تمہیں یہ رقم کبھی واپس نہیں کرے گا بلکہ رقم لینے کے بعد وہ تمہیں کبھی دکھائی بھی نہیں دے گا۔"

"میرے سچ کی آپ یہ قیمت دے رہی ہیں کہ مجھے انکار کر کے میری دوستی پر بھی شک کر رہی ہیں۔" منصور کو پھر غصہ آنے لگا۔ "میں نے آپ سے جھوٹ نہیں بولا اور آپ نے انکار کر دیا۔"

"اب میرے پاس وقت نہیں ہے ورنہ میں تم سے بحث ضرور کرتی۔ بند کرو اب اس موضوع پر بات کرنا۔" زاہدہ بیگم نے ایک بار پھر درشت لہجے میں کہا۔

"میں بھی آپ سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔" منصور چڑ کر بولا۔

"بحث نہیں کرنا چاہتے تو مجھے جانے دو۔" زاہدہ بیگم نے دوٹوک انداز میں بات ختم کی اور جانے کے لئے دروازے کی طرف بڑھی۔

"مما...... میری بے عزتی ہو جائے گی۔ میں نے اپنے دوست کو یقین دلایا تھا کہ میں یہ رقم اسے دے دوں گا۔" منصور نے ایک بار پھر التجا کی۔

"وعدہ کرنے سے پہلے سوچ لیا کرتے ہیں۔ اسی لئے تو کہا ہے کہ تم ابھی نا تجربہ کار ہو۔ میں آفس جا رہی ہوں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔" زاہدہ بیگم پھر تیزی سے دروازے کی طرف چلی گئی اور نشست گاہ سے باہر نکل گئی۔ منصور اس جگہ کھڑا رہا۔

☆......☆......☆

منصور کو امید نہیں تھی کہ اس کی ماں اسے انکار کر دے گی۔ انکار بھی ایسا کہ جس میں کوئی ماننے کی گنجائش نہیں تھی۔ دوٹوک فیصلہ سنا کر وہ چلی گئی تھیں۔ منصور کو بار بار اپنے دوست کا خیال آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ اس نے وعدہ کیا تھا۔ عارف نے بھی اسے پہلی

بار کسی کام کو کہا تھا۔ وہ اس کے حالات جانتا تھا۔ اس کے دل میں کئی بار یہ خواہش پیدا ہوئی تھی کہ وہ کسی طرح سے عارف کی مدد کرے تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکے اور جب عارف نے اس سے پیسوں کی بات کی تھی تو منصور نے اس لئے فوری حامی بھر لی تھی کیونکہ وہ تو خود ہی یہ چاہتا تھا لیکن اب اس کی ماں کے انکار کے بعد منصور کو افسوس بھی ہو رہا تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا کہ وہ عارف کو کیا جواب دے گا۔

وقت گزر رہا تھا۔ منصور نے عارف کو کہا تھا کہ وہ خود اسے فون کرے گا۔ اگر وہ اُسے فون نہیں کرتا تو عارف کے دل میں شک پیدا ہوگا کہ اس نے محض اس سے جان چھڑانے کے لئے جھوٹا وعدہ کیا تھا۔ محض ایک دلاسہ دیا تھا۔ اس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس کی دوستی بھی فریب تھی۔ جب مدد مانگی تو جھوٹے وعدے کے ساتھ ٹرخا دیا۔

منصور کو ایک پل کے لئے چین نہیں آ رہا تھا۔ سوچ سوچتے منصور نے آفس میں فون کر کے ایک بار پھر کوشش کرنے کے بارے میں سوچا کہ شاید اس کی ماں مان جائے دوسری طرف سے کمپنی کے منیجر لطیف بیگ نے فون اٹھایا۔

"میں منصور بول رہا ہوں۔" رابطہ ہوتے ہی منصور نے خشک لہجے میں کہا۔

"ہاں بیٹا بولو......" دوسری طرف سے لطیف بیگ کی مسکراتی ہوئی آواز آئی۔

"مجھے مما سے بات کرنی ہے۔" منصور بولا۔

"بیگم صاحبہ تو آفس میں نہیں ہیں۔ وہ آج آئی نہیں۔" دوسری طرف سے لطیف بیگ نے جواب دیا۔

"مما آج آفس آئی ہی نہیں۔ آپ آفس میں ہیں؟" منصور کو سن کر حیرت ہوئی اور اس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔

"آپ مجھ سے آفس کے نمبر پر ہی بات کر رہے ہیں۔" لطیف بیگ مسکرایا۔

منصور کو یہ سن کر ندامت سی ہوئی کہ اس نے حیرت زدہ ہوتے ہوئے کیسا احمقانہ سوال کر دیا تھا۔ "وہ دو گھنٹے پہلے گھر سے آفس کے لیے نکلی تھیں۔ انہیں آفس میں ہونا چاہئے تھا۔ وہ کہاں چلی گئی ہیں؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن وہ آفس نہیں آئی ہیں۔ ممکن ہے کہ راستے میں کوئی اور کام ہو۔" لطیف بیگ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے اوکے۔" منصور نے کہہ کر فون بند کر دیا اور سوچنے لگا کہ اس کی مما دو گھنٹے قبل آفس کے لئے نکلی ہیں اور ابھی تک وہ آفس میں نہیں پہنچیں۔ کہاں جا سکتی ہیں وہ؟ یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنے موبائل فون سے زاہدہ بیگم کو فون کیا۔ کچھ دیر کے بعد زاہدہ بیگم نے فون آن کیا اور اس کی آواز آئی۔

"کیا بات ہے منصور؟"

"مما آپ کہاں ہیں؟" منصور نے پوچھا۔

"میں آفس میں ہوں۔ کیا بات ہے۔" زاہدہ بیگم نے اعتماد سے بتایا۔

"آپ آفس میں کب تک ہیں۔" منصور نے سوال کیا۔

"کیوں...... تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" زاہدہ بیگم بولی۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" منصور نے کہا۔

"وہی بات جس کے لئے میں انکار کر چکی ہوں۔ کیا تم مجھے کام کرنے دو گے منصور۔" زاہدہ بیگم نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اس کا لہجہ دھیما تھا۔ اس سے لگتا تھا کہ کوئی اس کے ساتھ موجود ہے۔

"آپ گھر کب تک آ رہی ہیں؟" منصور نے پوچھا۔

"مجھے ابھی آفس میں ایک گھنٹہ مزید لگ جائے گا۔" زاہدہ بیگم نے جواب دیا۔

"لیکن میں گھر آ کر اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں آپ کا گھر انتظار کر رہا ہوں۔" منصور نے کہہ کر فون بند کیا اور تیزی سے اپنی بائیک نکالی اور آفس کی طرف چل پڑا۔ وہ تیز رفتار سے بائیک چلاتا ہوا آفس پہنچا۔

زاہدہ بیگم کے کمرے سے پہلے لطیف بیگ کا کمرہ آتا تھا۔ وہ سیدھا وہاں چلا گیا۔

لطیف بیگ اپنے کام میں مصروف تھا۔ اچانک منصور کو دیکھ کر وہ چونک کر مسکرایا۔ یہ وہی لطیف بیگ تھا جو بارش والی شام کو خوش پوش شخص کے ساتھ اس کے منیجر کی حیثیت سے

ہوٹل میں موجود تھا جب اس خوش پوش شخص کا قتل ہوا تھا۔ وہ قتل ہونے والا شخص منصور کا باپ اور زاہدہ بیگم کا شوہر تھا۔ اس قتل کا سات ماہ گزر جانے کے باوجود کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔

"ارے آیئے منصور بیٹا۔" لطیف بیگ نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"کیا حال ہے آپ کا؟" منصور نے کسی مسکراہٹ کے بغیر لطیف بیگ کے ساتھ مصافحہ کیا۔ جیسے وہ سب مجبوری کے تحت کر رہا ہو۔

"بالکل ٹھیک ہوں۔ اچانک آفس میں؟" لطیف بیگ نے کہا۔

"ایسے ہی بس..... مما آ گئی ہیں کیا؟" منصور نے کہتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں وہ تو نہیں آئی ہیں۔ کیا بات ہے خیریت تو ہے۔" لطیف بیگ نے اس کا جائزہ لیا۔

منصور اندر ہی اندر چونکا۔ "شاید وہ کہیں اور چلی گئی ہوں۔ مجھے ایک کام تھا اس لئے میں نے فون کیا تھا۔ یہاں پاس ہی تھا تو میں نے سوچا کہ میں جاتے ہوئے مما سے مل لوں شاید وہ آ گئی ہوں۔"

"ہو سکتا ہے..... آپ کو کوئی ضروری کام ہے۔ فون کروں ان کو۔ میں آپ کے بارے میں ان کو مطلع کر دیتا ہوں۔" لطیف بیگ بولا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے..... آپ فون نہ کریں۔ آپ ایک کام کر سکتے ہیں۔" منصور نے پوچھا۔

"حکم کیجئے منصور بیٹا۔ میں حاضر ہوں کیا کام ہے۔" لطیف بیگ نے مستعدی سے کہا۔

"مجھے پچیس لاکھ روپے چاہئیں۔" منصور کچھ توقف کے بعد بولا۔

"میرے پاس ذاتی طور پر تو....." لطیف بیگ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہنا چاہا۔

"میں آفس سے لینے کی بات کر رہا ہوں۔" منصور نے جلدی سے وضاحت کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"وہ تو چیک بیگم صاحبہ سائن کرتی ہیں۔ میں چیک بنا کر فائل میں لگا دیتا ہوں۔ کل جب وہ آئیں گی تو چیک ان کی خدمت میں پیش کروں گا۔" لطیف بیگ بولا۔

"مجھے رقم آج چاہیے۔ بہت ضروری ہے۔" منصور نے کہا۔

"آج ان کے سائن کے بغیر ملنی تو مشکل ہے۔" لطیف بیگ نے نفی میں گردن ہلائی۔

"ٹھیک ہے، میں چلتا ہوں۔" منصور کہہ کر جانے لگا۔

"آپ بیٹھیں کوئی چائے، کافی وغیرہ میں منگواتا ہوں۔" لطیف بیگ نے کہا۔

......

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' منصور اتنا کہہ کر لطیف بیگ کے کمرے سے چلا گیا۔

وہ زاہدہ بیگم کے کمرے کے سامنے جا کر رکا اور اس نے دروازے کا ہینڈل گھما کر ایک دم دروازہ کھولا۔ کمرا خالی تھا۔ منصور کچھ دیر تک خالی کمرے کو دیکھتا رہا اور پھر دروازہ بند کر کے لفٹ کی طرف چلا گیا۔ وہ جاتے ہوئے اداس اور پریشان تھا۔

منصور کچھ دیر تک سڑکوں پر اپنی بائیک یوں ہی بھگاتا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی ماں اس سے جھوٹ کیوں بول رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ آفس میں ہے جبکہ وہ آفس گئی ہی نہیں تھیں۔ وہ کہاں ہیں؟

دوسری پریشانی اسے عارف کی تھی۔ جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا، اسے گھبراہٹ سی ہو رہی تھی کہ وہ اپنے دوست کو کیا جواب دے گا۔ وہ شام سے پہلے عارف سے ملنا چاہتا تھا۔ وہ اسے کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ سچ بتا دے۔ عارف اس کی بات سن کر یقین کرتا ہے کہ نہیں، یہ وہ نہیں جانتا تھا۔

آخر منصور نے عارف کو فون کیا اور اسے ملنے کے لیے کہا۔ جب وہ اس جگہ پہنچا تو عارف پہلے سے موجود تھا۔ منصور نے اپنی بائیک ایک طرف کھڑی کی اور اس کے پاس چلا گیا۔ منصور پریشان اور اداس تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے بات شروع

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرے۔ وہ تذبذب کا شکار کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھتا رہا۔ عارف اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔

آخر منصور ہمت کر کے بولا۔ ''مجھ سے کچھ کہنا مشکل ہو رہا ہے، عارف میں تم سے معذرت کرنے کے لئے آیا ہوں۔ مجھے مما نے پچیس لاکھ روپے دینے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ پچیس لاکھ روپے تو دور کی بات انہوں نے مجھے کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا ہے۔''

اس کی بات سن کر عارف کو دھچکا لگا۔ اسے خود یہ امید نہیں تھی کہ منصور کو اس کی ماں انکار کر سکتی ہے۔ وہ سو فیصد اس بات کا یقین کئے بیٹھا تھا کہ منصور کے لئے اس کو پچیس لاکھ روپے دینا مشکل نہیں ہے اسے یہ رقم آسانی سے مل جائے گی لیکن منصور کا جواب سن کر وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

''انکار کر دیا؟'' عارف کے منہ سے نکلا۔

''تم یقین کرو کہ میں سچ کہہ رہا ہوں اور تم اس بات کا بھی اندازہ نہیں کر سکتے کہ میں کس قدر تم سے شرمندہ ہوں۔ میرے لئے تمہارے ساتھ بات کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ مجھے یہ امید ہی نہیں تھی کہ مما مجھے اس بات سے صاف انکار کر دیں گی۔'' منصور کو کہتے ہوئے غصہ آ گیا تھا۔ ''میں نے بہت دیر تک ان سے التجا کی لیکن وہ میری بات ماننے کے لئے تیار ہی نہیں ہوئیں۔''

''اوکے...... ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔ تم نے میرے لئے کوشش تو کی۔ میرے لئے یہی بہت ہے۔'' عارف مایوس سا ہو گیا۔

''عارف مجھے غلط مت سمجھنا، میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' منصور بولا۔

''مجھے تمہاری بات پر یقین ہے منصور۔ تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔ یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں۔'' عارف نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ بات بھی ہے کہ میں نے اپنی مما کے ساتھ ابھی بات ختم نہیں کی ہے۔ وہ کام سے چلی گئی تھیں۔ واپسی پر میرا پھر تقاضا ہوگا۔'' منصور بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر کام ہو جائے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ تم اپنی مما سے میرے لئے ناراضی مول مت لینا۔" عارف نے کہا۔

"میری پوری کوشش ہوگی کہ بات بن جائے۔" منصور کے چہرے پر بے چارگی تھی۔

"میں چلتا ہوں۔ مجھے پراپرٹی ڈیلر کے پاس جانا ہے۔" عارف نے ابھی اتنا کہا تھا کہ اس کا موبائل فون بول پڑا۔ ایک عام سا سستا سا موبائل فون اس نے محض رابطے کے لئے رکھا ہوا تھا۔ دوسری طرف پراپرٹی ڈیلر محبوب تھا۔

"عارف صاحب میں دوسری پارٹی کو بلاؤں۔ بات شروع ہو۔" محبوب نے پوچھا۔

"ایسا ہے کہ مجھے ایک جگہ سے پیسے ملنے تھے۔ آج رقم کا بندوبست نہیں ہو سکا شاید کل مل جائیں۔ اس لئے آج بات نہیں ہو سکتی۔" عارف نے کہا۔

"سچی بات ہے کہ اتفاق سے دلنواز احمد کا بیٹا میرے پاس آیا تھا۔ اس نے خود مجھ سے پوچھا کہ وہ کارنر والا پلاٹ اگر بک رہا ہے تو وہ اسے خریدنے کے لئے تیار ہیں میں تو کام کے لئے یہاں بیٹھا ہوں۔ میں نے کل دوپہر دو بجے کا انہیں وقت دیا ہے کہ میں پارٹی سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ اب آپ دیکھ لیں۔" محبوب نے بتایا۔

"میں دو بجے سے پہلے آپ کے پاس آ جاؤں گا۔" دلنواز احمد کے بیٹے کا سن کر عارف کی آنکھوں کی چمک دو چند ہو گئی تھی۔

"دیکھیں آپ بے شک بیعانہ دے دیں۔ اس بیعانے پر ہم وہ پلاٹ ان کو نہ دیں گے۔ آپ کو فائدہ ہو جائے گا۔" محبوب نے کہا۔

"بیعانہ کتنا ہونا چاہیے؟" عارف نے پوچھا۔

"بیعانہ ایک لاکھ بھی ہو جائے تو سودا ہو جائے گا۔ چیز آپ کی ہو جائے گی۔ اس بیعانے پر آپ پلاٹ آگے بیچ دیں۔ بیعانے پر میں آپ کو منافع دلا دوں گا۔" محبوب کا تیز لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا جس میں لالچ کا گھی لگا ہوا تھا۔

"میں کل دو بجے تک پہنچتا ہوں۔ بیعانہ لے کر آؤں گا۔ اب کل بات کریں گے۔" عارف نے کہا اور فون بند کر دیا۔

منصور نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں کوشش کر رہا ہوں۔ بہتر ہو جائے گا۔ تم ابھی امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔"

"جو لوگ اس پلاٹ کو خریدنا چاہتے ہیں، میں انہیں وہ پلاٹ خود بیچنا چاہتا ہوں۔" عارف بولا۔

وہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ صرف دو لاکھ روپے کا بندوبست کر دے لیکن عارف نے ایسا نہیں کہا۔ وہ یہ تو جان ہی گیا تھا کہ منصور کی ماں کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ اگر وہ پچیس لاکھ روپے نہیں دے رہی تو اس کی زبان پر دو لاکھ روپے کے لئے بھی انکار ہی ہوگا۔

"مجھے امید ہے کہ بہتر ہو جائے گا۔" عارف اٹھا، اس نے منصور سے ہاتھ ملایا اور دونوں اپنے اپنے راستے پر چل پڑے۔

☆......☆......☆

منصور جب گھر پہنچا تو کچھ دیر قبل ہی زاہدہ بیگم گھر پہنچی تھی۔ وہ منصور کو دیکھتے ہی بولی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"میں ذرا باہر گیا تھا۔" منصور نے جواب دیا۔

"تم آفس گئے تھے۔ کیا بات تھی جو تم میرے پیچھے پیچھے چلے آئے؟" زاہدہ بیگم کو اس بات پر غصہ تھا کہ منصور اس کے آفس میں کیوں گیا تھا۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا کہ میں آفس گیا تھا......؟" منصور نے پوچھا۔

"مجھے بیگ نے بتایا تھا۔ کیا بات تھی؟" زاہدہ بیگم بولی۔

"میں ایسے ہی چلا گیا تھا۔ آپ تو وہاں نہیں تھیں جبکہ آپ گھر سے آفس گئی تھیں۔" منصور نے رکتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے ایک اور کام تھا۔ وہاں چلی گئی تھی۔ مجھے کئی معاملات دیکھنے ہوتے ہیں۔ کئی بوجھ ہیں میرے سر پر۔" زاہدہ بیگم اپنی صفائی دینے لگی۔

"منصور چپ کھڑا رہا۔ وہ اس انتظار میں تھا کہ شاید اس کی ماں اپنے اس کام کے بارے میں کوئی بات کرے۔ جب اس نے کوئی بات نہ کی تو منصور بولا۔ "مما...... آپ نے کیا سوچا ہے؟"

ایک دم اس سوال کو سنتے ہی زاہدہ بیگم چونکی۔ "کس بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"جو سوال میں نے کیا تھا، میں اس کی بات کر رہا ہوں۔" منصور اپنی ماں کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔

اس کی بات سن کر زاہدہ بیگم کے چہرے پر سکون کی ایک لہر آئی اور بولی۔ "میرا وہی انکار ہے۔ میں تمہارے کسی فضول دوست کے لئے اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتی۔ اسے بولو کہ وہ کوئی اور انتظام کر لے۔"

"وہ میرا فضول دوست نہیں ہے۔" منصور کو ایک دم غصہ آ گیا۔

"بحث کرنے کی بجائے کیا یہ اچھا نہیں ہے ہم کھانا کھا لیں۔" زاہدہ نے اس کے غصے کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"عارف ایک اچھا لڑکا ہے۔ صرف وہی ایک میرا دوست ہے، میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔" منصور نے بتایا۔

"تم نے کوئی ٹرسٹ کھولا ہوا ہے، پیسہ ہم نے پیڑ سے توڑ کر بینک میں ڈالا ہے کہ جس ایرے غیرے کی مدد کرنے کا تم سوچو ہم اس کو پیسہ اُٹھا کر دے دیں۔ پیسہ پسینے اور محنت کی شاخوں پر لگتا ہے۔ اسے ہم آسانی سے بانٹ نہیں سکتے۔" زاہدہ بیگم کا لہجہ تلخ ہو گیا تھا۔

منصور کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ "آپ کا کتنا پسینہ اس پیسے کو کمانے کے لئے بہا ہے؟ خوشحالی کا یہ گھنا درخت تو پپا کی محنت کا ثمر ہے۔"

"میں نے بھی اس کے لئے بہت سی قربانیاں دی ہیں۔" زاہدہ بیگم نے جھٹ سے

دیا۔

"پپا کی اس کمائی پر میرا کوئی حق نہیں ہے؟" منصور بولا۔ "میں اپنی ضرورت کے لئے کچھ نہیں لے سکتا؟"

"جب تک تم ایم بی اے نہیں کر لیتے تب تک تم کو اسی جیب خرچ پر گزارا کرنا ہو گا۔ تمہاری ضرورتیں میں پوری کر رہی ہوں۔ دیکھو جو تم نے کہنا تھا وہ میں نے سن لیا جو مجھے کہنا تھا وہ تم سن چکے ہو۔ اس لئے میں اس موضوع پر اب کوئی بات کرنا نہیں چاہتی ہوں۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔

"آپ نے میرے دوست کے آگے مجھے شرمندہ کر دیا ہے۔" منصور بولا۔ "مجھے یہ امید نہیں تھی۔"

"تم جذباتی مت بنو منصور۔ تمہارا دوست تمہاری دولت کے لئے تم سے دوستی کا ڈھونگ کر رہا ہے۔ یہ اچھا وقت ہے کہ تم سے اپنی دوستی ختم کر دو۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔

منصور کو زاہدہ بیگم کی اس بات پر پھر غصہ آ گیا۔ وہ یہ بات پہلے بھی کہہ چکی تھی جبکہ منصور کو عارف کی دوستی پر اعتماد تھا۔ وہ جانتا تھا کہ عارف ایسا نہیں ہے۔ کوئی بات کرنے کی بجائے منصور اپنے کمرے کی طرف جونہی چلا، زاہدہ بیگم نے پیچھے سے پکارا۔ "کھانا کھا لو۔ پھر اپنے کمرے میں چلے جانا۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔ آپ کھا لیں۔" منصور نے رک کر کہا۔

"جب تمہارا موڈ ٹھیک ہو جائے تو میرے پاس آنا۔ میں نے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔" زاہدہ بیگم بولی۔

"آپ جو بات کرنا چاہتی ہیں وہ کر لیں، میں رک جاتا ہوں۔" منصور نے زاہدہ بیگم کی طرف نہیں دیکھا، وہ اسی طرح دوسری طرف منہ کئے کھڑا رہا۔

"میں بات ایسے نہیں کروں گی، پہلے اپنا موڈ ٹھیک کرو۔" زاہدہ بیگم کا لہجہ نرم ہو گیا تھا۔

میرا موڈ ٹھیک ہے۔ آپ کو جو بات کرنی ہے وہ کر لیں۔ منصور بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب تمہارا موڈ ٹھیک ہوگا، پھر بات ہوگی۔ میں اپنے کمرے میں تمہارا انتظا[ر کروں] گی۔'' زاہدہ بیگم اس کے پاس جا کر بولی۔ اس کے لب و لہجے میں ایک دم تغیر آ [گیا تھا] اس نے غصہ کی بجائے نرمی سے بات کرنا شروع کر دی تھی۔

منصور کچھ دیر کھڑا رہا اور پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆......☆......☆

عارف کی اُمید ٹوٹ گئی تھی۔

اس کے گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ منصور کی طرف سے اسے یوں ا[نکار] انکار ہو جائے گا۔ وہ اس کا انکار سن کر گھر نہیں گیا تھا۔ وہ پیدل ہی سڑکوں پر گھوم[تا رہا]۔ رات ہو چکی تھی۔ وقت کتنی تیزی سے گزر رہا تھا اسے احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ وہ [کبھی] پاتھ پر چلنے لگتا اور کسی خالی سڑک دیکھ کر اس کے درمیان چلنا شروع کر دیتا تھا۔

عارف کو منصور کی بات میں سچائی لگتی تھی۔ اس نے اس سے جھوٹ نہیں [بولا تھا]! اس کی ماں نے یقیناً اس کو پیسے نہیں دیئے ہوں گے۔ وہ جانتا تھا کہ منصور اس سے [جھوٹ] نہیں بول سکتا۔ دونوں کی گہری دوستی ہے۔

اپنے سوتیلے تایا دلنواز احمد کے سامنے کھڑا ہونے کا اسے اچانک اب موقع ملـ[ـتا ہوا] ہاتھ سے نکلتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اب تو دلنواز کے کسی بیٹے نے اس پراپرٹی ڈ[یلر سے] رابطہ بھی کر لیا تھا، ممکن ہے کہ وہ اس پلاٹ کو خرید لیں۔ ایک خفیف سی امید اس بات [کی تھی] کہ شاید منصور کی ماں پیسہ دینے کے لئے مان جائے۔

مارکیٹیں بند ہو گئی تھیں۔ سڑکوں پر رش کم ہو گیا تھا۔ عارف نے ایک طرف [سے] اپنا سستا موبائل نکالا اور اس کا بٹن دبا کر اس پر وقت دیکھا تو وہ چونک پڑا کیونکہ را[ت کے] سوا گیارہ بج رہے تھے۔ اس نے سوچا کہ وقت اتنی تیزی سے گزر گیا کہ پتہ ہی نہیں [چلا]۔

عارف چلتا ہوا اندر کی سڑک پر گامزن ہو گیا۔ دور تک سناٹا تھا۔ اس سڑک [پر] سیل کی مارکیٹ تھی جو دس بجے تک بند ہو جاتی تھی۔ عارف ایک بند دکان کے آگے [رکھے] ہوئے خالی ڈرم پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

وہ اپنی سوچوں میں سرگرداں تھا۔ اس نے کاروبار شروع کرنے کی بات اس امید پر ہی کی تھی کہ وہ اپنے دوست منصور سے مدد مانگے گا اور مدد مل جانے پر چار پیسے کما کر کاروبار جمانے کی کوشش شروع کر دے گا لیکن پہلی سیڑھی پر اسے جواب مل گیا تھا۔ وہ شکستہ دل کے ساتھ وہاں بیٹھا ہوا تھا۔

وہ ان ہی سوچوں میں گم تھا کہ ایک تیز رفتار بے قابو کار چوک سے اس طرف مڑی، اس کے چیختے ہوئے ٹائروں نے سکوت کا گلا گھونٹ دیا۔ فضا میں شور برپا ہو گیا۔ وہ کار اس کے پاس سے گزری اور بمشکل اس کا بریک لگا۔

کار ترچھی سڑک کے عین درمیان میں کھڑی ہو گئی۔ اس کا انجن جاگ رہا تھا۔ ہیڈ لائٹس روشن تھیں، ڈرائیونگ سیٹ پر بھی کوئی بیٹھا ہوا تھا۔ اگر کار کا بروقت بریک نہ لگتا تو وہ کار سامنے کھمبے سے ٹکرا جاتی۔

عارف کی توجہ اس کار کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔ وہ ڈرم سے نیچے اترا اور کھڑا ہو کر اس کار کی طرف دیکھنے لگا۔ عارف نے دائیں بائیں دیکھا کوئی پاس نہیں تھا۔ دور تک ایک بار پھر سناٹا چھا گیا تھا۔ اس کی گردن پھر کار کی طرف گھوم گئی جو بدستور کھڑی تھی۔

عارف چلتا ہوا کار کے پاس گیا۔ اس نے اندر جھانکا۔

کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر ایک آدمی براجمان ایک طرف ڈھلکا ہوا تھا۔ اس نے سیٹ بیلٹ باندھی ہوئی تھی۔ کار قیمتی اور نئے ماڈل کی تھی۔ اندر بیٹھا ہوا آدمی بھی کوئی عام حیثیت کا مالک نہیں لگتا تھا۔ عارف نے کار کا دروازہ کھولا، وہ غنودگی میں بولا۔ ''تم نے، اچھا نہیں کیا......تم......نے......''

کار کے اندر سے بو آ رہی تھی۔ وہ آدمی نشے میں تھا۔ عارف نے کار کے اندر دیکھا اور دل ہی دل میں بولا کہ ایسے امیر زادے نشہ کرنے کو بھی فیشن سمجھتے ہیں۔

عارف نے اس کا گال تھپتھپایا...... وہ پھر نشے میں بند آنکھوں کے ساتھ بولا......

''تم نے اچھا نہیں کیا......نہیں کیا......نفرت ہے......مجھے......تم سے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ نشے میں چور تھا۔ عارف نے کار کا سوئچ بند کر دیا۔ کار کا انجن بے آواز ہو گیا۔ عارف کی نگاہ اس آدمی کی کلائی پر پڑی جہاں ایک خوبصورت اور مشہور برانڈ کی مہنگی گھڑی چمک رہی تھی۔ ایسی گھڑیاں وہ دلنواز احمد کے بیٹوں کی کلائیوں پر دیکھا کرتا تھا۔ عارف اس کی کلائی کو الٹ پلٹ کر اس کی گھڑی دیکھنے لگا۔

گھڑی کو دیکھ کر اس کے دل میں ایک ہلچل سی برپا ہوئی۔ آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ اس نے اپنی تیز ہوتی ہوئی سانس کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر وہ گھڑی اس کی کلائی سے اتار لی۔ مہنگی اور مشہور برانڈ کی گھڑی کو اپنے ہاتھ میں دیکھ کر وہ عجیب سا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے وہ گھڑی اپنی کلائی پر سجا لی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ بار بار اپنی کلائی کو دیکھ رہا تھا۔ ایک عرصے سے دل میں جنم لینے والی خواہش کو وہ اس وقت پورا ہوتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

ایک دم عارف نے دائیں بائیں دیکھا۔ اس نے ایک بار پھر اس آدمی کے گال پر ہاتھ مارا لیکن وہ ہوش میں نہیں تھا۔ عارف نے کار کا دروازہ بند کیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ایک طرف چل پڑا۔ وہ اپنے آپ سے کہہ رہا تھا کہ جو امیرزادہ نشے پر خرچ کر سکتا ہے اس کے پاس کتنا پیسہ ہو گا۔ عارف چوک سے بائیں جانب مڑ گیا اور جب وہ اپنے گھر کی گلی میں داخل ہوا تو اس نے گھڑی اتار کر اپنی پینٹ کی جیب میں رکھ لی۔

پہلی دستک کے ساتھ ہی دروازہ یوں کھلا جیسے اس کی ماں دروازے کے ساتھ لگ کر ہی کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عارف کے لیے انتظار اور بے تابی کی سلگتی ہوئی چنگاریاں تھیں۔ عارف گھر میں داخل ہو گیا۔ ثروت نے دروازہ بند کر دیا۔

”کہاں سے آ رہے ہو تم اس وقت؟“

”اپنے دوست کے ساتھ تھا، دیر ہو گئی۔“ عارف نے بہانہ کیا۔

”وقت دیکھ رہے ہو کیا ہوا ہے۔“ ثروت بولی۔ ”یہ وقت ہے اپنے دوست کے پاس سے آنے کا؟“

”وقت ہی تو دیکھ رہا ہوں کہ کیا ہو گیا ہے۔“ عارف کہتے ہوئے آگے بڑھا۔

”میں تمہارا انتظار کرتے ہوئے سوکھ رہی تھی اور تم مزے سے اپنے دوست کے پاس بیٹھے تھے۔“ ثروت بولی۔

”اماں آپ میرا انتظار نہ کیا کریں۔ آپ سو جایا کریں۔“ عارف بولا۔

”میں تمہارا کیوں انتظار نہ کیا کروں۔ میں تمہاری ماں ہوں۔ سو فکریں مجھے گھیر لیتی ہیں۔“ ثروت اس کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

”اب میں بچہ نہیں ہوں کہ گم ہو جاؤں گا۔ آپ میری زیادہ فکر نہ کیا کریں۔“ عارف نے نرمی سے کہا۔

”اولاد جب جوانی میں قدم رکھتی ہے تو اس کے گم ہونے کا خطرہ کچھ زیادہ ہی بڑھ جاتا ہے۔“ ثروت بلا تامل بولی۔

”امی ..... کیا ہو گیا ہے۔ آپ سو جاؤ۔“ عارف ہولے سے مسکرایا۔ ”میں اگر گم ہوں گا کوئی نئی دنیا ڈھونڈ کر گم ہوں گا۔“

”پتہ نہیں کیا بولتا رہتا ہے۔ کھانا کھایا ہے؟“ ثروت نے کہا۔

”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ ثروت نے پوچھا۔

”کچھ کھا کر آئے ہو؟“

”میں نے دوست کے ساتھ ہی کھانا کھا لیا تھا۔“ عارف نے کہا۔

”جو روٹیاں میں نے پکا کر رکھی ہیں ان کا کیا کروں؟“ ثروت نے پوچھا۔

”رات کو پھر بھوک لگے گی تو میں کھا لوں گا۔“ عارف بولا۔

”تم کھانا کر نہیں آئے۔“ ثروت اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”ماں کیا اولاد کے دل میں بیٹھی ہوتی ہے کہ اسے سب پتہ چل جاتا ہے؟“ عارف نے کچھ توقف کے بعد سوال کیا۔

”ماں اولاد کا چہرہ دیکھ کر جان جاتی ہے کہ اس کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔“ ثروت کی نگاہیں عارف کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”آپ سو جاؤ۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔“ عارف نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"روٹی کھالو۔" ثروت نے پھر کہا۔

"آپ نے روٹی کھالی ہے؟" عارف نے پوچھا۔

"تیرے انتظار میں دوسرے بچوں کے ساتھ کھالی تھی۔" ثروت نے بتایا۔

عارف نے ایک نظر اپنی ماں کی طرف دیکھا اور کچن میں جا کر روٹیاں اور سالن ڈال کر اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

"روٹیاں پڑی پڑی سوکھ نہ جائیں کھالینا۔" ثروت نے تاکید کی۔

"کھانے کے لئے ہی لے جا رہا ہوں۔" عارف بولا۔

"اور کل سے اتنی رات گئے گھر نہ آنا۔" ثروت نے کہا۔

"نہیں آؤں گا۔ جلدی آ جایا کروں گا۔" عارف نے کہا اور سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

ہاتھ منہ دھونے کے بعد عارف نے کھانا کھایا اور برتن ایک طرف رکھ کر اپنی جیب سے وہ گھڑی نکالی اور اپنے سامنے رکھ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ اس گھڑی کو دیکھ رہا۔ اس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی تھی۔ پہلی بار اس نے چوری کی تھی۔ ایک مدہوش آدمی کی کلائی سے اس نے اس کی مہنگی گھڑی اتاری تھی۔ اس کا ضمیر کہہ رہا تھا کہ اس ٹھیک نہیں کیا ہے۔ اس نے چوری کی ہے۔ اس شخص کی مدد کرنے کی بجائے اس نے اس کے ساتھ فریب کیا ہے۔ اس کی مدہوشی کا فائدہ اٹھایا ہے۔ اس نے غلط کام کیا ہے۔

ان باتوں کو عارف نے ایک جھٹکے سے اپنا سر جھٹک کر رد کر دیا۔ اس نے سوچا اس نے بڑا آدمی بننا ہے۔ دلنواز احمد کی برابری کرنی ہے۔ اس کا مقابلہ کرنا ہے اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہونا ہے۔ اس سے اپنے باپ کی بے عزتی کا انتقام لینا ہے۔ اس دلنواز احمد اور اس کے بیٹوں کے ساتھ جنگ ہے اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔

بڑے بڑے لوگ بینکوں سے کروڑوں کا قرض لیتے ہیں، پھر معاف کرا لیتے ہیں وہ بھی تو فریب کرتے ہیں۔ اس نے تو ایک گھڑی اتاری ہے۔ یہاں لوگ دوسرے کا کاٹ کر آگے نکلنے کی کوشش میں ہوتے ہیں۔ اس نے کسی کا گلا نہیں کاٹا، کسی کا خون نہیں

شخص کو نشے میں دھت اس نے نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی کمائی سے حرام پانی پی کر خود چلا رہا تھا جس چیز کی ممانعت ہے، اس چیز کو وہ اپنے حلق سے نیچے اتار کر مدہوش اس نے تو ایک گھڑی ہی اتاری ہے جو کتنے کی ہو گی......؟ تین چار لاکھ روپے اگر وہ اسے کل بیچ دے گا تو اس سے وہ اس پلاٹ کا بیعانہ دے سکے گا اور پھر وہ دلنواز احمد کو بیچے گا۔ منافع کمائے گا اور وہ اپنی کامیابی کی طرف پہلا قدم بڑھائے

ان سوچوں نے عارف کے دل و دماغ میں آئے ہوئے تمام خیالات کو نکال دیا جو اس کو مضطرب کر رہے تھے۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے آپ سے بولا۔ "بڑا آدمی بننا ہے تو اسے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ ورنہ وہ پانچ چھ ہزار روپے کی نوکری کے سوا کچھ نہیں کر سکے گا۔"

عارف یہ بات اپنے آپ سے کہتا ہوا کھڑکی کے پاس چلا گیا اور اس نے کھڑکی کھول دی۔ اچانک اس کی نگاہ سامنے سہیل کے گھر کی اوپر کی منزل پر پڑی وہ کھڑکی بند تھی۔ گلی میں سناٹا تھا۔

اچانک سناٹے میں شور ہوا اور اس کا موبائل فون بول پڑا۔ اس نے اپنا موبائل فون اٹھایا اور اسکرین کی طرف دیکھنے لگا۔ اسکرین پر کوئی اجنبی نمبر تھا۔ عارف نے موبائل فون آن کیا اور کان سے لگا لیا۔

"ہیلو......"

دوسری طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ بالکل سناٹا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے فون بند ہو گیا ہو۔

عارف نے ایک بار پھر کہا۔ "ہیلو......"

اس بار خاموشی کی بجائے کسی نے سانس لی۔ عارف کی روح کانپ گئی۔ وہ پھر بولا۔ "ہیلو کون ہے؟"

دوسری طرف سے پھر کسی نے سانس لی اور دوسرے ہی لمحے موبائل فون میں ایک پھر سکوت چھا گیا۔

''ہیلو......ہیلو......''

کوئی آواز کوئی آہٹ نہیں تھی۔ عارف نے موبائل فون کان سے الگ کر موبائل فون ایک طرف رکھا اور بستر پر لیٹ گیا۔ رفتہ رفتہ سوچوں کے آسمان پر نیند چھانے لگا اور وہ سو گیا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن عارف گھڑی بیچنے کے لیے بازار لے گیا۔ اس نے پہلے تو اس با جائزہ لیا جہاں گھڑیوں کی دکانیں تھیں۔ پھر اس نے ایک بڑی دکان دیکھی اس کے ش ایک چارٹ لگا ہوا تھا جس پر موٹے حروف میں لکھا تھا کہ سیلز مین کی ضرورت ہے دکان کے اندر مہنگی اور مشہور کمپنیوں کی گھڑیاں موجود تھیں۔ وہ شہر کی بڑی دکان تھی بورڈ پر لکھا ہوا تھا کہ اس جگہ پرانی گھڑیوں کی بھی خریداری کی جاتی ہے۔

عارف اندر چلا گیا۔ اس کا چہرہ پُراعتماد تھا۔ اس نے اپنی کلائی پر گھڑی باندھ تھی۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک سیلز مین کھڑا تھا۔ عارف اس کے پاس چلا گیا اس نے اتار کر اس کے سامنے رکھی اور پُراعتماد لہجے میں بولا۔ ''مجھے یہ گھڑی سیل کرنی آپ بتا سکتے ہیں کہ اس کی کیا قیمت مل سکتی ہے۔''

سیلز مین گھڑی کو غور سے دیکھنے لگا پھر بولا۔ ''ہم خرید لیں گے۔''

''کتنے پیسے دیں گے۔'' عارف نے پوچھا۔

''یہ اندر سے پتہ چلے گا۔'' سیل مین اپنے ساتھ کھڑے لڑکے کو گھڑی دیتے بولا۔ ''یہ گھڑی اندر لے جاؤ اور پوچھو اس کی کیا قیمت ہے۔''

لڑکا گھڑی لے کر ایک طرف بنے ہوئے کیبن میں چلا گیا۔ عارف اس ج مختلف گھڑیوں کو دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد وہی لڑکا واپس آیا اور بولا آپ کو اندر بلا ہیں۔''

''کون......؟'' عارف نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس دکان کے مالک ہیں۔ خریداری کا ریٹ وہی بتاتے ہیں۔ آپ اندر چلے جائیں۔'' سیلز مین نے کہا۔

عارف پُراعتماد انداز میں چلتا ہوا کیبن کی طرف چلا گیا۔ کیبن کا دروازہ کھول کر جیسے ہی اس نے اندر جھانک کر دیکھا وہ چونک پڑا لیکن اس نے اپنے اندر کی کیفیت اپنے چہرے اور آنکھوں سے عیاں نہیں ہونے دی تھی۔ وہ کیبن کے اندر داخل ہوا۔ اس نے اپنے اعصاب کو مضبوط کر لیا تھا۔

سامنے بڑی میز کے پیچھے جو شخص بیٹھا ہوا تھا یہ وہی تھا جس کی کلائی سے عارف نے رات کو گھڑی اتاری تھی۔ اس نے وہ گھڑی اپنے سامنے میز پر رکھی ہوئی تھی اور اس کی طرف گھنی مونچھوں کے پیچھے ہلکی مسکراہٹ عیاں نمایاں تھی۔ اس کا لباس صاف اور نفیس تھا جس سے اس کی شخصیت نکھری ہوئی تھی۔

وہ آدمی ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے عارف سے بولا۔ ''تشریف رکھیں۔''

عارف اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے چہرے پر کوئی گھبراہٹ اور خوف نہیں آنے دیا۔ وہ اطمینان سے بیٹھ گیا۔ وہ آدمی گھڑی کی طرف دیکھتا رہا۔

''اس گھڑی کے کتنے پیسے لینا چاہتے ہیں آپ؟ اس آدمی نے پوچھا۔

''آپ کتنے پیسے دینا چاہتے ہیں۔'' عارف کی آواز میں کوئی لرزش نہیں تھی۔

''میں چاہتا ہوں کہ یہ گھڑی میں ایسے ہی رکھ لوں۔ آپ کی گھڑی مجھے اچھی لگی ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا۔'' وہ کہہ کر مسکرایا۔

''مفت کا مال تو نہیں ہے یہ۔'' عارف نے بلا تامل کہا۔

اس کی بات سن کر وہ آدمی متاثر ہوتے ہوئے بولا۔ ''آپ کا اعتماد قابل تعریف ہے۔ کسی چٹان کی طرح مضبوط اعتماد آپ کے لہجے سے جھلکتا ہے۔''

''ایک یہی تو چیز ہے میرے پاس۔'' عارف بھی ہولے سے مسکرایا۔

''شکل سے تم اچھے آدمی لگتے ہو۔'' وہ اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

''کیا آپ کو شک ہے کہ میں شکل سے تو اچھا لگتا ہوں لیکن......اچھا ہوں نہیں۔''

عارف نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

وہ پھر مسکرایا اور اپنا ہاتھ اس کی طرف مصافحے کے لئے بڑھاتے ہوئے بولا۔

”مجھے اویس حبیب کہتے ہیں۔“

”آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔“ عارف نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔”اچھا نام ہے اور آپ کی شخصیت بھی کمال کی ہے۔“

”آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔“ اس نے کہا۔

”میرا نام عارف ہے۔“ وہ بولا۔

”مسٹر عارف یہ گھڑی آپ کیوں بیچنا چاہتے ہیں۔قیمتی گھڑی ہے۔آپ کی کلائی پر اچھی لگتی ہوگی؟“ اویس حبیب بولا۔

عارف نے اس کی طرف جھک کر کہا۔”کیونکہ یہ گھڑی میری نہیں ہے۔میں اسے بیچ کر کچھ پیسے حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“

”کہیں سے ملی ہے؟“ اویس حبیب نے پوچھا۔

”کلائی سے اتاری تھی۔“ عارف نے جواب دیا۔

”کس کی کلائی سے؟“

”آپ کی کلائی سے۔“

”اور میری ہی دکان پر اسے بیچنے کے لئے آ گئے۔“

”مجھے پتہ ہوتا تو میں اس دکان سے کئی میل دور رہتا۔“

اس کی بات سن کر اویس حبیب ہنسا۔”جانتے ہو کیا ہو سکتا ہے؟ اب اگر میں پولیس کو بلا لوں تو......؟“

عارف اس کا چہرہ دیکھنے لگا اور پھر بولا۔”مجھے یقین ہے آپ پولیس کو نہیں بلائیں گے۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“ اویس حبیب نے کہا۔

”کیونکہ میں آپ کے پاس نوکری کے لئے آیا ہوں۔باہر شیشے پر آپ نے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چارٹ لگایا ہوا ہے کہ سیلز مین کی ضرورت ہے اور میں اس لئے آپ کے سامنے بیٹھا ہوں۔آپ کی گھڑی آپ کے سامنے پڑی ہے۔“ عارف نے کہہ کر اطمینان سے کرسی کی پشت کے ساتھ ٹیک لگا لی۔

وہ پھر مسکرایا۔”تمہارا دماغ بہت تیز چلتا ہے۔مجھے تمہاری یہ بات سن کر اور بھی مزہ آیا ہے۔اچھا لگا مجھے۔“

”میں نے آپ کو کوئی کہانی نہیں سنائی بلکہ وہ بتایا ہے جو حقیقت ہے۔“ عارف کے پُراعتماد لہجے میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

اویس حبیب کچھ دیر عارف کی طرف دیکھتا رہا جیسے وہ اس کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو، پھر بولا۔”تمہارے اندر کا اعتماد اور بے خوف لہجہ مجھے اچھا لگا۔تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ مجھے دیکھتے ہی گھبرا جاتا، مجھ سے بات کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ جاتے۔اس کی آواز میں کپکپاہٹ آ جاتی لیکن تم ایک لمحے کے لئے بھی نہیں چونکے۔ونڈر فل۔کیا کرتے ہو؟“

”کچھ نہیں کرتا۔فارغ ہوں۔اسی لئے تو آپ کے پاس نوکری کے لئے آیا ہوں۔“ عارف کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

”بے روزگار ہو؟“ اویس حبیب نے دوسرا سوال کیا۔

”آپ کہہ سکتے ہیں۔“ عارف بولا۔

”کچھ کرو گے؟“ اویس حبیب نے پوچھا۔

”کیا ہے کرنے کے لئے؟“ عارف نے سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کیں۔

”تم حامی بھرو تو کرنے کے لئے بہت کچھ ہے۔“ اویس حبیب کا لہجہ معنی خیز تھا۔

”مثلاً......؟؟“ عارف نے پوچھا۔

”جب تم کچھ کرنا چاہو تو مجھ سے ملنا، میرے دروازے تمہارے لئے ہر وقت کھلے ہیں۔“ اویس حبیب نے اطمینان سے کہا۔

”میں تو اب بھی کچھ کرنے کے لئے تیار ہوں۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں گھر سے

"کچھ کرنے کے لئے ہی نکلا تھا۔" عارف بولا۔

"اور اتفاق دیکھو کہ کہاں آ گئے۔" وہ مسکرایا۔

"شاید قسمت ابھی میرے ساتھ نہیں ہے۔ اس لئے کچھ بن نہیں سکا۔" عارف پہلی بار مسکرایا۔ شاید وہ اپنے آپ پر طنز کر رہا تھا۔

"قسمت ہمیشہ ساتھ ہوتی ہے۔ بس آنکھیں کھلی رکھنی پڑتی ہیں۔" اویس حبیب نے کہا۔ "میرے سیلز مین سے تم پچاس ہزار روپے لے لو۔"

"وہ کس چیز کے؟"

"تم مجھے یہ گھڑی بیچ کر جا رہے ہو۔"

"لیکن یہ گھڑی......" عارف کہتے ہوئے رُک گیا اور اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"اس گھڑی کی قیمت ساڑھے چار لاکھ روپے ہے۔ تم نہ آتے تو سارا نقصان ہو جاتا۔ تم آ گئے ہو تو پچاس ہزار روپے ہی جا رہے ہیں۔ وہ پچاس ہزار روپے میں تمہارے اعتماد کے نام کر رہا ہوں۔" اویس حبیب نے کہا۔

"میں کوئی پیسہ نہیں لوں گا۔ میں چلتا ہوں۔" عارف کھڑا ہو گیا۔

"پچاس ہزار روپے لے لو۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔" اویس حبیب بولا۔

"شکریہ۔ اب اس کھیل میں مزہ نہیں رہا۔" عارف نے سر جھٹکا۔

"اور اگر زیادہ پیسہ لینا چاہتے ہو تو میرے ساتھ آ جاؤ۔ دونوں مل کر فائدہ اٹھائیں گے۔" اس نے سنجیدگی سے عارف کی طرف دیکھتے ہوئے پیشکش کی۔

عارف دروازے کی طرف بڑھا۔ "زندگی میں پہلی بار کسی کی کلائی سے گھڑی اتاری تھی اور ستم ظریفی یہ کہ میں اس کے مالک کو دینے کے لئے بھی خود ہی پہنچ گیا، خواہ میں لاعلمی میں ہی یہاں تک آیا ہوں۔ میرے لئے یہی تجربہ بہت ہے۔"

"مسٹر عارف...... جو بات تم میں ہے وہ میں نے کم لوگوں میں دیکھی ہے۔ آج شام سے پہلے تم مجھے مل لو تو ہم دونوں ففٹی ففٹی کی بنیاد پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اویس حبیب بھی کھڑا ہو گیا۔ "میرے پاس ایک پلان ہے۔ میرے پاس منصوبہ ہے اور تمہارے پاس اعتماد کے ساتھ زبردست دماغ بھی ہے۔"

"میں چلتا ہوں۔ خدا حافظ۔" عارف نے ہاتھ لہرایا۔

"میں رات سات بجے تک تمہارا یہاں انتظار کروں گا۔" اویس حبیب نے عقب سے کہا۔ وہ اس کو شاید کھونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ عارف کے ماتھے پر مجبوری لکھی ہوئی ہے وہ اس کی مجبوری کو خرید سکتا ہے لیکن عارف اس کے لئے ابھی تیار نہیں تھا۔

"شکریہ۔" وہ پھر بولا۔

"زندگی میں کچھ بننا چاہتے ہو تو میں تمہیں سیڑھی مہیا کر رہا ہوں۔" اویس حبیب نے اس کو جاتا ہوا دیکھ کر پھر کہا۔ "آئندہ کبھی تم اپنی مجبوری کی وجہ سے کسی کی کلائی سے گھڑی نہیں اُتارو گے بلکہ ایسی کئی گھڑیاں تمہارے پاس ہوں گی۔"

"میں نے کہا نا کہ میرے لئے یہی تجربہ بہت ہے۔" عارف رُک کر بولا اور پھر دروازہ کھول کر کیبن سے باہر نکل گیا۔ اس نے باہر نکل کر مختلف گھڑیوں کی طرف دیکھا، کاؤنٹر پر ایک لڑکی، ایک لڑکے کے ساتھ کھڑی تھی اور دونوں گھڑی پسند کر رہے تھے۔ عارف ان کو دیکھتا ہوا اس دکان سے باہر نکل گیا۔

عارف جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ شاید قسمت اس کے ساتھ مذاق کرنے پر اُتر آئی ہے۔ وہ جو سوچ رہا تھا اس کے برعکس ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

دو بج رہے تھے۔

عارف کا رخ پراپرٹی ڈیلر کی طرف تھا۔ وہ ویگن میں بیٹھا اور اس کے آفس میں پہنچ گیا۔ اس دوران اس کے موبائل فون پر پراپرٹی ڈیلر کے دو فون آ چکے تھے جو اس نے ریسیو نہیں کئے تھے۔ وہ سب کے سامنے اپنی جیب سے سستا فون نہیں نکال سکتا تھا جبکہ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے اس سے زیادہ عمر کے آدمی کے ہاتھ میں مہنگا موبائل فون تھا۔

عارف نے فون کی بیل بند کر رکھی تھی اس لئے صرف اسے پتہ چل رہا تھا کہ اسے کوئی فون کر رہا ہے۔

اس نے ویگن سے اتر کر کال چیک کی تو وہ پراپرٹی ڈیلر کی تھی۔ وہ جب اس کے آفس پہنچا تو ڈھائی بج چکے تھے۔ عارف نے اس کے دفتر میں قدم رکھا تو وہ چونکا۔ اس کا کزن راشد کلف لگے سوٹ کے ساتھ کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اخبار تھا۔ اس کے سیاہ بوٹ ایسے چمک رہے تھے جیسے ابھی دکان سے خرید کر لایا ہو جبکہ فوری نظر اس کی اپنے جوتوں پر چلی گئی جو مٹی میں اَٹے ہوئے تھے۔ عارف کو امید نہیں تھی کہ راشد موجود ہوگا۔ ایک بار پھر اسے یہ اپنی قسمت کا فریب لگا۔

''آیئے جناب میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا۔ حالانکہ یہ بھی آ گئے تھے لیکن میں نے ان کو صاف کہہ دیا کہ جو پارٹی اسے پہلے خریدنا چاہتی ہے ان کی ہاں اور نہ کے بعد میں آپ سے بات کروں گا۔'' پراپرٹی ڈیلر، عارف کو دیکھتے ہی بولا۔

راشد نے اخبار ایک طرف رکھ دیا تھا اور اب وہ عارف کی طرف خفیف تمسخر میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے لئے بڑی حیرت کی بات تھی کہ پراپرٹی ڈیلر محبوب اس کو پارٹی کہہ رہا تھا۔

''کیا پروگرام ہے؟'' محبوب نے پوچھا۔ ''بات آگے بڑھائیں۔''

''میں یہ پلاٹ خریدنا نہیں چاہتا۔'' عارف نے انکار کر دیا۔

''کیوں...... پیسے کا ارینج نہیں ہوا؟'' محبوب نے جلدی سے پوچھا۔

''میں نے کچھ اور سوچا ہے۔ آپ یہ پلاٹ جسے چاہیں فروخت کر دیں۔'' عارف نے جواب دیا۔ ''میں آپ کو یہ بتانے کے لئے آیا تھا۔''

''میں سمجھا جانے کون سی بڑی پارٹی ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔ پتہ نہیں لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ اپنا شوق پورا کرنے کے لئے کیسے کیسے راستے نکال رہے ہیں۔ بتاؤ اب لوگ آپ جیسے مصروف اور کاروباری لوگوں کو بھی ستانے کے لئے آنے لگے ہیں۔ ہم جگہ خریدنا چاہتے ہیں، وہ جگہ بیچنا چاہتے ہیں، ہوا میں بم چھوڑتے رہتے ہیں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

راشد کے لہجے میں طنز تھا۔

''میں چلتا ہوں، ویسے میں آپ سے رابطہ رکھوں گا۔'' عارف کسی بحث میں پڑنے کی بجائے دروازے کی طرف بڑھا۔

''آپ بھی کس کی باتوں میں آ گئے تھے۔ میرے ڈرائیور کی جیب میں اس وقت زیادہ پیسے ہوں گے اور جو پلاٹ خریدنے کی بات کر رہا ہے وہ شاید یہاں تک پیدل چل کر آیا ہوگا۔'' راشد نے ایک اور تیر چھوڑا۔ ''وہ کیا پلاٹ خریدے گا۔ ویسے آپ مجھے پارٹی کا نام لے کر پہلے پوچھ لیتے تو ہم دونوں کا قیمتی وقت بچ سکتا تھا۔''

عارف دروازے کی طرف جانے کی بجائے اس کے پاس آ گیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔ ''جس زمین پر کھڑا ہو کر تُو اتنا اترا رہا ہے۔ ایک دن میں نے تیرے پیروں کے نیچے سے یہ زمین نہ کھینچی تو میرا نام بھی عارف حمید نہیں۔ اس بات کا یہ بندہ گواہ ہے۔''

''اس کے لئے مجھے کتنے سال انتظار کرنا پڑے گا۔'' راشد پوچھتے ہوئے مسکرایا۔ ''کیا تم مجھے اس بارے میں کچھ بتا سکتے ہو۔''

''بس تم گنتی گننا شروع کر دو۔'' عارف اپنا غصہ دباتے ہوئے بولا۔

''نہیں بھئی میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ کیونکہ گنتے گنتے میں تھک جاؤں گا اور تمہاری بات پوری کرنے کا وقت نہیں آئے گا۔ تم کوئی اور آسان سی بات کہو جس کی میں امید کر سکوں کہ ہاں تم یہ کر سکتے۔ مثلاً تم مجھے یہ کہو کہ میں پانچ منٹ میں تمہاری کار پر کپڑا پھیر سکتا ہوں یا پھر یہ کہو کہ تم پانچ منٹ میں میرے لئے بھاگ کر ٹھنڈی بوتل لا سکتے ہو، یا پھر ایسا کہو کہ تم پانچ منٹ میں میرے لئے اخبار لا سکتے ہو۔ تب میں مان لوں گا کہ تم ایسا کر سکتے ہو۔ کیونکہ ایسا کرنے کی تمہاری اوقات بھی ہے اور ہمت بھی۔'' راشد کا لہجہ مسلسل ویسا ہی تھا۔

''وقت کی ڈور ہاتھ میں پکڑ کر جو کہنا چاہتے ہو کہہ لو۔ لیکن یاد رکھنا، میرے الفاظ وہی ہیں کہ تیرے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لوں گا اور پھر تیری ایک ایک بات کا

جواب دوں گا۔ تیرے طنز کا بھی جواب دوں گا اور جو مسکراہٹ تیرے ہونٹوں پر ہے وہ ب[...]
نظر آئے گی۔'' عارف کی آواز میں وحشت تھی۔

''آپ دونوں کیوں بحث کر رہے ہیں۔ آپ دونوں میرے لئے قابلِ عز[...] ہیں۔ میں عارف کو جانتا ہوں۔ کوئی بات نہیں اگر پیسے کا انتظام نہیں ہوا یا آپ نے ارا[...] بدل لیا ہے لیکن اس طرح سے آپ آپس میں مت الجھیں۔'' پراپرٹی ڈیلر نے مداخلت کی۔

''میری بات یاد رکھنا۔'' عارف نے اپنی انگلی اس کی طرف اٹھاتے ہوئے مصمم ارادے سے اسے خبردار کیا۔

''میری بھی کہی ہوئی بات یاد رکھنا۔ کار صاف کرنے والی بات، بوتل والی بات......اور......'' راشد ہنسا۔

''تیری یہ مسکراہٹ رونے میں بدل نہ دوں میرا نام عارف نہیں۔'' اس نے دانت پیس کر کہا۔

''محبوب صاحب جس نے کسی کے منہ پر تھپڑ لگتا ہوا دیکھا ہو اور دیکھنے والا نہ بھول رہا ہو، بھلا بتائیں جس کے منہ پر تھپڑ پڑا ہو وہ بھلا کیسے بھول سکتا ہے۔'' راشد کا رُخ محبوب کی طرف تھا اور محبوب پریشان ہو کر دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

یہ عارف کی برداشت کا امتحان ہی تھا کہ وہ سب کچھ برداشت کر کے اس آفس سے باہر نکل گیا تھا۔ وہ تیزی سے ایک طرف جا رہا تھا۔ ایک دم اس نے اپنے قدم روک لئے اور وہ رکشے کی طرف بڑھا۔ اس نے رکشا ڈرائیور سے بات کی اور اس میں بیٹھ گیا۔ عارف کی آنکھوں میں سرخی گہری ہو گئی تھی۔ غصہ اس کے چہرے پر مترشح تھا۔ دانت پر دانت جما ہوا تھا۔ ایک بار پھر اس کی تذلیل ہوئی تھی۔ راشد نے محبوب کے سامنے اس پر اپنے طنز اور باتوں کے نشتر مارے تھے۔ ایک بار پھر اس کا جگر چھلنی ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکشا اویس حبیب کی دکان کے سامنے رُکا۔ عارف رکشے والے کو یہ کہتا ہوا دکان کی طرف بڑھ گیا کہ وہ اندر سے کرایہ بھیجتا ہے۔ دکان کے اندر جاتے ہی عارف نے سیلز مین سے پوچھا۔ ''اویس صاحب اندر ہیں؟''

''جی......'' سیلز مین کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کیبن کی طرف چلا گیا۔ اپنی کرسی پر اویس حبیب اپنے دونوں ہاتھ اپنے ٹھوڑی کے نیچے ٹکائے اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''باہر رکشے والا کھڑا ہے۔ سو روپیہ کرایہ دینا ہے اسے۔'' اندر جاتے ہی عارف نے کہا۔'' اویس حبیب کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔ اس نے انٹرکام پر اپنے ملازم کو حکم دیا کہ وہ باہر کھڑے رکشے والے کو سو روپے دے دے۔ اس کے بعد اس نے عارف سے کہا۔ ''بیٹھو۔''

''میں آپ کے ساتھ کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بولیں کیا کرنا ہے۔'' عارف فیصلہ کن انداز میں بولا۔

''وہ تو میں تمہیں آتا ہوا دیکھ کر ہی جان گیا تھا، تم میرے ساتھ ہاتھ ملانے کے لئے آ رہے ہو۔'' اویس حبیب نے کہا۔

''مجھے کیا کرنا ہے؟'' عارف بولا۔

''بہت غصے میں لگ رہے ہو۔ کیا بات ہے کسی سے جھگڑ کر آ رہے ہو؟'' اویس نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے پوچھا۔

''زہر کے گھونٹ اپنے حلق کے نیچے اتار کر آ رہا ہوں۔'' عارف بولا۔ ''یہ زہر میری جان نے لگایا کسی کو جان دینی پڑے گی۔''

''ٹھنڈے ہو جاؤ۔ تم میرے ساتھ دوستی کر رہے ہو۔ اب غصہ نہیں چلے گا۔ میرا یہ گھڑیوں کا ہی کاروبار نہیں ہے۔ میری جیولری کی دکان بھی ہے۔ میں ہیروں کی خرید و فروخت بھی کرتا ہوں۔ ہیرے کی پہچان مجھے اتنی ہے کہ پہلی ہی نظر میں یہ بھانپ جاتا ہوں کہ یہ کتنا اصلی ہے۔'' اویس حبیب اطمینان سے بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عارف کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اویس حبیب کے سامنے رکھا ہوا پانی کا گلاس اس کے اوپر سے ڈھکن ایک طرف رکھتے ہوئے اٹھایا اور غٹاغٹ پی گیا۔ خالی گلاس اس نے میز پر رکھ دیا۔

"پانی اور منگواؤں۔"

"نہیں۔"

"پی لو...... من کی پیاس بجھ جائے گی۔"

"اب یہ پیاس پانی سے نہیں بجھے گی۔"

"تمہاری پیاس مجھ تک کھینچ لائی ہے۔ تو میرا بھی وعدہ ہے کہ میں تمہارے قدموں میں دولت کا کنواں کھدواؤں گا۔" اویس حبیب نے کہا۔

عارف نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ "آپ کے اٹھنے کا ٹائم ہو گیا ہے۔"

"میرا ابھی اٹھنے کا وقت نہیں ہوا ہے۔" اویس حبیب نے کہا۔

"آپ نے ہی کہا تھا کہ میں سات بجے تک یہاں ہوتا ہوں۔" عارف نے کہا۔

"گھڑی میں سات بج رہے ہیں۔"

"یہ گھڑی خراب ہے۔" وہ مسکرایا۔

"سمندر میں بیٹھے ہوئے ہیں آپ اور دو بوند پانی بھی آپ کے نصیب میں نہیں ہے۔" عارف نے سر جھٹکا۔

"یہ بھی ایک راز ہے چلو میرے ساتھ...... آج ہم دوستی کی شروعات بھی کریں گے اور تمہیں میں ایک نئی دنیا سے بھی ملواؤں گا۔" اویس حبیب اپنی جگہ سے اٹھا۔

"چلیں۔" عارف جانے کے لیے پہلے ہی تیار تھا۔

دونوں ایک ساتھ کیبن سے باہر نکلے۔ باہر وہی مہنگی کار ایک طرف کھڑی تھی۔ کار ڈرائیور انہیں دیکھتے ہی کار کی طرف بڑھا اور جونہی اس نے کار کا دروازہ کھولا، اویس حبیب نے اس سے کہا۔ "کار کی چابی مجھے دے دو۔"

ڈرائیور نے کار کی چابی اویس حبیب کو دے دی۔ اویس حبیب نے پوچھا۔

"گاڑی چلا لیتے ہو۔"

"نہیں۔" عارف نے نفی میں گردن ہلائی۔

"سیکھ جاؤ گے۔" وہ بولا۔

"اپنی گاڑی چلانا سیکھوں گا۔" عارف نے کہا۔

اویس حبیب مسکرایا۔ "گاڑی کا مالک بننا چاہتے ہو پہلے۔ بس سمجھ لو کہ تم گاڑی کے مالک بن گئے...... بیٹھو کار میں۔"

دونوں کار میں بیٹھ گئے۔ عارف کو کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا، ایسی مہنگی کار میں بیٹھنے کا۔ منصور کبھی کبھار جب اپنی کار لے کر آتا تھا تو وہ سستی کار تھی جو اس کی ماں نے اس کے استعمال کے لئے دے رکھی تھی۔

اویس کار چلاتا سڑک پر آ گیا اور پھر ان کی کار ٹریفک میں گم ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

......

زاہدہ بیگم نے منصور کی طرف دیکھا جو اپنے کمپیوٹر کے آگے بیٹھا تھا۔ زاہدہ بیگم کچھ دیر دروازے میں کھڑے رہنے کے بعد آہستہ سے دستک دی تو منصور نے ایک انہیں دیکھا اور پھر کمپیوٹر کی طرف اپنی توجہ مبذول کرلی۔

زاہدہ بیگم اس کے پاس گئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ''ابھی تک سے ناراض ہو؟''

''میں کیسے ناراض ہوسکتا ہوں......!'' منصور نے کہا۔

''تم بہت دیر سے اپنے کمرے میں ہو۔'' زاہدہ بولی۔ ''کمرے سے باہر ارادہ نہیں کیا؟''

''باہر کی دنیا مجھے کھا نہ جائے، اس ڈر سے اپنے کمرے میں بند ہو گیا ہو منصور نے ناراض سے لہجے میں جواب دیا۔

''کمپیوٹر بند کرو، میں نے تم سے بات کرنی ہے۔'' زاہدہ بیگم نے کہا۔

''آپ بات کریں، میں سن رہا ہوں۔'' منصور کی نگاہیں بدستور اسکرین کی طرف تھیں۔

''میری بات توجہ سے سننے کی ہے، اس طرح تمہارا دھیان کمپیوٹر کی طرف گا۔'' زاہدہ بیگم نے کہا۔

''میں توجہ سے ہی سن رہا ہوں۔'' منصور بولا۔

''منصور کمپیوٹر بند کر کے میری بات سنو۔'' زاہدہ بیگم نے پیار سے کہا۔

منصور نے کمپیوٹر بند کر دیا لیکن اپنی کرسی زاہدہ بیگم کی طرف نہیں گھمائی۔ زاہدہ بیگم نے اس کی کرسی اپنی طرف گھما کر اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور بولی۔ ''ناراض ہو؟''

''آپ کوئی ضروری بات کرنا چاہتی ہیں۔''

''میں یہ بات تم سے کئی دن پہلے کرنا چاہتی تھی لیکن وقت نہیں ملا۔ پھر مجھ سے بات کرنا بھی مشکل ہو رہی تھی۔'' زاہدہ بیگم نے کہا۔

منصور چپ چاپ اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ زاہدہ بیگم نے بغیر کسی مزید تمہید کے ایک دم کہا۔

''میں نے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔''

یہ سنتے ہی منصور کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اسے شک ہوا کہ کیا اس نے وہی سنا ہے جو اس کی ماں نے کہا ہے۔ اس نے تصدیق کے لیے پوچھا۔ ''کیا کہا آپ نے......؟''

زاہدہ بیگم نے ایک کرسی اٹھا کر منصور کے پاس رکھی اور اس پر بیٹھ کر اطمینان سے بولی۔ ''میں شادی کر رہی ہوں۔''

''کیوں؟'' منصور نے متحیر لہجے میں پوچھا۔

''ایک عورت کو معاشرے میں جینے کے لئے مرد کے سہارے کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔'' زاہدہ بیگم نے کہا۔

''میں ہوں نا آپ کا سہارا......ایک مرد!'' منصور بولا۔

''تم میرے بیٹے ہو، جس طرح ہمارا بزنس کامیابی سے جا رہا ہے اس کی دیکھ بھال کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ میرے ساتھ کوئی ہونا چاہئے جو ان سارے معاملات کو اچھی طرح سے دیکھ سکے۔'' زاہدہ بیگم نے کہا۔

''ایک سال کے بعد میں ایم بی اے کر کے فارغ ہو جاؤں گا۔'' منصور کو اب بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حیرت ہو رہی تھی کہ اس کی ماں شادی کر رہی ہے۔ وہ زاہدہ بیگم سے بات کر رہا تھا لیکن اس کا دماغ سوچوں کے سمندر میں غوطہ زن تھا۔

"بہرحال تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گے۔ میں شادی کر رہی ہوں۔ یہ ہم دونوں کے لیے بہتر ہے۔" زاہدہ بیگم نے بات کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

کمرے میں خاموشی چھا گئی۔ منصور سوچ میں مبتلا تھا۔

زاہدہ بیگم بولی۔ "تم پوچھو گے نہیں کہ میں کس سے شادی کر رہی ہوں؟"

منصور چپ رہا۔ زاہدہ بیگم نے کچھ دیر اس کی طرف دیکھا اور پھر خود ہی بتایا۔ "اظہر حسین سے شادی کر رہی ہوں۔"

اظہر حسین کا نام سنتے ہی ایک بار پھر منصور چونکا اور بولا۔ "آج سات ماہ دن ہو گئے ہیں ڈیڈ کو قتل ہوئے۔ جس ہوٹل میں ان کو زہر کا ٹیکہ لگا کر قتل کیا گیا تھا اس ساتھ ان کا منیجر لطیف بیگ بھی تھا، جب پولیس نے لطیف بیگ پر ہاتھ ڈالنے کی کی، اُسے پوچھ گچھ کے لیے اپنی تحویل میں رکھنا چاہا تو یہ اظہر حسین ہی تھے جو اپنے کے بل پر لطیف بیگ کو پولیس سے چھڑا کر لے آئے وہ شخص آج بھی اسی کمپنی میں کا ہے۔ اظہر حسین نے اس کیس کو ڈیل کیا اور پھر جانے کیا کر دیا کہ کیس ہی ختم ہو گیا ہی اختتام کو پہنچ گئی، جو میرے ڈیڈ کے قاتل تک پہنچنے کے لئے پولیس کی مدد نہیں آپ اس سے شادی کر رہی ہیں؟"

"منصور! تم کس طرح بات کر رہے ہو؟ تم اظہر کو اظہر حسین کہہ کر مخاطب کر ہو، کیا ہوئی تمہاری تمیز.....؟" زاہدہ بیگم نے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے وہ شخص اس وقت سے اچھا نہیں لگتا جب اس نے لطیف بیگ کو تحفظ کی کوشش کی اور اسے بچایا، اس کی مدد کی۔" منصور غصے سے بولا۔

"منصور! میں پھر کہہ رہی ہوں کہ تم تمیز سے بات کرو، مجھے تمہارا یہ لہجہ اچھا ہے۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔

"سوری مما.....! مجھے آپ کا فیصلہ پسند نہیں۔" منصور نے دوٹوک کہا۔ "

شخص سے نفرت ہے۔"

"منصور..... تمیز کے دائرے میں رہو۔" زاہدہ بیگم نے سرزنش کی۔ "اظہر حسین ہمارے محسن ہیں۔"

"اس شخص کے لئے میں تمیز سے بات نہیں کر سکتا۔" منصور کی آواز بلند ہو گئی تھی۔ "وہ میرے ڈیڈ کا قاتل ہے۔"

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو۔ یہ تمہاری غلط دوستیوں کا نتیجہ ہے کہ تم کو اپنی ماں سے بھی بات کرنے کی تمیز نہیں رہی ہے۔" زاہدہ بیگم کا غصہ بھی دوچند ہو گیا۔

"میری دوستی کو بیچ میں مت لائیں۔ میرا یہ ردعمل آپ کے فیصلے کی وجہ سے ہے۔" منصور نے بلا تامل جواب دیا۔

"میں فیصلہ کر چکی ہوں اور میں بہتر سمجھتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔" زاہدہ بیگم بولی۔

"تمہیں اعتراض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"آپ نے فیصلہ بھی کیا تو اس شخص کے لئے جسے میں اپنے باپ کے قتل میں شریک سمجھتا ہوں۔" منصور اپنی جگہ سے اٹھا، اس نے غصے سے کرسی کو ٹھوکر ماری۔

"منصور.....! خبردار جو تم نے آئندہ ایسا کہا، وہ ایک شریف اور اچھے انسان ہیں، تمہارے ڈیڈ کو قتل کرنے والے ان کے کاروباری مخالف ہو سکتے ہیں۔" زاہدہ بیگم کو اس کی بات سن کر غصہ آ گیا۔

"تمہیں ایسا سوچتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔"

"کون تھے ان کے مخالفین.....؟" منصور نے سوالیہ نگاہوں سے زاہدہ بیگم کی طرف دیکھا۔ "میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"جو بھی ہوں گے اب یہ بات واضح تو نہیں، ہم لوگوں کا شک ہے۔" زاہدہ بیگم بولی۔ "بزنس میں کئی مخالفین ہوتے ہیں۔"

"آستین میں چھپے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھیں تو آپ کی سمجھ میں ساری بات

جائے گی۔'' منصور نے کہا۔

''یہ زہر تم کب سے اپنے سینے میں پال رہے ہو جو آج اچانک باہر نکل آیا ہے؟''

زاہدہ بیگم اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اس پر آج یہ بات منکشف ہورہی تھی کہ منصور اپنے دل میں اظہر حسین کے متعلق کس طرح کی سوچ رکھتا ہے۔

منصور نے بلا تامل جواب دیا۔ ''یہ زہر میرے دل میں اسی دن سے ہے جس دن میرے ڈیڈ کو قتل کیا گیا تھا، مجھے ان ہی چہروں میں اپنے باپ کا قاتل دکھائی دیتا ہے۔''

''تم کتنا غلط سوچتے ہو۔'' زاہدہ بیگم بولی۔ ''تم کو اچھے بُرے کی پہچان نہیں ہے۔''

''اور آپ نے جو سوچا ہے؟ وہ ٹھیک ہے، آپ نے اچھا اور بُرا دیکھ کر فیصلہ کیا ہے۔'' منصور نے کہا۔

''کیا وہ غلط ہے؟'' زاہدہ بیگم نے ایک دم سوال کیا۔

''میں کچھ دیر کے لئے اس گھر سے باہر جانا چاہتا ہوں اور پلیز مجھے اس بات پر بھی مجبور مت کیجئے گا کہ میں اظہر حسین کی عزت کروں۔'' منصور نے کہا۔

''منصور! تم ابھی کہیں نہیں جاؤ گے، بیٹھ جاؤ اور میری بات غور سے سنو۔'' جب زاہدہ بیگم نے دیکھا کہ منصور غصے سے اُکھڑ رہا ہے اور اس کا غصہ بڑھ رہا ہے تو اس نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے ایک دم اپنے لہجے میں تغیر پیدا کیا اور نرمی سے بولی۔

''میں آپ کی بات سن چکا ہوں۔'' منصور نے کہا۔

''میں نے کہا بیٹھ جاؤ۔'' زاہدہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ منصور بیٹھنے کی بجائے کھڑا رہا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' زاہدہ بیگم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ منصور بیٹھنے کی بجائے کھڑا رہا۔

زاہدہ بیگم بولی۔ ''دیکھو منصور! تم نہیں جانتے کہ بزنس کو میرے لئے سنبھالنا کس قدر مشکل ہورہا ہے، بزنس کرنا میرا کام نہیں ہے۔ اس لئے مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا۔''

''میں آپ کے اس فیصلے میں شریک ہونا نہیں چاہتا۔ پلیز مجھے کچھ دیر کے لئے باہر جانے دیں، میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔'' منصور نے منہ دوسری طرف کر لیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ٹھیک ہے تم گھوم آؤ۔'' زاہدہ بیگم نے کچھ سوچ کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

جب منصور کمرے سے باہر آیا تو اس نے اتنے غصے سے دروازہ بند کیا کہ زاہدہ بیگم تو دور ہی گھر میں ایسی آواز پیدا ہوئی جیسے کوئی بم پھٹ گیا ہو۔

زاہدہ بیگم اس کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ سوچتی ہوئی سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ ایک ایک قدم وہ آہستگی سے رکھ رہی تھی۔ اس کے اندر ڈر پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں اظہر حسین اور منصور میں کوئی تصادم نہ ہو جائے۔ اسے آج پتہ چلا تھا کہ منصور اپنے باپ کے قتل کے بارے میں کیا سوچ رہا ہے۔ اس کے دل میں کمپنی کے منیجر اور اظہر حسین کے لئے کیا جذبات ہیں۔ اسی اثناء میں اس کا موبائل فون بول پڑا۔ اس نے کان سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''ہیلو.....!''

''اظہر حسین بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہاں ...! آپ کا نمبر پہچان گئی تھی۔'' زاہدہ بیگم اسی جگہ سیڑھیوں میں بیٹھ گئی۔ اس کی آواز میں ڈھیلا پن تھا۔

''بات ہوئی منصور سے .....؟'' اظہر حسین نے پوچھا۔

''ابھی ابھی بات کی ہے۔'' زاہدہ بیگم کا لہجہ تھکا سا تھا۔

اظہر حسین نے سوال کیا۔ ''پھر کیا کہا اس نے.....؟''

''وہ ابھی ذہنی طور پر تیار نہیں ہے لیکن رفتہ رفتہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، ایسا ہوتا ہی ہے۔'' زاہدہ بیگم نے گول مول سا جواب دیا۔

''کوئی بات نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میری فیملی کو میرے اس فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' اظہر حسین نے کہا۔

''یہ آپ نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا۔'' زاہدہ بیگم اپنے ماتھے پر آئے ہوئے بال پیچھے کی طرف کرتی ہوئی بولی۔

''کل آپ بتا رہی تھیں کہ منصور کچھ پیسے مانگ رہا تھا اور آپ نے انکار کر دیا تھا۔'' اظہر حسین نے کہا۔

"ہاں......! اپنے کسی دوست کے لئے مانگ رہا تھا، رقم برباد کرنے کے لئے!"

زاہدہ بیگم لاپروائی سے بولی۔ "جانے کون دوست ہے اس کا!"

"کل مجھے یہ بات کرنے کا موقع نہیں ملا، آپ اسے رقم دے دیتیں۔" اظہر حسین نے کہا۔ "آپ انکار نہ کرتیں۔"

"وہ پچیس لاکھ روپے مانگ رہا تھا۔" زاہدہ بیگم بولی۔ "کوئی چھوٹی موٹی رقم نہیں مانگ رہا تھا، میں انکار نہ کرتی۔"

"تو کیا ہے...... پچیس لاکھ روپے کی رقم ہم لوگوں کے لئے کیا معنی رکھتی ہے، وہ کھا جاتا، برباد کردیتا، اس کا دوست لے جاتا، آپ انکار نہ کرتیں، اس کا فائدہ آپ کو آج ہوتا، وہ ذہنی طور پر تیار ہو جاتا، وہ آپ کی بات مان جاتا، وہ یقیناً آپ سے اس بات پر ناراض ہوگا۔ اس لئے اس نے آپ کی بات کو ذہنی طور پر قبول نہیں کیا۔" اظہر حسین کی آواز آئی۔

"اس وقت میں نے ایسا سوچا نہیں تھا اور نہ ہی میرے ذہن میں ایسی کوئی بات تھی، اب رقم دے دوں اسے؟" زاہدہ بیگم کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔

"اب آپ فی الحال کچھ نہ کریں۔ کل گیارہ بجے آپ آجائیں، ہمارا نکاح ہے۔ اس کے بعد ہم منصور سے بات کریں گے۔" اظہر حسین بولا۔

"اوکے......!" زاہدہ بیگم نے کہا۔

"کل گیارہ بجے، لیٹ نہ ہونا۔" اظہر حسین نے تاکید کی۔ "اس وقت منصور کیا گھر میں ہے......؟"

"وہ ابھی باہر گیا ہے۔" زاہدہ بیگم نے جواب دیا۔

"وہ واپس آئے تو اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں، کل آپ وقت پر پہنچ جائیں۔" اظہر حسین نے کہا۔

"میں اس سے کوئی بات نہیں کروں گی اور وقت پر پہنچ جاؤں گی۔" زاہدہ بیگم سامنے دیکھتے ہوئے بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اور فی الحال آپ منصور سے نکاح کے بارے میں بھی بات نہیں کریں گی جو بات بھی ہوگی۔ کل ہی ہوگی۔ ٹھیک ہے۔" اظہر حسین شاطر آدمی تھا۔ اس نے دو قدم آگے سوچتے ہوئے زاہدہ بیگم کو مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے...... اوکے!" زاہدہ بیگم بولی۔

فون بند ہوگیا۔

زاہدہ بیگم اسی جگہ بیٹھ کر سوچتی رہی۔ اس کی نگاہیں سامنے دیوار پر لگی ہوئی منصور کے باپ کی بڑی تصویر پر تھیں۔

☆......☆......☆

منصور قریبی پارک کے جنگلے کے ساتھ لگ کر اداس کھڑا سوچ رہا تھا۔ اس کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ اس کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا باپ اُسے آج چھوڑ کر گیا ہے۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اپنی ماں کا فیصلہ اسے بالکل پسند نہیں آیا تھا۔ وہ مجبور تھا، اپنی ماں کو کیسے روکتا، کیسے سمجھاتا۔ یہ اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

☆......☆......☆

عارف اپنی زندگی کے نئے باب میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ مہنگی گاڑی میں اپنے ہی دھیان میں بیٹھا اداس کھڑے منصور کے پاس سے گزر گیا تھا۔

☆......☆......☆

اویس حبیب نے ایک عمارت کے سامنے کار کھڑی کی اور ڈیش بورڈ سے چابیوں کا ایک گچھا نکال کر بولا۔ "آؤ میرے ساتھ!"

دونوں کار سے نکل کر لفٹ کی طرف گئے۔ اس میں سوار ہو کر وہ چوتھی منزل پر

پہنچے، وہاں ایک فلیٹ کے دروازے کو چابی لگا کر اس نے دروازہ کھولا اور دونوں اندر چلے گئے۔

وہ فلیٹ فرنیچر اور ضرورت کی ہر چیز سے آراستہ تھا۔ صاف ستھرا ایسا تھا جیسے ابھی ابھی کوئی اس کی صفائی کر کے باہر نکلا ہو۔ عارف نے پورے فلیٹ کا جائزہ لیا۔ اس جگہ اس کو سکون محسوس ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سی مسرت اس کے دل کے تاروں کو ہلا رہی تھی۔

''کچھ کھاؤ، پیو گے؟ ٹھنڈا گرم یا کوئی اور چیز...؟'' اویس حبیب نے پوچھا۔

''نہیں، ضرورت نہیں ہے۔'' عارف نے نفی میں سر ہلایا۔

''بیٹھ جاؤ اور مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔'' اویس حبیب صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے عارف بھی براجمان ہو گیا۔

''کیا جاننا چاہتے ہیں آپ میرے بارے میں؟'' عارف نے پوچھا۔

''تم کون ہو اور میرے ساتھ کام کرنے کے لئے کیوں رضامند ہو گئے......؟''

اویس حبیب نے سوال کیا۔

''اپنے ساتھ کام کرنے کے لئے آپ نے مجھے پیشکش کی تھی۔'' عارف بولا۔

''تم نے انکار کے بعد اقرار کیا ہے۔ ویسے اس کا مجھے اندازہ تھا کہ تم لوٹ کر میرے پاس آؤ گے۔ کچھ اپنے بارے میں بتانا چاہو گے؟'' اویس حبیب نے کہا۔

''ایک مڈل کلاس فیملی سے تعلق ہے۔ ایک بڑے آدمی سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا ہے اور ایک بزنس مین کی حیثیت سے اس کے سامنے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔'' عارف بڑا نپا تلا بولا۔ ''انکار کر کے چلا گیا تھا۔ جب پھر اسی نے مجھے بے عزت کیا تو لوٹ کر آپ کے پاس آ گیا کہ کچھ بھی ہو، اب پیسہ کمانے کا موقع کھونا نہیں ہے۔''

''وہ بزنس مین کون ہے جس سے تم انتقام لینا چاہتے ہو؟'' اویس حبیب نے پوچھا۔

''یہ میں نہیں بتاؤں گا۔'' عارف نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''جانتے ہو میں نے تمہیں اپنے ساتھ ملانے کے لئے فوری فیصلہ کیوں کیا؟''

اویس حبیب بولا۔

''شاید آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کو میرا پُر اعتماد لہجہ اچھا لگا۔'' عارف نے کہا۔

''ہاں......! اور مجھے لگا کہ تم اس لائن کے نہیں ہو، تمہاری کوئی مجبوری میری گھڑی اتارنے کا باعث بنی تھی۔ مجبوریاں خریدنا مجھے اچھا لگتا ہے۔'' اویس حبیب مسکرایا۔

''یہ یاد رکھیے گا کہ میں آپ کو اپنی کوئی مجبوری بیچ نہیں رہا بلکہ اپنے لئے آگے بڑھنے کا راستہ تراش رہا ہوں، مجھے کسی بھی طرح کھڑا ہونا ہے، یہ سوچ کر میں آپ کے پاس واپس آیا تھا۔'' عارف نے پُر اعتماد لہجے سے کہا۔

''یہی بات ہے جو تمہیں دوسروں سے منفرد کرتی ہے مسٹر عارف! کچھ بھی کرنا لیکن مجھے فریب مت دینا، میں فریب دینے والے کو معاف نہیں کرتا۔ تم اگر مجھے فریب دے کر چلے جاؤ گے تو میں تمہیں برباد کرنے کے لئے کوئی اور شاطر ڈھونڈ لاؤں گا۔'' اویس حبیب کے لہجے میں درشتی تھی۔ ''تمہاری بربادی تک معاف نہیں کروں گا۔''

''دوستی کا ہاتھ بڑھا رہا ہوں، کسی فریب کا سوچ کر آپ کے پاس نہیں آیا تھا۔'' عارف نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''مجھے تمہارے لہجے کی سچائی بتا رہی ہے کہ تم فریبی نہیں ہو۔'' اویس حبیب کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

''آپ کے پاس کیا منصوبہ ہے؟'' عارف مطلب کی بات کی طرف بڑھا۔

''تم نے چند جملوں میں اپنے بارے میں بتایا ہے، مجھے تمہاری فیملی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ میں یہ چاہوں گا کہ تم میری فیملی کے بارے میں کوئی سوال کرو، ہم دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہیں، ہمارا تعلق صرف آپس میں ہے، یہی میرا اصول ہے۔''

''مجھے ایسے سوال کرنے کی ضرورت نہیں ہے جس کا مجھ سے کوئی سروکار نہ ہو۔'' عارف بولا ''مجھے آم کھانے سے غرض ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اب میں تمہیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں، میں کبھی نشہ نہیں کرتا۔ ٹیلی ویژن کی ایک بہت بڑی بہت خوبصورت آرٹسٹ کا میں دیوانہ ہو گیا تھا۔ میں اس کے لئے اتنا سنجیدہ ہو گیا تھا کہ اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ میں نے اس حسینہ کو نئی گاڑی لے کر دی۔ اس پر زیورات کی بارش کی اور پوش علاقے میں ایک قیمتی پلاٹ لے کر دیا، کروڑوں روپے میں نے اس پر لٹا دیئے جو اَب بھی اس کے پاس کسی نہ کسی صورت میں محفوظ ہے، میں نے اُسے یقین دلایا کہ میں تمہارا ہوں، تم میری ہو، اس نے مجھے اس بھروسے میں رکھا کہ وہ میرے سوا کسی سے پیار نہیں کرتی، وہ میری ہو کر رہنا چاہتی ہے۔ ایک میں ہی ایسا مرد ہوں جسے وہ چاہتی ہے، جسے وہ پیار کرتی ہے، جس کے لئے وہ جان بھی دے سکتی ہے اور کسی کی جان لے بھی سکتی ہے۔'' اویس حبیب بولتے ہوئے چپ ہوا پھر اس نے جیب سے سگریٹ نکال کر سلگا لیا۔ دو تین کش لینے کے بعد اس نے سلسلہ کلام پھر جوڑا۔

''مجھے اس پر پورا یقین تھا لیکن اس رات اچانک میں اس کے سیٹ پر پہنچا تو وہ میک اپ روم میں تھی، ابھی میں اندر جانے ہی والا تھا کہ مجھے اس کی آواز سنائی دی، وہ اپنی ماں سے کہہ رہی تھی کہ وہ مجھ سے بنگلہ اپنے نام کروانا چاہتی ہے جس بنگلے میں، میں اسے ایک دن لے کر گیا تھا، میرا وہ بنگلہ اس کی کمزوری بن گیا تھا، میرا بنگلہ اور جو زیورات اینٹھنے کے بعد وہ مجھے ٹھوکر مارنے کا منصوبہ بنا رہی تھی اور اگر شکور جولرز کا تھا، وہ ایک بڑے صنعتکار کا بیٹا تھا۔ میں یہ سنتے ہی تیخ پا ہو گیا اور چاہتا تھا کہ ابھی اس کا گلا دبا کر اس کا کام تمام کر دوں، میں اس کے ساتھ سچی محبت کر رہا ہوں اور وہ مجھے دھوکہ دے رہی ہے لیکن میں نے پھر سوچا کہ اس طرح تو میں پھانسی کے پھندے پر لٹکوں گا ہی، جو کچھ میں نے اسے دیا ہے، وہ بھی مجھے نہیں ملے گا، میں اس جگہ سے باہر نکلا، ایک میز پر گولڈ رنگ کی بوتل پڑی ہوئی تھی، میرا حلق خشک ہو رہا تھا، میں اس بوتل کو پی گیا، مجھے نہیں معلوم تھا کہ کسی نے اس گولڈ رنگ کی بوتل میں شراب ڈال ہوئی ہے اور وہ پیتا پیتا کہیں اٹھ کر چلا گیا تھا یا پھر گیا تھا۔ اسی طرح میں اپنی گاڑی میں سوار ہوا اور پھر نشے میں وہ گاڑی چلا رہا تھا

اور اس طرح تم سے ملاقات کا بہانہ بن گیا۔''

''اسی لئے آپ نشے میں کہہ رہے تھے کہ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے، اچھا نہیں کیا!؟'' عارف اس کے چپ ہوتے ہی بولا۔

''جو میرے دماغ میں تھا، وہ میں نے کہا ہوگا۔'' وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گیا۔ خاموشی ابھی پیر جمانے کا سوچ رہی تھی کہ اویس حبیب پھر بولا۔

''سب سے پہلے میں اس سے اپنی دی ہوئی ہر چیز جو اس کے پاس زیورات اور پلاٹ کی صورت میں موجود ہیں جن کی مالیت سوا تین کروڑ روپے سے کم نہیں ہے، واپس چاہئیں۔''

عارف اس کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے یہ سب کچھ کیوں بتا رہا ہے۔ وہ تو کسی منصوبے کی بات کر رہا تھا۔ اس نے تو کہا تھا کہ اس کے پاس ایک منصوبہ ہے جس سے وہ نفع کما سکتا ہے اور اویس حبیب اس کو اپنے لٹنے کی داستان سنا رہا تھا۔

''آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں......؟'' جب اویس حبیب نہیں بولا تو اس نے سوال کیا۔

''وہ پلاٹ اور زیورات تم مجھے اس سے دلاؤ گے، میں یہ چاہتا ہوں۔'' اویس حبیب نے کہا۔

''میں دلاؤں گا ..... کیسے؟'' عارف چونکا۔

''جس طرح بھی، تم اپنا دماغ استعمال کرو گے، میں صرف تمہیں راستہ دکھاؤں گا، آج رات دس بجے شہر کے فائیو اسٹار ہوٹل میں اس کی سالگرہ کی پارٹی ہے، تم میرے ساتھ جاؤ گے۔ میں تمہارا اس سے اپنے بزنس پارٹنر کی حیثیت سے تعارف کراؤں گا اور اس کے بعد تمہارا کام شروع ہوگا، تم کیا کھیل کھیلتے ہو، کون سی چال چلتے ہو، کیا دماغ لڑاتے ہو، فریب کا کون سا راستہ اس کو دکھا کر اپنے چنگل میں پھنساتے ہو کہ وہ خود سے یہ سوا میرا پلاٹ، زیورات تمہاری جھولی میں ڈال دے اور تم وہ مجھے واپس کر دو، تمہیں یہ سب کرنا

ہے۔" اویس حبیب کا لہجہ پراسرار ہو گیا تھا۔

عارف اس کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جو سوچا تھا، اس کے برعکس سن رہا تھا۔ "اس سے مجھے کیا فائدہ ہوگا؟"

"تمہیں اپنی زندگی بنانے کے لئے کتنا سرمایہ چاہئے جس سے تم آغاز کر سکتے ہو؟" اویس حبیب نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دیا۔

عارف سوچنے لگا۔ "پچیس تیس لاکھ بھی مل جائیں تو بہت ہیں، اس طرح مجھے کہیں اپنا پیر جمانے کی جگہ مل جائے گی۔" عارف تذبذب میں تھا۔

اویس حبیب مسکرایا۔ "اگر تم میرا کام کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں تمہیں پچاس لاکھ روپے دوں گا۔"

"پچاس لاکھ روپے......؟" عارف نے متعجب لہجے میں دہرایا۔

"کیش پچاس لاکھ...... تم اپنی زندگی کہیں سے بھی شروع کر لینا، ہمارا تعلق بس اتنا ہی ہوگا، میرا کام ہو گیا تو ہم دونوں کے راستے الگ الگ ہو جائیں گے۔"

اویس حبیب نے ایک نیا سگریٹ نکال لیا۔

"ایک بات پوچھوں؟" عارف بولا۔

"جتنی باتیں چاہو پوچھو۔" اویس حبیب نے سگریٹ دانتوں میں دبایا اور اسے آگ لگا کر کش لینے لگا۔

"سوا تین کروڑ روپے مالیت کے زیورات اور پلاٹ ہیں، اس میں سے کتنے واپس ملتے ہیں، مجھے نہیں معلوم...... فرض کریں میں اس میں سے صرف پلاٹ ہی نکلوا سکا تو پھر آپ مجھے کیا دیں گے؟" عارف نے اس کی طرف دیکھا۔

"تم سب کچھ نکلوا لو گے، تم جیسا تیز لڑکا میں نے ایک عرصے کے بعد دیکھا ہے، تمہارے اندر کا اعتماد غضب کا ہے، تم یہ کر سکتے ہو۔" اس کے لہجے میں پہاڑ جیسا اعتماد جھلک رہا تھا۔

"فرض کیجئے میں کچھ نہیں کر سکا تو......؟" عارف نے استفسار کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پوش علاقے کا کمرشل پلاٹ بھی اگر تم مجھے واپس دلا دو تو میں تمہیں پچاس لاکھ روپے دوں گا، پچاس لاکھ روپے کیش!" اس نے آخری جملہ سرگوشی میں دہرایا۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ کمرشل پلاٹ کروڑ روپے سے بھی کہیں زیادہ مالیت کا ہے؟" عارف جلدی سے بولا۔

"تم ہوشیار ہو، بات پکڑ لیتے ہو۔ لیکن تمہاری کوشش اس پلاٹ تک محدود نہیں رہنی چاہئے، یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ جب وہ پلاٹ میں نے خریدا تھا تو اس کی قیمت زمین پر تھی اور آج وہ پلاٹ آسمان کی بلندی پر ایک ستارے کی طرح چمک رہا ہے، کمرشل علاقے کا وہ دل ہے۔" اویس حبیب نے کہہ کر سگریٹ پھر مسل دیا۔

"مجھے ایڈوانس کیا ملے گا......؟" عارف نے پوچھا۔

"کچھ کیش، ایک کریڈٹ کارڈ، رہنے کے لیے یہ فلیٹ، ایک کار مگر ڈرائیور کے ساتھ...... بہترین کپڑے جس سے تمہاری شخصیت ہی بدل جائے گی۔" اویس حبیب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

"کام مشکل ہے، ان لوگوں سے ایک روپیہ بھی واپس لینا مشکل ہوتا ہے اور آپ کروڑوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، میں یہ کام نہیں کر سکتا...... یہ ناممکن کام ہے۔"

عارف نے نفی میں گردن ہلا دی۔ "زیورات اور پلاٹ لینا ناممکن ہے۔"

"کیا زندگی اسی طرح جینے کا ارادہ ہے، کسی کی کلائی سے گھڑی اتاری اور پھر اسے بیچنے کے لیے اُسی کے پاس ہی چلے گئے؟" اویس حبیب نے جیسے اس کا تمسخر اڑایا۔

"زندگی ہمت ہارنے کا نام نہیں ہے، ناممکن کے آگے سر جھکا دینا زندگی نہیں ہے...... ناممکن کو ممکن بنا کر اس کا سر اپنے پیروں میں جھک جانے پر مجبور کر دینا زندگی ہے۔"

"آپ کے حوصلے اتنے بلند ہیں تو یہ کام آپ خود کیوں نہیں کر لیتے؟" عارف نے کہا۔

"جو دماغ خریدنے کی طاقت رکھتا ہو اسے اپنا دماغ خرچ کرنے کی کیا ضرورت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے؟ خرچ کرنے کے لئے میرے پاس پیسہ ہے۔ میں تمہارا دماغ، تمہارا اعتماد خرید ہوں اور پھر میں یہ کام اس لئے نہیں کر سکتا کیونکہ میں اب بھی اس کا عاشق بن کر اس ساتھ رہنا چاہتا ہوں، اپنی دی ہوئی چیزیں کسی بہانے سے مانگوں گا تو وہ کیا یہ جان نہ جائے گی کہ یہ مجھ سے کسی فریب کا سوچ رہا ہے؟"

عارف سوچنے لگا۔ کام مشکل تھا۔ جانے کے لیے اسے دروازہ بھی دکھائی دے تھا پھر اسے اپنے تایا کا منہ پر پڑا تھپڑ یاد آ گیا تھا۔ انہوں نے جو باتیں کی تھیں، وہ نشتر کے سینے میں چبھنے لگے تھے۔ راشد کا طنز اس کا جگر چھلنی کرنے لگا تھا۔ ان باتوں نے اس کے اندر توانائی بھر دی ہو۔ فرہاد نے دودھ کی نہر نکال کر ناممکن کو ممکن کر دیا تھا۔ وہ ایسا کر دے گا۔

"ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے، میں یہ کام کروں گا۔" عارف نے مصمم ارادے سے کہا۔

اس کی بات سن کر اویس حبیب مسکرایا۔ "زبردست......! تم یہ کام ایک ماہ کے اندر کرو گے، اس سے زیادہ کا وقت میں نہیں دے سکتا، تمہارا دماغ ایسے چلنا چاہیے جیسے کوئی مشین چلتی ہے۔"

اویس حبیب نے کہہ کر دیوار کے ساتھ لگے ہوئے کیلنڈر پر آج کی تاریخ پر سے دائرہ بنا دیا اور پھر اکتیس دن کے بعد جو تاریخ آتی تھی، اس پر بھی دائرہ بنا دیا پھر اس نے عارف کی طرف دیکھا۔

"تمہارے پاس تیس دن ہیں، ان تیس دنوں میں تم پچاس لاکھ روپے مجھے دے سکتے ہو اور ناکامی کی صورت میں تم اس فلیٹ سے خالی ہاتھ کسی ہارے ہوئے جواری طرح چلے جاؤ گے، تمہارے بدن پر اس وقت جو کپڑے ہوں گے، وہ تمہارے ہوں لیکن ان کپڑوں کی جیبوں میں جو کچھ ہوگا، وہ تمہیں اس فلیٹ میں چھوڑ کر جانا ہوگا۔ کیلنڈر کو دیکھتے رہنا، وقت گزرنے کا احساس تمہیں جھنجھوڑتا رہے گا، بولو منظور ہے؟"

"مجھے منظور ہے۔" عارف نے متانت سے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں زندگی کا [illegible] سے پچھتا رہا ہوں اور [illegible] دوسرے کو [illegible] نے

[ہ]وں۔" اویس حبیب نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"میں بھی جو کہہ دیتا ہوں، وہ کر کے ہی دم لیتا ہوں۔" عارف بولا۔ "کام مشکل ضرور ناممکن ہے لیکن مجھے پیسہ کمانے کے لیے کچھ بھی کرنا ہے۔"

"دھوکا دو گے تو جان سے بھی جاؤ گے، بھاگو گے تو میں تمہیں ڈھونڈ لوں گا اور اپاہج بنا کر کسی چوراہے پر بٹھا دوں گا۔" اویس حبیب کا لہجہ سفاک ہو گیا۔ "اگر میں نے دوستی کے کچھ اصول بنائے ہیں تو دشمنی بھی میں اپنے اصولوں کے ساتھ نبھاتا ہوں۔"

"یہ بات آپ مجھ سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں، مجھے بھاگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، مجھے پیسہ چاہیے اور وہ میں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔" عارف نے کہا۔

"تمہارا کام آج سے شروع ہوتا ہے۔ میں نے آج کی تاریخ پر نشان لگایا ہے۔" اویس حبیب نے کیلنڈر کی طرف اشارہ کیا۔

"دن بہت کم ہیں لیکن میں ان تیس دنوں کو ایسے استعمال کروں گا کہ وقت کو بھی شکست دے دوں گا۔" عارف نے کہا۔

"جو کچھ بھی کرو گے، تم کرو گے، جو مدد چاہیے ہوگی، میں تمہیں دوں گا لیکن تم مجھے پہلے بتانا چاہو تو بتا دینا کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو تاکہ کنفیوژن نہ ہو۔"

"یہ میری مرضی ہوگی، بتانا ہوگا تو بتا دوں گا۔" عارف کا لہجہ خشک تھا۔

"اس پر میرا کوئی زور نہیں ہوگا۔ مجھے کام سے غرض ہے۔" وہ بولا۔

"اس اداکارہ کا کیا نام ہے....؟" عارف نے پوچھا۔

"اس کے لئے تمہیں میرے ساتھ اس کمرے میں آنا پڑے گا، اس کی تصاویر دکھاتا ہوں، اس کی کمزوریوں کے بارے میں بھی بتاتا ہوں۔"

اویس حبیب کہتے ہوئے سامنے کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ عارف اس کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ ایک بیڈ روم تھا۔ انتہائی خوبصورت اور سجا ہوا بیڈروم عارف دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

☆......☆......☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رات کے دس بجنے میں دو گھنٹے باقی تھے۔

اویس حبیب جا چکا تھا۔ عارف نے کچھ دیر کے لیے اپنے گھر جانے کی اجازت اس سے لے لی تھی۔ عارف لفٹ کے ذریعے نیچے اترا۔ وہ گیٹ کی طرف جا رہا تھا، وہاں دو چوکیدار مستعد بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس ہی ایک فقیر نما آدمی زمین پر بیٹھا روٹی کھا رہا تھا۔ اس کی بڑھی ہوئی داڑھی، سرخ آنکھیں، سر کے سفید اور سیاہ بال بے ترتیب تھے، اس نے پرانا اور میلا کچیلا لباس پہنا ہوا تھا۔

جب عارف اس کے پاس سے گزرا تو اس آدمی نے ایک نظر عارف کی طرف دیکھا اور اپنا ہاتھ ماتھے پر رکھ کر اسے مسکراتے ہوئے کسی فوجی کی طرح سیلوٹ کیا۔ جواب میں عارف نے بھی اسی طرح اسے سلام کیا اور وہاں سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

عارف جب گھر پہنچا تو اس وقت اس کے گھر والے سب ہی موجود تھے۔ اس کی ماں ثروت روٹیاں پکا رہی تھی۔ عارف کو دیکھتے ہی بولی۔ ''آج سارا دن کہاں رہے تم......؟''

''نوکری کی تلاش میں تھا۔'' عارف نے جواب دیا۔

''نوکری کی تلاش میں......؟'' ثروت سے قبل شکیل بول پڑا۔ اسے یہ سن کر حیرت ہوئی تھی۔ اس کے دوسرے بھائی بھی اس طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

''ہاں......! نوکری کی تلاش میں تھا۔'' ایک بار پھر عارف نے بتایا۔

''لیکن تم تو نوکری کرنا نہیں چاہتے تھے، تم کسی بزنس کے بارے میں سوچ رہے تھے۔'' شکیل نے پوچھا۔

''میرے ایک دوست کے والد کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بہت وسیع بزنس ہے، انہیں ایک قابل بھروسہ آدمی کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے ایسے ہی ذکر کیا تو وہ مجھے والد کے پاس لے گیا اور مجھے نوکری مل گئی۔'' عارف بڑی روانی سے بولا۔

''یہ تو ٹھیک ہے لیکن میرا سوال وہی ہے کہ تم نوکری کرنا نہیں چاہتے تھے۔'' شکیل مسکرا رہا تھا۔ اس کے دوسرے بھائی یاسر اور نواز بھی پاس آ گئے تھے۔

''شاہی نوکری ہے، بہترین کھانا، آنے جانے کے لئے کار، رہنے کے لئے فلیٹ، سب کچھ ملے گا۔ میں نے سوچا جب نوکری میں یہ سب مل رہا ہے تو کچھ دن اس کا مزہ لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔'' عارف مسکرایا۔

''اتنی مراعات مل رہی ہیں؟ نوکری کیا ہے؟'' شکیل کو سن کر خوشگوار حیرت ہو رہی تھی۔ ''وہ شخص تم پر اتنا مہربان ہو گیا؟''

''اس شہر میں موجود ان کی پارٹیوں کو میں ڈیل کروں گا۔ چار پارٹیاں ہیں جو ان کے ساتھ کاروبار کرتی ہیں، اب ان کے ساتھ ساری ڈیل میری ہوگی، ایک ماہ تک دیکھوں گا، مزہ آیا تو ٹھیک ہے ورنہ خدا حافظ کہہ دوں گا۔'' عارف نے بتایا۔

''تنخواہ کتنی ہے؟'' اس بار سوال یاسر کی طرف سے ہوا تھا۔

''وہ میرا کام دیکھ کر دیں گے لیکن مراعات آج سے ہی دے رہے ہیں، میں صرف بتانے کے لئے آیا تھا، میں ایک ماہ کے لئے جا رہا ہوں۔'' عارف نے کہا۔

''تم ایک ماہ کے لئے کہاں جا رہے ہو؟'' ثروت روٹیاں پکاتے ہوئے بولی۔ اس کے چہرے پر تشویش تھی۔

''اس گھر سے جا رہا ہوں، چوبیس گھنٹے ان کی فیکٹری چلتی ہے، رات کو دیر سویر ہو جائے گی، اس لئے مجھے ان کے دیئے ہوئے فلیٹ میں رہنا ہوگا۔'' عارف نے بتایا۔

''فلیٹ کہاں ہے؟'' شکیل نے پوچھا۔

''آپ سب کو لے جاؤں گا۔ فی الحال مجھے جلدی ہے، میں جا رہا ہوں۔'' عارف بولا۔ ''اپنا فلیٹ بھی دکھاؤں گا اور سب کو کار میں بھی گھماؤں گا۔''

''تم کہیں نہیں جاؤ گے، پتہ نہیں کون سی نوکری ڈھونڈ لی ہے تم نے کہ ایک ماہ ان کے ساتھ رہو گے۔'' ثروت نے فوراً منع کر دیا۔

''اماں جی! میں نوکری قبول کر چکا ہوں، انکار ممکن نہیں ہے، ایک ماہ تک آپ

انتظار کریں، اس کے بعد اگر مجھے کام میں مزہ آیا تو ٹھیک ہے ورنہ اسی گھر میں آ جاؤں گا۔'' عارف اپنی ماں کے پاس جا کر بولا۔

''مجھے تمہاری نوکری کی سمجھ نہیں آ رہی ہے، کوئی ہے ایسا جو نوکری کے ساتھ یہ سب چیزیں بھی دے دے جو تم بتا رہے ہو؟'' ثروت کا لہجہ مشکوک تھا۔

''مجھے یہ سب چیزیں کون دیتا؟ یہ تو میرے دوست کی مہربانی ہے جس نے میری خاطر اپنے باپ سے جھوٹا بولا کہ میں ایم بی اے ہوں، بہت قابل ہوں، کوئی اور ہوتا میری ڈگری چیک کرتا تو میرے دوست کے باپ نے اپنے بیٹے کی بات پر اعتبار کیا، مجھے نوکری دے دی، ایک ماہ ڈٹ کر کام کروں گا، دوست بتا رہا تھا کہ مجھے پچاس ہزار روپے تنخواہ ملے گی۔''

''وہ کیسا بیٹا ہے جو باپ کے آگے جھوٹ بول کر اپنا ہی نقصان کرنا چاہتا ہے؟'' ثروت نے کہا۔ ''بیٹا تو باپ سے مخلص نہیں ہے۔''

''وہ اپنے باپ کا نقصان کیسے کر رہا ہے؟ وہ میری مدد کر رہا ہے، اسے پتہ ہے میں وہ سب کچھ کر سکتا ہوں جو شاید ایک ایم بی اے بھی نہ کر سکے، اس نے باپ کے آگے جھوٹ بولا ہے تو تیرے بیٹے کے لیے تاکہ تیرا یہ بیٹا در در کی ٹھوکریں نہ کھائے، جیب میں پیسہ نہیں ہے اور بزنس کرنے کے لئے جو شخص نکلا ہے، اس کی جیب میں کچھ پیسہ آئے گا، کروڑ، ارب پتی لوگ ہیں، سمندر سے چند قطرے مجھے دے دے گا تو ان کو کیا فرق پڑے گا، بس جتنا میں نے کہنا تھا، کہہ دیا ہے۔ مجھے فیکٹری جانا ہے، میری فکر مت کرنا، رابطہ رہے گا لیکن میں پورا مہینہ ڈٹ کر کام کرنا چاہتا ہوں۔''

''شکیل! تجھے اس کی بات کی سمجھ آ رہی ہے؟'' ثروت نے شکیل کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''عارف جو بھی کہہ رہا ہے، ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں گا۔ اب یہ آپ سے جھوٹ تو نہیں بولے گا۔'' شکیل کی خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ''زندگی میں کوئی چانس مل جانا کونسی بات ہے، بس قدرت کا مہربان ہونا ہوتا ہے اور چانس مل جاتا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عارف نے اپنی ماں کو گلے سے لگایا اور متانت سے بولا۔ ''ماں جی......! میں سچ کہہ رہا ہوں کہ اس گھر سے پیسہ کمانے کے لیے جا رہا ہوں، مجھے واقعی کام مل گیا ہے، میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔''

''تو کوئی غلط کام تو نہیں کرنے جا رہا ہے؟'' ثروت نے اس کی طرف دیکھا۔

''بزنس میں سچ جھوٹ تو چلتا ہے۔'' عارف بولا۔ ''کل تک میرے پاس موبائل فون بھی آ جائے گا، میں آپ کو اپنا نمبر دوں گا۔''

عارف نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اور سوال اس سے پوچھا جائے۔ وہ جتنا جھوٹ اعتماد سے بول سکتا تھا، اس نے بول دیا تھا۔ ماں کی بھیگی ہوئی آنکھیں اس کی پاؤں کی زنجیر بن کر اس کو روکنے پر مجبور کرنے لگیں اور وہ اپنے آپ کو کمزور لمحوں کے حوالے کر دے، وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ساری دنیا کے آگے کسی چٹان کی طرح کھڑا رہ سکتا تھا، اپنی ماں کے سامنے جانے کیوں وہ اپنے آپ کو کبھی کبھار کمزور محسوس کرنے لگتا تھا۔

عارف اس گھر سے نکل کر باہر کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی گلی کے دائیں اور بائیں طرف دیکھا۔ رات کے اندھیرے میں گلی میں کوئی نہیں تھا۔ عارف وہاں سے چل پڑا۔ جیسے جیسے وہ اپنے گھر سے دور ہوتا جا رہا تھا، ویسے ویسے اس کے دماغ پر ایک ہی سوچ چھاتی جا رہی تھی کہ اسے اس اداکارہ کے ساتھ کیسے مراسم بڑھانے ہیں، فریب کی کون سی چال چلنی ہے کہ وہ تیس دنوں میں پچاس لاکھ روپے کما کر اپنے خواب کی تعبیر کی طرف پہلا قدم اٹھا سکے۔

☆......☆......☆

عارف جب فلیٹ میں پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بیڈروم میں بیڈ پر ایک بہترین سوٹ پڑا ہے۔ غیر ملکی فرم کا تیار کیا ہوا کوٹ، پینٹ اور شرٹ تھی جو اس نے ناپ دیا تھا، اسی سائز کا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک مہنگا موبائل فون پڑا تھا، ایک پرس تھا اور پرس کے اوپر ویسی ہی گھڑی تھی۔ جیسی اس نے اولیس حبیب کے ہاتھ سے اتاری تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عارف نے پہلے کوٹ پر اپنا اُلٹا ہاتھ پھیرا پھر اس نے موبائل فون اٹھایا جو بند تھا اس کے بعد اس نے گھڑی کو دیکھا اور ایک طرف رکھ دی، پھر اس نے پرس اٹھایا، اسے کھولا تو اندر چند ہزار روپے اور ایک کریڈٹ کارڈ تھا۔

موبائل فون اٹھا کر اس نے اس کو آن کیا۔ وہ بہت خوبصورت موبائل فون تھا۔ اس مہنگا موبائل فون اس نے امیرزادوں کے ہاتھوں میں دیکھا تھا۔ اچانک خاموشی میں آواز گونجی۔ اس کا موبائل فون بول رہا تھا۔ عارف نے موبائل فون آن کیا اور کان سے لگالیا

''تمہیں تمہاری چیزیں مل گئیں؟'' دوسری طرف اویس حبیب کی آواز تھی۔

''ہاں دیکھ رہا ہوں۔'' عارف نے جواب دیا۔

''اس فلیٹ کی ایک چابی میرے پاس ہے، میرا آدمی یہ سامان یہاں چھوڑ گیا تھا الماری کھولو گے تو اور بھی کپڑے وہاں ہینگ کئے ہوئے ملیں گے، تم تیار ہو جاؤ، ٹھیک پونے دس بجے میں آ رہا ہوں، دیر نہیں ہونی چاہئے۔'' اویس حبیب نے کہا۔

''میں آپ کو وقت پر تیار ملوں گا۔'' عارف بولا۔

''ڈریسنگ ٹیبل پر کچھ اچھے پرفیومز بھی موجود ہیں، انہیں لگاؤ گے تو تم سے جو ملے گا، اسے ایک خوشگوار احساس ہوگا۔'' اویس حبیب کی آواز آئی۔

''میں وہ بھی دیکھ لوں گا۔'' عارف کی نگاہ ڈریسنگ ٹیبل کی طرف چلی گئی جہاں بہت سے پرفیومز قرینے سے رکھے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

''تمہارا وہی اعتماد مجھے چاہئے جو پہلی ملاقات میں مجھے تم میں دکھائی دیا تھا۔ جھوٹ بھی ایسے بولو کہ سچ کا گمان ہو۔'' اویس حبیب نے کہا۔

''آپ بے فکر رہیں۔'' عارف بولا۔ ''مجھے ایک خوبصورت ہیروں کا بنا ہوا نیکلس چاہیے۔''

''ٹھیک ہے مل جائے گا۔'' اویس حبیب نے فوری کہا۔

''وہ نیکلس اصلی ہیروں کا اور بہت خوبصورت ہو، یہ آپ کو وقت کے ساتھ واپس جائے گا۔'' عارف بولا۔

''اصلی نیکلس ہوگا، پونے دس بجے ملاقات ہوتی ہے۔'' اویس حبیب نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ عارف نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے موبائل فون کو دیکھا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔ یہی سب کچھ وہ چاہتا تھا۔ کچھ تو اس کی خواہش تھی اور باقی رہی سہی کسر اس کے تایا نے پوری کر دی تھی۔

عارف باتھ روم میں چلا گیا۔ جب وہ باہر نکلا تو اس نے شیو کر لی تھی، نہا بھی لیا تھا۔ وقت دیکھا تو ساڑھے نو بج رہے تھے۔ عارف نے کپڑے تبدیل کئے، اپنی کلائی پر چمکتی ہوئی گھڑی باندھی، کوٹ کی اندرونی جیب میں پرس رکھا اور جوتے پہننے کے لئے اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ اسے جوتے کہیں دکھائی نہیں دیئے۔ اس نے الماری کھولی تو اس کی آنکھیں دنگ رہ گئیں۔ ایک درجن کوٹ، پینٹ اور شرٹ قرینے سے ہینگ کی ہوئی تھیں۔ نیچے چار قسم کے خوبصورت چمکتے ہوئے بوٹ ایک قطار میں رکھے تھے۔ ایک طرف بالکل نئی جرابیں دکھائی دیں۔

عارف نے جوتوں کا ایک جوڑا اٹھایا اور ساتھ جراب کا بند پیکٹ لے لیا۔ کچھ دیر کے بعد جب وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنا جائزہ لے رہا تھا تو وہ خود بھی اپنے آپ کو پہچان نہیں سکا تھا۔ لباس نے اس کی شخصیت ہی بدل دی تھی۔ وہ بہت پرکشش اور جاذب نظر شخصیت کا مالک دکھائی دینے لگا تھا۔ اس نے اپنے لباس پر پرفیوم چھڑکا اور وقت دیکھ کر فلیٹ سے باہر نکل گیا۔ جاتے ہوئے اس نے فلیٹ مقفل کر دیا تھا۔

جب وہ نیچے آیا تو وہ بھکاری اپنے اسی لباس میں ایک طرف کھڑی کار کو کپڑے سے صاف کر رہا تھا۔ عارف نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور ابھی اس نے ایک قدم دوسری طرف جانے کے لیے اٹھایا ہی تھا کہ اسی کار سے ایک سفاری سوٹ زیب تن کئے، پچاس سال کے لگ بھگ کی عمر کا شخص باہر نکلا اور اس نے عارف کو مخاطب کیا۔

''عارف حمید صاحب!''

اپنا نام سنتے ہی اس کے قدم اسی جگہ رک گئے۔ اس نے متحیر نگاہوں سے اس شخص کی طرف دیکھا۔ وہ آدمی اس کے پاس آ کر مسکرا کر بولا۔ ''میرا نام ساجد اسلم ہے، میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اویس حبیب کا ملازم ہوں، انہوں نے مجھے آپ کو لینے کے لیے بھیجا ہے۔" اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ وہ شکل وصورت اور لہجے سے ہوشیار آدمی لگتا تھا۔

"وہ خود کہاں ہیں؟" عارف نے پوچھا۔

"وہ ہوٹل پہنچ جائیں گے، آپ میرے ساتھ چلیں، باقی باتیں گاڑی میں کرتے ہیں۔" اس کا لہجہ پر اخلاق تھا۔ وہ کوئی سیلز مین لگتا تھا۔

"وہ تو کہہ رہے تھے کہ میں خود آؤں گا؟" عارف نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے آپ کو بھیج دیا۔"

"آپ گاڑی میں بیٹھیں، ہم باقی باتیں گاڑی میں کریں گے۔" اس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ اس کے چہرے پر ہلکی مسکراہٹ تھی۔

عارف اس کے ساتھ گاڑی میں اُس کی برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ ساجد نے سنبھال لی تھی۔ کار اسٹارٹ کرنے سے قبل اس نے ایک چھوٹا ڈبہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ عارف نے وہ ڈبہ کھولا تو اس کی آنکھیں چمک گئیں۔ اس میں بہت ہی خوبصورت اصلی ہیروں کا نیکلس چمک بکھیر رہا تھا۔ عارف نے وہ اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ کار اس عمارت سے باہر نکل گئی۔

"آپ کیا کرتے ہیں اویس حبیب کے پاس؟" عارف نے پوچھا۔

"میں ان کے خاص مہمانوں کی دیکھ بھال اور آؤ بھگت کرتا ہوں، یہی میری ڈیوٹی ہے۔" ساجد نے خوش اخلاقی سے بتایا۔

"مجھے آپ کے بارے میں انہوں نے بتایا نہیں تھا۔"

"مجھے بھی اچانک انہوں نے حکم دیا اور میں آپ کے پاس آ گیا، وہ کہہ رہے تھے کہ اگر آپ کو کوئی شک یا ابہام ہو تو میں ان سے آپ کی بات کرا دوں۔" ساجد نے کہا۔

"مجھے وہ ہوٹل میں ملیں گے؟" عارف نے سوال کیا۔

"وہ ہوٹل میں ہی ہوں گے، آپ مس نوشین سے ملنا چاہتے ہیں؟" ساجد نے کار کی رفتار آہستہ کر دی تھی۔

"نوشین......؟" عارف ایک دم چونکا۔

"میں اداکارہ نوشین کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے وضاحت کی۔ "ٹیلیویژن اسکرین کی سپر اسٹار مس نوشین!"

"ہاں......! ان سے ملنا چاہتا ہوں۔" عارف نے اثبات میں سر ہلایا۔

"مجھے اویس حبیب صاحب نے بتایا تھا کہ آپ ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ دراصل میری ان کے ساتھ بہت اچھی ہیلو ہائے ہے۔ انہوں نے یہ کام میرے سپرد کر دیا تھا، آپ دبئی میں ہوتے ہیں؟" ساجد نے سوال کیا۔

عارف کا دماغ بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس سوال پر وہ چونکا لیکن اس نے اپنے اندر کی کیفیت اپنے چہرے سے عیاں نہیں ہونے دی تھی۔ اس سوال کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ کیا اویس حبیب نے اس کی اصلیت اس سے مخفی رکھی ہے اور اس کے بارے میں بتایا ہے کہ میں دبئی سے آیا ہوں۔ عارف سوچنے لگا۔

......

"ہاں میں دبئی سے آیا ہوں۔" عارف نے جواب دیا۔

کار ایک مصروف سڑک پر چل رہی تھی۔ ساجد نے پوچھا۔ "آپ نے کھانا تو ابھی نہیں کھایا ہوگا؟"

"ابھی نہیں کھایا!" عارف نے کہا۔

"بھوک لگ رہی ہوگی آپ کو، چلیں پہلے کھانا کھا لیتے ہیں۔" ساجد نے اپنی کار کا اسٹیئرنگ گھمایا اور ایک ہوٹل کے آگے کار روک دی۔

دونوں باہر نکلے اور ہوٹل کے ڈائننگ ہال کی طرف چلے۔ ایک میز پر بیٹھتے ہی ساجد نے مینو اٹھا کر عارف کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ جو بھی منگوانا چاہیں، منگوا لیں۔ میں بھی وہی کھاؤں گا۔"

عارف نے مینو کارڈ دیکھتے ہوئے ویٹر کو آرڈر دیا۔ اس کے جانے کے بعد اس نے پوچھا۔ "کتنے سال سے آپ اویس حبیب کے پاس کام کر رہے ہیں؟"

"مجھے نو سال ہو گئے ہیں ان کے پاس کام کرتے ہوئے۔" ساجد نے جواب دیا۔ "وہ میرے اچھے دوست بھی ہیں۔"

"مجھے لگتا ہے کہ آپ کی کافی واقفیت ہے ان اداکاروں کے ساتھ.....؟" عارف اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

 Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نے کبھی چھوٹا سا تعلق بھی ضائع نہیں کیا۔ سب کے ساتھ بنا کر رکھتا ہوں۔ میرا حلقہء احباب بہت وسیع ہے۔ میں ایک مشہور میگزین "روپ" کا ایڈیٹر ہوں۔" ساجد نے بتایا۔

"صحافت کے ساتھ ساتھ آپ اویس حبیب کے ساتھ بھی کام کرتے ہیں؟" عارف نے سوال کیا۔

"اویس حبیب کے ساتھ دوستی نبھاتا ہوں اور اس دوستی کو ملازمت ہی سمجھتا ہوں کیونکہ مجھے ان کا کوئی بھی کام کر کے خوشی محسوس ہوتی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"آپ ایک بات بتائیں گے؟" عارف نے ہونٹ سکیڑتے ہوئے کہا۔

"پوچھیں.....کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ؟" ساجد نے کہا۔

"بات آپ گھما کر کیوں کرتے ہیں، جو آپ نے اب بتایا ہے وہ آپ اپنے تعارف میں بھی کہہ سکتے تھے، آپ نے اویس حبیب کی ملازمت سے بات شروع کی اور اپنے صحافی ہونے پر ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، کوشش اس لئے کہا ہے کہ شاید آپ کا یہ تعارف بھی ادھورا ہو۔ آپ بڑے میگزین کے ایڈیٹر ہیں۔" عارف متانت سے بولا۔

ساجد اس کی بات سن کر ہنسا۔ اسی دوران ویٹر کھانے کا سامان لے آیا، اس نے ٹرے میز پر خالی کی اور چلا گیا۔

"مسٹر عارف.....! آپ کھانا کھائیں۔" ساجد یہ کہتے ہوئے برتن سیدھے کرنے لگا۔

دونوں نے خاموشی سے کھانا کھایا۔ اس کے بعد وہ پھر کار میں بیٹھے اور گیارہ بجے وہ ایک فائیو سٹار ہوٹل کے ہال میں داخل ہو رہے تھے۔

جونہی ساجد نے ہال کے اندر قدم رکھا تھا، اسے ایک جاننے والا مل گیا اور وہ عارف سے کچھ کہے بغیر اس طرف چلا گیا جبکہ عارف کچھ دیر اس جگہ کھڑا یہ دیکھتا رہا کہ شاید ساجد اسے بھی اپنے پاس بلا لے لیکن وہ اپنی باتوں میں اس قدر منہمک تھا کہ اس نے ایک نظر بھی عارف کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

عارف آگے چلا گیا۔ وہ دائیں دیکھ رہا تھا۔ مہمان ہال میں موجود تھے، وہاں بیٹھنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، سب مختلف ٹولیوں میں کھڑے ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ ان لوگوں میں کون کون شامل تھا، عارف کے لیے سوائے ان چہروں کے جو اس نے ٹیلیویژن اسکرین پر دیکھے تھے، باقی سب اجنبی تھے۔

ایک بات تھی کہ عارف کی شخصیت غضب ڈھا رہی تھی جو لڑکی بھی باتوں میں منہمک ہوتی، جونہی اس کی نگاہ عارف پر پڑتی، وہ کچھ دیر کے لیے اس کی طرف دیکھتی رہ جاتی تھی۔ کئی لڑکیوں کے ساتھ دوسرے لوگوں کی نگاہ بھی ایک بار عارف کی طرف اٹھی تھی۔

عارف متلاشی نگاہوں سے اویس حبیب کو دیکھ رہا تھا۔ وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ مہمانوں کی آمد کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا، پس پردہ ہلکا ہلکا میوزک چل رہا تھا، اس میوزک میں مہمانوں کی باتوں اور ہنسی کی کھنک جیسے الگ ہی راگ بکھیر رہی تھی۔

رفتہ رفتہ ہال میں مہمانوں کا رش بڑھ گیا تھا۔ ایک بڑا سا کیک بڑی سی میز پر رکھا تھا، وہ میز ایک طرف بنے ہوئے اسٹیج پر رکھی ہوئی تھی۔

عارف کو کہیں بھی اویس حبیب دکھائی نہیں دیا اور تو اور ساجد بھی جانے کس طرف نکل گیا تھا۔ اچانک ایک فیشن ایبل عورت ہاتھ میں جوس کا گلاس پکڑے اس کے پاس آ کر بولی۔ ''ایکسکیوزمی......!''

''یس......!'' عارف اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''میں نے اس سے پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا، کسی ڈرامہ سیریل کا نیا چہرہ ہیں آپ؟'' اس عورت کی تیز نگاہیں اس کے چہرے پر دوڑ رہی تھیں۔

''نہیں ......! میں کسی ڈرامہ سیریل کا نیا چہرہ نہیں ہوں۔'' عارف نے جواب دیا۔

''کسی ڈرامے کے لئے کوشش کر رہے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں......! بالکل نہیں۔'' اس بار بھی اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''میرا نام دردانہ ملک ہے، میرا اپنا ٹی وی پروڈکشن ہاؤس ہے، اس وقت بھی میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دو ڈرامہ سیریل دو چینلز پر چل رہے ہیں اور تین ڈرامہ سیریل تیاری کے مراحل میں ہیں۔ میری بہت بڑی پروڈکشن کمپنی ہے، آپ جیسے چہروں کی ہم تلاش میں رہتے ہیں، کام کریں گے آپ میرے ساتھ......؟'' اس نے کہتے ہوئے اپنے پرس سے اپنا کارڈ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔

عارف نے کارڈ لے کر دیکھا اور مسکرایا۔ ''شکریہ......! مجھے اداکاری کا شوق نہیں ہے۔''

''میں آپ کو اسٹار بنا دوں گی۔'' اس نے اپنا ایک ہاتھ پھیلا کر کہا۔

''جی شکریہ!'' عارف نے مسکرا کر انکار میں سر ہلا دیا۔

''ابھی پارٹی شروع ہونے والی ہے، موڈ بنے تو مجھ سے رابطہ کیجئے گا۔'' وہ یہ کہتی ہوئی ایک طرف چلی گئی۔

تالیوں کی گونج میں مس نوشین انتہائی قیمتی سوٹ میں ملبوس ایک طرف سے ہال میں داخل ہوئی۔ اس کے ارد گرد لوگ چلے آ رہے تھے۔ وہ ٹیلیویژن اسکرین کی سب سے مصروف اور سب سے زیادہ معاوضہ لینے والی اداکارہ تھی۔ ڈرامہ اس کے نام پر بک جاتا تھا۔ عارف نے دیکھا کہ وہ واقعی بہت حسین ہے، ایسی خوبصورت کہ کوئی بھی اس کے حصار میں آ کر اپنا آپ لٹا سکتا ہے۔ وہ کوئی لڑکی نہیں بلکہ اپسرا دکھائی دے رہی تھی۔

نوشین اسٹیج پر گئی، وہاں اس نے تالیوں کی گونج میں کیک کاٹا، سالگرہ کا گیت سب نے گایا۔ قہقہوں اور باتوں کا سیلاب اُمڈ آیا، ایک عجیب سی ہلچل برپا ہو گئی تھی۔ نوشین کو سالگرہ کی مبارکباد دینے والے اس کی طرف بڑھے، ہر ایک کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی تحفہ تھا، دیکھتے ہی دیکھتے تحائف کا انبار لگ گیا تھا۔

عارف کی اگر ایک نظر نوشین پر تھی تو دوسری نگاہ اویس حبیب کو تلاش کر رہی تھی۔ اویس حبیب اس پارٹی میں آیا ہی نہیں تھا، اس نے اس کے ساتھ غلط بیانی کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ نوشین سے پیار کرتا ہے لیکن وہ اس کے ساتھ موجود نہیں تھا، اگر وہ واقعی اس کے ساتھ پیار کرتا تو اس وقت وہ نوشین کے دائیں بائیں ہوتا۔ عارف کو لگا کہ جو کہانی

اولیس حبیب نے اس کو سنائی تھی، حقیقت اس کے برعکس ہے۔

آدھے گھنٹے کے بعد ہلچل کم ہو گئی تھی۔ مہمان دائیں بائیں ہٹ گئے تھے۔ کھانے پینے کی میزیں سج گئی تھیں اور مہمان کھانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ نوشین کے پاس چند ہی لوگ کھڑے تھے۔ پھر جانے ساجد کہاں سے نکل کر عارف کے پاس آ گیا۔

''چلیں میں آپ کو مس نوشین سے ملواؤں۔''

''آپ کہاں چلے گئے تھے؟'' عارف نے پوچھا۔

''میں یہیں تھا۔'' وہ نوشین کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''مجھے اولیس حبیب کہیں دکھائی نہیں دیئے۔'' عارف نے پوچھا۔

اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے وہ عارف کو لے کر نوشین کی طرف بڑھا اور اس کے پاس جاتے ہی اس نے نوشین سے علیک سلیک کی اور عارف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ ''ان سے ملئے، یہ عارف ہیں، ان کا کاروبار دبئی میں ہے، آج کل یہاں آئے ہوئے ہیں۔ میرے ایک بہت ہی عزیز دوست کے پیارے سے دوست ہیں۔ میں زبردستی ان کو اپنے ساتھ لے آیا تھا۔''

نوشین نے عارف کی طرف دیکھا اور اس کی نگاہیں اس پر جیسے ٹھہری گئیں۔ اس کی دلکش مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی تھی۔ عارف کی شخصیت کا سحر اس وقت عروج پر تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک دوچند ہو گئی تھی۔

''سارا تعارف تو انہوں نے ہی کرا دیا، میرے لئے بولنے کی گنجائش بچی ہی نہیں۔'' عارف مسکرایا۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔'' نوشین نے اپنی خوبصورت آواز میں کہا۔ وہ اب بھی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ ''ان کی مہربانی ہے کہ یہ آپ جیسے مہمان کو میری اس پارٹی میں لے کر آئے ہیں۔''

''مسٹر ساجد کے اصرار پر میں یہاں آ گیا لیکن میرا اصول ہے کہ میں جب بھی کسی سے پہلی بار ملتا ہوں تو خالی ہاتھ نہیں جاتا، آپ کی تو سالگرہ کی پارٹی ہے اور اس پارٹی میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خالی ہاتھ آنا تو بنتا ہی نہیں تھا۔ اس لئے ایک چھوٹا سا تحفہ آپ کی نذر کرنا چاہتا ہوں۔''

عارف نے یہ کہہ کر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ہیروں کا چمکتا ہوا خوبصورت نیکلس نکالا اور نوشین کی طرف بڑھا دیا۔ ایسا قیمتی نیکلس دیکھ کر نوشین کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں۔ پہلی ہی ملاقات میں ایسا تحفہ نوشین کو امید نہیں تھی۔

''یہ تو بہت خوبصورت اور قیمتی نیکلس ہے۔'' نوشین کی آواز میں حیرت تھی۔

''آپ ان پتھروں کو قیمتی کہہ کر میرے جذبات کو ٹھیس پہنچا رہی ہیں، ان کی حیثیت آپ کی ایک نظر کے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔'' عارف نے مسکراتے ہوئے نیکلس نوشین کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ نوشین اتنا قیمتی تحفہ لے کر بہت خوش تھی۔

''شکریہ.....!'' نوشین بولی۔

''آپ کا شکریہ کہ آپ نے میرا تحفہ قبول کیا۔'' عارف نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر کہا۔ ''میرا کاروبار دبئی میں ہیروں اور سونے کے زیورات کا ہے۔ میں یہاں اپنا کاروبار شروع کرنا چاہتا ہوں، ایک بہت بڑا پروڈکشن ہاؤس بنا رہا ہوں۔'' یہ کہتے ہی عارف نے ساجد کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ''چلیں.....! ہم نے مس عندلیب کی طرف بھی جانا ہے۔'' پھر عارف دوسرے ہی لمحے نوشین کی طرف متوجہ ہوا۔ ''دراصل میں نے اپنی پروڈکشن ہاؤس میں مس عندلیب کا نام استعمال کرنے کا سوچا ہے آپ کیونکہ بہت مصروف اداکارہ ہیں اس لئے مجھے ان کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔''

عارف نے مس عندلیب کا نام جان بوجھ کر لیا تھا کیونکہ نوشین کی عندلیب کے ساتھ ہر وقت ٹھنی رہتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے سے مسکرا کر اور ہنس کر ملتی تھیں لیکن دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے بغض تھا، دونوں ایک دوسرے کے خلاف کوئی نہ کوئی چنگاری چھوڑتی رہتی تھیں۔

نوشین نے جب یہ سنا کہ عارف اپنا پروڈکشن ہاؤس کھولنا چاہتا ہے اور نام عندلیب کا استعمال کرنا چاہتا ہے تو اس کا دل جیسے کسی نے بند مٹھی میں لے لیا ہو جس نے محض اس کی پارٹی میں شرکت کر کے ہیروں کا قیمتی نیکلس اس کو تحفے میں دے دیا، اس کے پاس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا کچھ ہوگا جس کو حاصل کر کے وہ اپنا بینک کا بیلنس سے پیٹ بھر سکے گی۔ یہ بات نوشین کے گلے میں کانٹے کی طرح اٹک گئی تھی۔

"آپ کچھ دیر اور رکیں۔" نوشین نے اپنے منہ میں آیا ہوا پانی حلق سے نیچے اتار کر کہا۔

"شکریہ......! میں ضرور رکتا لیکن مجھے جلدی ہے۔" عارف بولا۔

"آپ پروڈکشن ہاؤس کھولنا چاہتے ہیں؟" نوشین نے پوچھا۔

"ارادہ تو یہی ہے۔" عارف نے جواب دیا۔

"میں بھی آج کل اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" نوشین نے ایک ادا سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویری گڈ......! آپ کے لیے تو آسان ہے، آپ کے پاس تجربہ ہے اور پیسہ بھی......! جبکہ میرے پاس ابھی تجربہ نہیں ہے لیکن پیسہ ہے اس لئے مجھے عندلیب کے سہارے کی ضرورت پڑی ہے۔" عارف بڑی ہوشیاری سے اپنے مہرے کھیل رہا تھا۔ اس نے پہلی ہی چال میں نوشین کو حصار میں لے لیا تھا۔

نوشین کی نگاہیں عارف کے چہرے سے ہٹ نہیں رہی تھیں اور وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ اس کی سالگرہ کی پارٹی ہے۔

"آپ نے اپنا مجھے سیل نمبر نہیں دیا۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے؟" عارف بولا۔

"جب آپ کا دیا ہوا نیکلس پہنوں گی تو شکریہ کہنے کے لیے کال ضرور کروں گی۔" نوشین نے کہا۔

عارف نے اپنا موبائل فون نکالا اور بولا۔ "مجھے اپنا نمبر دیجئے، میں کال کرتا ہوں۔ میرا نمبر آپ کے موبائل فون پر آ جائے گا۔" عارف کو تو خود اپنے نمبر کا پتہ نہیں تھا، اس لئے اس نے ایسا کہا۔

نوشین نے اپنا موبائل نمبر دیا اور عارف نے اس کے نمبر پر مس کال دی۔ دونوں

کے نمبر ایک دوسرے کے پاس چلے گئے تھے۔ اس کے بعد عارف نے اجازت لی اور ساجد کے ساتھ باہر جانے کے لیے چل پڑا۔ نوشین چاہتی نہیں تھی کہ عارف اس طرح سے چلا جائے۔ اس کے اندر بے چینی پیدا ہوگئی تھی کہ عندلیب کو بیٹھے بٹھائے ایک امیر زادہ کروڑ پتی مل گیا ہے۔

عارف ٹہلتا ہوا باہر نکل آیا تھا۔ باہر آتے ہی ساجد نے اس سے پوچھا۔

"آپ نے عندلیب سے بھی ملاقات کر لی ہے؟"

"کر لی تو ہے لیکن ابھی نہیں!" عارف بولا۔

"پھر مجھے کیوں اپنے ساتھ لے آئے۔ میں ابھی پارٹی میں رکنا چاہتا تھا۔" ساجد نے کہا۔

"ہم کل عندلیب سے دو بجے کے بعد ملیں گے، مس نوشین پوچھے تو یہی بتانا، آپ جا سکتے ہو۔" عارف بولا اور ساجد ایک بار پھر اندر جانے کے لیے چل پڑا۔

عارف ابھی اس جگہ کھڑا ہی تھا کہ کسی کی آواز سنائی دی۔

"سر......!"

عارف نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک چالیس سال کی عمر کا پتلا سا شخص کھڑا تھا۔

"کیا ہے؟"

"گاڑی تیار ہے۔" اس نے بتایا۔

"کون سی گاڑی تیار ہے؟" عارف کو حیرت ہوئی۔

"سر! آپ کی گاڑی۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ یہ وہی گاڑی تھی جس پر عارف، ساجد کے ساتھ بیٹھ کر اس ہوٹل تک آیا تھا۔

"اس کار کو تو ساجد چلا کر لایا تھا۔" عارف اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس نے اس شخص کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔

"یس سر......! لیکن اس کار کا میں ڈرائیور ہوں۔" اس نے کہا۔ "آپ میرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ چلیں گے۔"

"تمہارے ساتھ کیوں چلوں گا؟" عارف نے پوچھا۔ "میں جیسے چاہوں جاؤں تمہیں اس سے کیا؟"

"کیونکہ اس کار کا میں ڈرائیور ہوں، صاحب نے میری ڈیوٹی لگائی ہے۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"کس صاحب کی بات کر رہے ہو تم......؟" عارف نے دریافت کیا۔ "کیا ہے ان صاحب کا؟"

"جی......اویس حبیب صاحب کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے مؤدب ہو کر کہا۔

"موبائل فون ہے تمہارے پاس......؟"

"ہاں جی ہے۔"

"مجھے اپنا نمبر بتاؤ۔" عارف نے اپنا موبائل فون نکالا جو نمبر ڈرائیور نے بتایا اس نے اس نمبر پر ڈائل کیا، ڈرائیور کا موبائل نمبر بولنے لگا۔ عارف نے اس کے موبائل اسکرین پر اپنا نمبر چیک کیا اور اپنا موبائل نمبر ذہن نشین کر لیا۔

"پھر اس نے اپنا موبائل فون جیب میں ڈالا اور کار میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے اس جگہ سے نکالی اور فلیٹ کی طرف چل پڑا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے نوشین کا چہرہ گھوم گیا۔ اس نے پہلی ہی ملاقات میں نوشین کو خیرہ کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ نوشین اس سے رابطہ کرنے کے لئے بے چین ہو گی۔ اس کے بعد وہ اویس حبیب کے چلتے ہوئے دماغ کے بارے میں سوچنے لگا۔

اویس حبیب نے جو بات کی تھی، اس کے برعکس وہ اس پارٹی میں موجود نہیں تھا اس کا مطلب صاف تھا کہ وہ سب کے سامنے نوشین کے ساتھ منظر عام پر آنا نہیں چاہتا تھا یا پھر اس کی کہانی غلط تھی۔

جس رفتار سے خالی سڑک پر کار دوڑ رہی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ سبک رفتاری سے عارف کا دماغ کام کر رہا تھا۔ وہ بہانے سے بار بار ڈرائیور کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے

لگتا تھا کہ اس نے اس سے قبل اسے کہیں دیکھا ہے۔

اس نے اپنے دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا۔ "یہ کھیل کچھ اور ہے مسٹر عارف......! چال دکھائی کچھ اور دیتی ہے اور فریب کا جال اس سے الگ ہے، جو تمہارے سامنے ہے، وہ سراب ہے، جو مخفی ہے، اصل کھیل وہ ہے، اب تم میدان میں تو اتر ہی چکے ہو۔ وہ اپنی چال چلیں اور تم اپنے فریب کی شطرنج سجا کر چلو، دیکھتے ہیں جیت کس کی ہوتی ہے۔" اور پھر اس کے چہرے پر پراسرار مسکراہٹ عیاں ہوئی اور اس نے اپنا چہرہ دائیں طرف شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے زیر لب کہا۔

"اب کھیل میں مزہ آئے گا۔"

☆......☆......☆

عارف اپنے فلیٹ میں پہنچا تو ٹھٹک کر رک گیا۔ سامنے اویس حبیب صوفے پر پُرسکون انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

"آپ یہاں......؟" عارف نے پوچھا۔ "میرے فلیٹ میں اکیلے بیٹھے کیا کر رہے ہیں؟"

"میں نے بتایا تو تھا کہ اس فلیٹ کی ایک چابی میرے پاس بھی ہے۔" اویس حبیب نے کہا۔

عارف نے فریج کھول کر پانی کی بوتل نکالی اور گلاس میں پانی ڈال کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"کیا ملاقات ایسی تھی کہ حلق خشک ہو گیا؟" اویس حبیب نے پوچھا۔

"گھبرا تو نہیں گئے تم......؟"

عارف نے اطمینان سے پانی کا گلاس خالی کیا اور ایک طرف رکھ کر بولا۔ "پارٹی میں آپ کی کمی شدت سے محسوس ہوتی رہی۔ میں آپ کو تلاش کرتا رہا لیکن آپ مجھے کہیں بھی دکھائی نہیں دیئے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا ارادہ بدل گیا تھا۔ اس لئے میں پارٹی میں نہیں پہنچا۔" اویس حبیب نے کہا۔

"ارادہ بدل گیا تھا یا ارادہ شروع سے تھا ہی نہیں؟" عارف نے اس کا جائزہ لیا۔

"تم جو بھی سمجھ لو۔ اس بات پر ہم نے بحث تو نہیں کرنی ہے نا۔" اس نے کہا۔ بتاؤ پارٹی کیسی رہی؟"

"بہت اچھی پارٹی تھی۔ بڑے بڑے چہرے تھے، ایسی پارٹی میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔"

"تم نے کمال کیا ہے پہلی ہی ملاقات میں۔ وہی پُر اعتماد چہرہ، وہی چٹان جیسا اور نوشین کو مٹھی میں کرنے کے لئے جو کانٹا تم پھینک کر آئے ہو، اس کا جواب نہیں ہے" اویس حبیب نے کہا۔

"آپ کو یہ سب کیسے پتہ چلا؟" عارف نے اس کی طرف دیکھا۔ "کیمرے میرے پیچھے لگا رکھے ہیں؟"

"میری آنکھیں تم پر لگی ہوئی ہیں۔" اویس حبیب بولا۔ "جو کیمروں سے بھی کہیں زیادہ حساس ہیں۔"

"یہ ابھی آغاز ہے، آگے کیا ہوتا ہے، وہ آنے والے وقت پر پتہ چلے گا۔" عارف اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے کوٹ اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔

اویس حبیب بھی کھڑا ہو گیا۔ "تمہاری یہی چال رہی تو تم بہت کچھ کر لو گے، چلتا ہوں"

"نوشین آپ کی محبوبہ ہے، یہ بات سب کو پتہ تو ہو گی؟" عارف نے ٹیڑھی آنکھ سے اس کی طرف دیکھا۔

"سب کو پتہ ہوتا تو میڈیا چیخ نہ رہا ہوتا!"

"اسی لئے آپ وہاں نہیں تھے لیکن مجھے کیوں کہا تھا کہ آپ مجھے وہاں ملیں گے؟" عارف نے اپنی ناک کھجائی۔

"میں وہاں نہ ہوتے ہوئے بھی وہیں تھا۔" اویس حبیب کہہ کر دروازے کی طرف چلا، اس نے دروازہ کھولا اور رک کر بولا۔ "وہ تمہیں فون کرنے کے لئے بے چین ہو گی

پھر وہ فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

عارف کھڑا سوچتا رہا۔ وہ مسن نوشین ہے، گرم کوئلے کو پکڑے گی لیکن اپنی بے چین طبیعت کے باوجود ذرا رک کر......! ساجد سے تو اس نے یہ جان ہی لیا ہو گا کہ عندلیب سے میری ملاقات کب ہے، اس ملاقات کے وقت سے پہلے اس کا فون آئے گا۔

☆......☆......☆

منصور کالج سے جلدی واپس آ گیا تھا۔

اس نے ملازم کو چائے بنانے کے لیے کہا اور خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔ کپڑے بدل کر اور فریش ہو کر جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو وہ ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کے قدم سیڑھیوں پر ہی جم گئے۔

نشست گاہ کے صوفے پر اظہر حسین بڑے اطمینان سے بیٹھا ہوا ایک رسالہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے پینٹ، کوٹ پہنا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ نکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ اپنے ہی دھیان میں بیٹھا رسالے کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ منصور اس کے سامنے جانے کی بجائے پلٹنا ہی تھا کہ اس کے عقب سے زاہدہ بیگم کی آواز سنائی دی۔

"منصور......!"

منصور کے قدم اسی جگہ رک گئے۔ اس نے ناگوار انداز میں گھوم کر زاہدہ بیگم کی طرف دیکھا۔ اسی اثناء میں اظہر حسین رسالہ ایک طرف رکھ چکا تھا۔ وہ کھڑا ہو کر منصور کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

"جی......!" منصور نے زاہدہ بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نیچے آؤ۔" زاہدہ بیگم بولی۔

"یہاں کیوں کھڑے ہو، آؤ نیچے!"

منصور بادل نخواستہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گیا۔ زاہدہ بیگم نے اس کا بازو پکڑ کر نرمی اور مسکراہٹ سے اظہر حسین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اپنے پپا سے نہیں ملو گے؟"

زاہدہ بیگم کے یہ الفاظ منصور کے دل پر کسی نشتر کی طرح چلے اور اس نے اپنی نگاہیں حسین کے چہرے پر جمادیں۔ منصور اپنے اندر اٹھنے والے طوفان کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا
اظہر حسین اس کی طرف بڑھا اور اپنا ہاتھ آگے کرتے ہوئے بولا۔

"کیسے ہو بیٹا......؟"

منصور اس سے ہاتھ نہیں ملانا چاہتا تھا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے نگاہیں بھی زاہدہ بیگم کی طرف کر لیں۔ وہ اپنے اندر اٹھنے والے غصے کے طوفان کو خاموشی سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"منصور......! یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اس بار بھی زاہدہ بیگم نے نرمی سے سرزنش کی

"اپنے پپا سے ہاتھ ملاؤ۔"

منصور چپ رہا۔

اظہر حسین نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ "ارے کوئی بات نہیں۔" اظہر حسین خوشدلی سے منصور کے پاس گیا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ پہلے ہم منصور کے لیے ایک انکل تھے، اب رشتہ بدل گیا ہے۔ ہم نے ابھی ایک گھنٹہ پہلے نکاح کر لیا ہے۔ آپ مجھے ایک اچھا باپ ہی نہیں، اچھا دوست بھی پائیں گے...... منصور بیٹا!

"میں نے تمہیں کل بتایا تھا۔ میں نے کچھ کھانے کا سامان تیار کرنے کے لیے کہا ہے، ہمارے ساتھ بیٹھو۔" زاہدہ بیگم بولی۔

منصور اب بھی چپ تھا۔ اس نے کوئی بات نہیں کی۔ وہ زاہدہ بیگم کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بہت کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن کچھ نہیں کہہ پا رہا۔ جیسے سمندر کی تیز لہریں اپنے ہی کناروں سے ٹکرا کر واپس لوٹ رہی ہوں۔

اظہر حسین نے اس کا جائزہ لیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "آؤ بیٹا! میرے ساتھ کچھ دیر کے لیے بیٹھو۔"

منصور نے زبان کھولی۔ "مما......! میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں، مجھے ضروری کام ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"منصور......! تم کہیں نہیں جاؤ گے، ہمارے ساتھ بیٹھو۔" زاہدہ بیگم نے اسے روکتے ہوئے بدستور نرم لہجے میں کہا۔ "ہمارے پاس بیٹھو۔"

"مجھے ضروری کام ہے۔" منصور بولا اور سیڑھیوں کی طرف گیا لیکن پھر رک گیا۔ اس نے غصے سے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر اوپر جانے کی بجائے باہر جانے کے لیے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

عقب میں زاہدہ بیگم اسے آواز دے کر روکنا چاہتی تھی لیکن اظہر حسین کے اشارہ کرنے پر وہ چپ ہو گئی۔

"ابھی کچھ وقت لگے گا، ایسا ہوتا ہے۔ اس میں گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اظہر حسین نے منصور کے جانے کے بعد حوصلہ دیا۔

"منصور ضدی ہو گیا ہے، مجھے اس بات کا ہی ڈر تھا کہ وہ ہمارے اس رشتے کو قبول نہیں کرے گا۔" زاہدہ بیگم اداس سی ہو گئی۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ میں منصور کے ساتھ ایسی دوستی کروں گا کہ ہر دوری مٹ جائے گی۔" اظہر حسین نے یقین دلایا۔

"ڈونٹ وری......!"

"مجھے پریشانی ہو جاتی ہے، عجیب سے خیالات آنے لگتے ہیں۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔ "مجھے اس کو اپنے اعتماد میں لینے کے لیے اس کی ہر بات ماننی چاہیے تھی اور پچیس لاکھ روپے اسے دے دینے چاہئیں تھے۔"

"خیر اب جو ہونا تھا، وہ ہو گیا، میں آپ کے ساتھ ہوں، آپ پریشان ہونا چھوڑ دیں اور دیکھیں کہ خانساماں نے کچھ تیار کیا ہے کہ نہیں، مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" اظہر حسین نے بے چینی سے کہا۔

زاہدہ بیگم نے کہا۔ "ابھی دیکھتی ہوں۔" وہ باہر کی طرف جانے لگی۔

اظہر حسین بولا۔ "ایک منٹ رک جائیں۔"

زاہدہ بیگم رک گئی۔ "جی......!"

 Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ذرا مسکرا کر جایئے گا، اس طرح مجھے لگ نہیں رہا ہے کہ میری بیوی میرے لئے کچھ لینے جا رہی ہے۔" اظہر حسین خوشگوار موڈ میں بولا۔

اس کی بات سن کر زاہدہ بیگم مسکرائی اور باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی اظہر حسین نے اپنا موبائل فون نکالا، ایک نمبر پش کیا اور انتظار کے بعد بولا۔

"مبارک ہو، ہم ایک نئی کمپنی کے مالک بن رہے ہیں۔" دوسری طرف سے جانے کیا کہا جانے لگا کہ اظہر حسین کی باریک اور شاطر سی ہنسی ابھرنے لگی۔ اس کے بعد اس نے موبائل فون بند کر کے اپنی جیب میں رکھا اور اطمینان سے صوفے پر براجمان ہو گیا۔

☆......☆......☆

منصور کے لئے اظہر حسین کا وجود ناقابلِ برداشت تھا۔

اسے پہلے ہی اس سے نفرت تھی، اس میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ زاہدہ بیگم نے اس شخص سے نکاح کر کے منصور کو شدید ذہنی ایذا پہنچائی تھی جس کا درد اس کے لئے برداشت کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

منصور اپنے گھر سے باہر نکل کر بنا ارادہ ایک طرف چل پڑا۔ وہ چلتے چلتے اس کالونی سے نکل کر اس کی مین سڑک پر آ گیا۔ اس سڑک کے دائیں بائیں فٹ پاتھ تھے، جابجا درخت ایستادہ تھے۔ وہ اپنے خیالوں میں مستغرق تھا، اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی جیکٹ کی جیب میں ڈالے ہوئے تھے، اس کی نگاہیں سڑک پر تھیں، سوچوں کی لہریں کہیں اور تھیں۔ قدم کس طرف اٹھ رہا تھا، اس طرف اس کا دھیان نہیں تھا۔ غصہ اس کے جسم میں آگ کی طرح دوڑ رہا تھا، اچانک کار کے چیختے ہوئے ٹائروں نے اسے چونکا دیا۔

اس نے اپنے خیالوں سے نکل کر گردن گھمائی۔ ایک کار اس سے ایک فٹ کے فاصلے پر کھڑی تھی۔ اگر عین وقت پر بریک نہ لگتا تو اپنے خیالوں میں محو منصور اس وقت خون میں لت پت پڑا ہوتا۔ منصور نے دیکھا کہ کار آدھی فٹ پاتھ پر چڑھی ہوئی تھی۔

اسے حیرت ہوئی کہ وہ فٹ پاتھ پر چل رہا تھا اور کار اس کے پیچھے فٹ پاتھ پر

چڑھ دوڑی اور پھر اس نے کچلنے سے قبل اسے بچا بھی لیا۔

کار کا انجن بند ہو چکا تھا۔ منصور نے دیکھا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر ایک خوبصورت لڑکی جس کے سر کے بال الجھ کر اس کے چہرے پر آ گئے تھے، اس کی خوف زدہ آنکھیں اس کی طرف مبذول تھیں، اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ چہرے سے ڈر مترشح تھا۔ منصور یہ سب دیکھ کر اپنی پریشانی بھول گیا تھا۔ جب لڑکی کو ذرا ہوش آیا تو اس نے ڈرتے ہوئے دروازہ کھولا اور باہر نکل کر اس کی طرف بڑھی۔

"سوری...... ویری سوری......!" وہ ندامت آمیز لہجے میں بولی۔ "میں نے یہ جان بوجھ کر نہیں کیا ہے۔"

منصور کی خیرہ نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور اس حالت میں وہ منصور کو جانے کیوں اتنی اچھی لگنے لگی تھی۔ اس کے ہونٹوں میں لرزش تھی۔

"کتنے پیسے لئے تھے آپ نے کہ آپ کا ضمیر جاگ پڑا اور آپ کا پاؤں بریک پر جا پڑا اور میں بچ گیا؟" منصور نے پوچھا۔

"کس چیز کے پیسے......؟" لڑکی متحیر ہوتے ہوئے بولی۔ وہ اور بھی خوف زدہ ہو گئی تھی۔

"مجھے مارنے کے پیسے لئے ہوں گے تبھی تو یہ کار اس سڑک سے فٹ پاتھ پر آپ نے میرے پیچھے چڑھا دی حالانکہ یہ سڑک خالی پڑی ہوئی ہے، کار چلانے کے لیے پوری سڑک آپ کے سامنے ہے اور آپ نے کار میرے پیچھے چڑھا دی۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں بہت اپ سیٹ ہوں اس لئے تیز رفتاری سے کار چلاتی ہوئی جا رہی تھی۔ اچانک کار بے قابو ہو گئی اور فٹ پاتھ پر چڑھ گئی۔ بمشکل میں نے بریک لگایا اور حادثہ ہوتے ہوتے بچ گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں ذہنی طور پر حاضر ہی نہیں تھی۔" لڑکی نے بتایا۔

"آپ بھی پریشان ہیں؟" منصور نے اس کا جائزہ لیا۔

"کیا مطلب آپ بھی سے......؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔

اس کا چہرہ منصور پہلی ہی نگاہ میں اس کے دل میں جیسے گھر کر گیا تھا۔ یہ دل بھی بڑی عجیب چیز ہے، سیکڑوں چہرے ہوں تو اپنے اندر کسی کو جگہ نہیں دیتا اور جب جگہ دینے پر آتا ہے تو پتہ بھی چلنے نہیں دیتا اور اس کی طرف مائل ایسے ہو جاتا ہے جیسے اسی کا انتظار ہو اور اسی کے لیے اس نے اپنے اندر جگہ بنا رکھی ہو۔

''میرا مطلب ہے کہ میں سمجھا تھا شاید میں ہی پریشان ہوں، مجھے ہی غم ہے۔ میں ہی اپنے گھر سے افسردہ اور ٹوٹا پھوٹا نکلا ہوں۔'' منصور نے وضاحت کی۔

''آپ گھر سے لڑ کر آ رہے ہیں؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''تو کیا آپ نے بھی گھر سے لڑ کر نکلنے کے بعد کار کو فٹ پاتھ پر ہوش کھو کر چڑھایا ہے؟'' منصور نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا۔

لڑکی نے کچھ تذبذب کے بعد اپنے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ ''جی ہاں، میں بھی گھر سے لڑ کر ہی نکلی ہوں۔''

''ہم دونوں کی کہانی کتنی ملتی ہے، عجیب اتفاق ہے۔'' منصور بولا۔ ''میں بھی اپنے گھر سے دلبرداشتہ ہو کر نکلا اور آپ سے ملاقات ہو گئی۔''

منصور کی بات کا جواب دینے کی بجائے لڑکی اپنی کار کی طرف دیکھنے لگی۔ شاید وہ یہ سوچ رہی تھی کہ کار کو کیسے فٹ پاتھ سے نیچے اتارنا ہے۔

منصور نے صورتحال سمجھی تو اس نے کہا۔ ''شکر کیجئے کار کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، لایئے مجھے چابی دیں، کار میں نیچے اتار دیتا ہوں۔'' منصور نے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

لڑکی نے کچھ دیر اس کی طرف دیکھا اور پھر بولی۔ ''چابی کار میں لگی ہوئی ہے۔''

منصور کار کے اندر بیٹھا اور اس نے کار اسٹارٹ کرنے کے تھوڑی دیر بعد کار فٹ پاتھ سے نیچے اتار کر سڑک کی ایک جانب کھڑی کر دی۔ وہ کار کا انجن بند کر کے باہر نکلا اور بولا۔ ''اب آپ جا سکتی ہیں لیکن پلیز، اس بار اپنے ذہن کو حاضر رکھ کر کار چلایئے گا، ہر بار آگے میں ہی آپ کو نہیں مل سکتا۔ کوئی سرپھرا مل گیا تو آپ کے لیے پرابلم ہو جائے گی۔'' منصور نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''شکریہ......! میں احتیاط کروں گی۔'' لڑکی کا معصومانہ لہجہ منصور کے لیے نظرانداز کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر ٹک گئی تھیں۔ عجیب معصومیت تھی جس میں جادو تھا۔

''شکریہ تو آپ کا، آپ کے آنے کی وجہ سے میں اپنی پریشانی اور غم سے باہر نکل سکا ورنہ مجھے لگ رہا تھا جیسے ابھی میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ ویسے آپ سے بات کرنا مجھے اچھا لگا۔ شاید اس لئے میں تنہائی کا شکار ہو رہا تھا کہ کوئی میرے پاس اس وقت بات کرنے والا نہیں تھا۔'' منصور مسکرایا۔

''آپ نے کہیں جانا ہے، میں آپ کو ڈراپ کر دوں؟'' لڑکی کچھ توقف کے بعد بولی۔

''ہم دونوں اس وقت اپنے اپنے غم کی وجہ سے پریشان ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو کہیں بیٹھ کر اپنا غم ہلکا کرنے کی کوشش کریں؟'' منصور نے اس کی طرف دیکھا۔ جانے یہ بات کیسے اس نے اچانک کہہ دی تھی۔ اپنے اندر کا غبار نکالنے کے لیے تنہا انسان دیوار کا سہارا لینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ منصور کو تو ایک جیتی جاگتی لڑکی مل گئی تھی۔ اس لئے اس نے بلا تامل کہہ دیا تھا۔

''میں یہ شہر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ اس لئے مجھے اپنا غم کسی سے کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ اور بھی اداس ہو گئی۔

''گھر سے میں بھی اسی نیت سے نکلا تھا کہ شہر چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں لیکن سوچا کہ کہاں جاؤں، آپ فیصلہ کر چکی ہیں اور میں ابھی فیصلے کے بیچ میں معلق تھا۔'' منصور نے کہا۔

''آپ کو کیا غم ہے؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''نہ جان نہ پہچان، یوں اچانک ایک حادثے سے بچنے کے بعد ہم ایک دوسرے کو کیسے اپنا اپنا غم بتا سکتے ہیں، ویسے میرا نام منصور ہے۔''

''مجھے سائرہ کہتے ہیں۔'' لڑکی نے بھی اپنا نام بتایا۔

''اب جان پہچان ہو گئی ہے، اب ہم اپنا اپنا غم ایک دوسرے کو کہہ سکتے ہیں شاید ہم دونوں ایک دوسرے کو سمجھا سکیں اور کوئی غلط قدم اٹھانے سے بچ جائیں۔'' منصور نے

متانت سے کہا۔ ''ہم دونوں ہی دُکھی ہیں، قدرت نے کیسا ساتھ دیا ہے ہم دونوں کو!''

سائرہ اس کے پاس چپ کھڑی رہی۔ منصور نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی ہے پھر وہ کار میں بیٹھ گئی۔ منصور اسی جگہ کھڑا رہا۔ سائرہ نے کار اسٹارٹ کی اور اس سڑک پر دوڑتی ہوئی چلی گئی۔ منصور اس کار کو دور تک جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ شاید وہ کچھ کہنے سے قاصر تھی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے اندر کچھ کہنے کے لئے ہمت نہیں رہی تھی اور یہ بھی ممکن تھا اس کی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسوؤں کا سیلاب اس کے بولنے میں مانع ہو۔ منصور اس جگہ کھڑا قیاس آرائی کرتا رہا۔

سائرہ کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کسی اذیت سے دوچار ہے۔ اس کی آنکھوں میں اتری ہوئی نمی اس بات کی طرف اشارہ تھی کہ اس کا دل رو رہا ہے۔ اچانک ہی دونوں میں ملاقات ہوگئی تھی اور اچانک ہی دونوں نے کچھ باتیں بھی کر لی تھیں، اپنے نام بھی ایک دوسرے کو بتا دیئے تھے شاید وہ دونوں ہی کسی سے بات کرنے کے متمنی تھے، دونوں ہی کسی کندھے کی تلاش میں تھے جس پر سر رکھ کر وہ رونا چاہتے ہوں۔

''عجیب اور نرالی دنیا ہے۔'' منصور آسمان کی طرف چہرہ کر کے بولا۔ اسی اثناء میں وہ کار دوبارہ اس کی طرف آئی اور اس کے سامنے رک گئی۔ سائرہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔''

منصور نے اس کی طرف دیکھا اور اس کے ساتھ کار میں بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

کار ایک پرسکون جگہ پر کھڑی تھی۔

دونوں کے ہاتھوں میں جوس کے ڈبے تھے اور وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پی رہے تھے۔ آسمان صاف تھا، سورج اپنی آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ سائرہ نے جوس کا ایک گھونٹ لینے کے بعد کہا۔ ''آج آپ نہ ملتے تو میں یہ شہر چھوڑ کر جا چکی ہوتی، سچ تو یہ ہے کہ میں نہیں جانتی تھی کہ میں کہاں جاؤں گی۔ میں نے سوچا تھا کہ جہاں کار کا پیٹرول

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ختم ہو جائے گا، میں اسی شہر کے ہجوم میں گم ہو جاؤں گی اور پھر کبھی اس شہر کا رخ نہیں کروں گی۔''

''آپ ایسا کیوں کرنا چاہتی تھیں۔ مجھے بتانا چاہیں گی پھر میں بھی اپنے اندر کا غم آپ کے سامنے نکال سکوں گا۔ ممکن ہے کہ ہم دونوں کے دل ہلکے ہو جائیں؟'' منصور نے کہا۔

''میرے ابو پانچ سال پہلے میری ماں اور مجھ سے ہر طرح کا ناتا توڑ کر یہ شہر چھوڑ کر کہیں اور اپنی دنیا بسا چکے ہیں، جو پراپرٹی میری ماں کے نام پر تھی، اس کے کرائے سے ہمارے دن بسر ہو رہے ہیں لیکن میری ماں اب شادی کرنا چاہتی ہیں اور جس شخص سے وہ شادی کرنا چاہتی ہیں، اس کی نگاہ اتنی بُری ہے کہ مجھ سے برداشت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ میں نے اپنی ماں کو منع کیا، انہیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ میری بات سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں، آج میری ان سے بحث ہوئی اور میں غصّے سے گھر چھوڑ کر چلی آئی اور اس پریشانی میں مجھ سے کار بھی بے قابو ہوگئی۔'' سائرہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ وہ کچھ دیر چپ رہی پھر بولی۔ ''میں ایک ایسے شخص کو کیسے اپنا سوتیلا باپ مان لوں جس کی نظروں میں میرے لئے حیا نہیں ہے؟''

منصور نے ٹشو پیپر نکال کر سائرہ کی طرف بڑھایا اور بولا۔ ''میری اور آپ کی کہانی میں اتنا فرق ہے کہ آپ کی ماں ابھی شادی کرنے والی ہیں اور میری ماں آج شادی کر کے میرے نئے باپ کے ساتھ گھر آ چکی ہیں۔ ہم دونوں کی زندگی میں کتنی مماثلت ہے۔''

''آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا ہے؟'' سائرہ ناقابل یقین لہجے میں بولی۔ اس کی نگاہیں منصور پر مرکوز تھیں اور نگاہوں میں حیرت تھی۔

''بالکل ایسا ہی ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے میں آج یتیم ہوا ہوں۔'' منصور کرب سے بولا۔ ''مجھے رونے کے لیے کوئی کندھا ہی نہیں ملا اور میں اپنے دل کے ساتھ لگ کر آنسو بہاتا رہا، چلتا رہا اور آپ سے ملاقات ہوگئی۔''

''ہم دونوں کا دکھ ایک جیسا ہے، ہم دونوں آج رونا چاہتے تھے۔ ہم دونوں کتنے اکیلے ہیں۔'' سائرہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی رک نہیں رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس شخص سے مجھے نفرت ہے، نفرت ہے مجھے اس سے!" منصور نے دانت پیس کر غصے سے کہا۔

"کچھ ایسا ہی حال میرے دل کا بھی ہے، قدرت نے ہم دونوں کو آج ملا دیا، شاید ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔" سائرہ بولی۔

"آپ ایسا کریں یہ شہر چھوڑ کر مت جائیں، اپنے گھر چلی جائیں۔" منصور نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"میں اپنے گھر جا کر کیا کروں گی؟" سائرہ بولی۔

"ابھی آپ گھر جائیں، اس کے بعد کچھ سوچا جا سکتا ہے۔" منصور نے کہا۔

"اور آپ......؟" سائرہ نے اس کی طرف ایک نظر دیکھا۔

"میرا کیا ہے؟" وہ بولا۔

"پھر مجھے بھی یہ حق دیں کہ میں آپ کو یہ کہہ سکوں کہ آپ بھی کہیں مت جائیں اور اپنے گھر واپس لوٹ جائیں۔"

"زندگی میں لگتا ہے اب کچھ نہیں رہ گیا۔" منصور مغموم ہو گیا۔

"مجھے بھی ایسا ہی لگتا تھا لیکن آپ سے اچانک ملنا اور ایک دم اب یہ احساس ہونا کہ زندگی میں ابھی میرے لئے بہت کچھ ہے۔" سائرہ نے کہا۔

اس کی بات سن کر منصور نے ایک دم اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ "ہمارا غم ایک جیسا ہے تو کیوں نہ ہم دوستی کر لیں، رفتہ رفتہ ہمارا غم مٹ جائے گا، ہم ایک دوسرے سے اپنے دل کی بات کہہ سکیں گے، ہمارے اندر ایک دوسرے کو حوصلہ دینے سے زندگی کی امنگ جاگتی رہے گی۔ کیا خیال ہے؟"

"آپ یہ بات کہہ کر مجھے جینے کی امنگ دے رہے ہیں؟" سائرہ نے کہا۔

"یہی میں چاہتا ہوں کہ آپ جئیں میں بھی جیوں، ایک نئی امنگ کے ساتھ!" منصور مسکرایا۔

"تو پھر آپ کو بھی میرے ساتھ جینا پڑے گا۔" سائرہ بولی۔

"مجھے منظور ہے۔" دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور اپنا اپنا جوس پینے لگے۔ وقت کب کیا کروٹ لے کر زندگی کی کون سی امنگ جگا دے، اس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ یہ لمحوں کا کھیل ہوتا ہے، جب دل ٹوٹ بھی جاتے ہیں اور مل بھی جاتے ہیں۔ دونوں نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔ منصور کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ زندگی کی راہ میں یوں کوئی اچانک مل کر تبدیلی کی مسحور کن خوشبو سے آشنا کر دے گا۔

دونوں کے دلوں پر چاہت کی کلی کھلی، ہمدردی کی خوشبو پھیلی اور آنکھوں میں احساس کی پتیاں بکھرنے لگیں۔ دونوں مسرور ہو گئے، دونوں کے دل ہلکے پھلکے ہو گئے اور دونوں ہی ایک دوسرے سے مل کر سرشار ہو گئے۔

☆......☆......☆

سائرہ جونہی اپنے گھر میں داخل ہوئی، اس کی آنٹی نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ "کیا بات ہے، بہت خوش نظر آ رہی ہو؟"

"بات ہی خوشی کی ہے اس لئے خوش ہوں۔" سائرہ نے اپنا ہینڈ بیگ ایک طرف رکھا اور اپنی آنٹی کے گلے میں بانہیں حائل کر دیں۔

"اپنی آنٹی کو اپنی خوشی میں شامل نہیں کرے گی؟" اس کی آنٹی نے کہا۔

"کیوں نہیں کروں گی، آج عجیب اتفاق ہو گیا۔ میں جا رہی تھی کہ اچانک میری نظر منصور پر پڑی اور میں نے کار آہستہ آہستہ اس کے پیچھے لگا دی۔" سائرہ بتانے لگی۔

"اچھا پھر کیا ہوا؟" یہ سنتے ہی اس کی آنٹی خوشی سے معمور ہوئی۔

"وہ اردگرد سے بے نیاز چپ چاپ چلا جا رہا تھا۔ اچانک میں نے سوچا کہ یہی موقع ہے اس کے قریب ہونے کا، بس میں نے کار کی رفتار بڑھائی اور فٹ پاتھ پر چڑھا کر عین اس وقت بریک لگا دیا جب کار اور منصور میں ایک فٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔" سائرہ کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا اور اس کے بعد اس نے منصور سے ملاقات کا سارا احوال اپنی آنٹی کے گوش گزار کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم نے تو آج تیر نشانے پر لگا دیا ہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ پہلی ہی ملاقات میں تم دونوں ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔" اس کی آنٹی اتنی خوش تھی، گو اس کو کوئی خزانہ مل گیا ہے۔

"کہتے ہیں کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے، میں نے وہی کہانی سنائی جو اس کی زندگی میں اسے پیش آ رہی تھی، بس یہی بات اسے میرے قریب کر گئی کہ ہم دونوں کا غم ایک جیسا ہے۔" سائرہ کہہ کر ہنسی۔

اس کی آنٹی نے کہا۔ "کب سے ہماری نگاہیں منصور پر تھیں۔ کب سے ہم اس کا ایک ایک بھید جاننے کے لئے اس کے گھر کی نوکرانی کو اپنے اعتماد میں لے کر اس پر نوٹوں کی بارش کر رہے تھے، وہ اکلوتا وارث ہے، کروڑوں کی جائیداد ہے، آج تم نے اس کو اپنے اعتماد میں لے لیا، آج میں بہت خوش ہوں۔"

"مگر ایک بات ہے آنٹی!" سائرہ بولی۔

"وہ کیا.....؟" آنٹی جلدی سے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"اس کی ماں نے شادی کر لی ہے۔" سائرہ نے بتایا۔

"یہ بات مجھے آج نوکرانی بتا کر اپنا انعام وصول کر کے چلی گئی ہے، اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ منصور نے اپنے نئے باپ سے سیدھے منہ بات نہیں کی اور گھر سے چلا گیا۔ اس کا گھر سے جانا، تمہارے ساتھ ملاقات کا سبب بن گیا، رہی بات یہ کہ اس کی ماں نے شادی کر لی ہے، یہ اچھا ہوا اور اس سے بھی اچھا یہ ہوا ہے کہ منصور نے اپنے نئے باپ سے سیدھے منہ بات نہیں کی۔ یہ خلش، یہ دوری اور یہ نفرت ہمارے فائدے میں ہے۔" سائرہ کی آنٹی نے کہا۔

"ہمارے فائدے میں کیسے ہے؟" سائرہ نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

○○○

......

"تم اگر منصور کو اپنی مٹھی میں لے کر اس سے شادی کر لیتی ہو تو شادی کے بعد منصور کے سوتیلے باپ کے سامنے کھڑا کرنے میں تمہیں پریشانی نہیں ہوگی۔ ایسے باپ ایسی سوتیلی اولاد کو پسند نہیں کرتے۔ جتنا پیسہ اور جتنی جائیداد زاہدہ بیگم کے پاس ہے، اس میں سے اگر منصور آدھی بھی لینے میں کامیاب ہو گیا جو اس کا سوتیلا باپ اس سے جان چھڑانے کے لئے زاہدہ بیگم کو مجبور کر کے دلوا دے گا، اس طرح ہمارے وارے نیارے ہو جائیں گے۔" سائرہ کی آنٹی کے چہرے پر پراسرار مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی۔

"آنٹی! تم سوچتی بہت دور کی ہو۔" سائرہ نے اس کی طرف توصیفی نگاہوں سے دیکھا۔

"سوچوں گی میں اور عمل کرو گی تم.....!" آنٹی نے کہا۔

"پہلے بھی تو تم نے ہی سوچا تھا۔" سائرہ ہنسی۔

"لیکن عین وقت پر جو کہانی تم نے گھڑی ہے، ایسا کر کے بہت اچھا کیا تم نے۔ پگھلا ہوا موم کسی بھی سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے، تم شرافت کا لبادہ اوڑھے رکھنا، منصور سے بس تمہاری شادی ہو جائے پھر دیکھنا اپنی اس آنٹی کا نیا فریب کیا گل کھلاتا ہے۔" آنٹی کا لہجہ خطرناک ہو گیا تھا۔

"وہ تنہائی اور مایوسی کا مارا ہوا ہے۔ وہ مجھ سے جلد شادی کر لے گا۔" سائرہ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم ہوشیار رہنا، کوئی رابطہ نمبر بھی لے کر آئی ہو؟" آنٹی نے سوال کیا۔

"میرا نمبر اس کے پاس اور اس کا نمبر میرے پاس ہے۔" سائرہ کھلکھلا کر ہنسی
ہنسی میں اس کا ساتھ آنٹی نے بھی دیا۔

سائرہ کی آنٹی کا نام پروین تھا۔ وہ چار ماہ قبل اس کالونی میں منصور کے گھر سے پانچ گلیاں چھوڑ کر کرائے کی ایک کوٹھی میں رہائش پذیر ہوئے تھے۔ ایک دن اچانک پروین نے منصور کو دیکھا تھا۔ اس وقت پروین کے ساتھ کام کرنے والی تھی جس کو ابھی ا... نے چند دن قبل ہی اپنی کوٹھی میں رکھا تھا۔ پروین نے ایسے ہی اس سے منصور کے بار... میں پوچھا تو کام کرنے والی نے سب کچھ بتا دیا کیونکہ اس کی تایازاد ایک عرصے سے منصور کی کوٹھی میں کام کرتی تھی۔

پروین ایک خرانٹ عورت تھی۔ اس کی دو بیٹیاں تھیں۔ اس کی دو بیٹیوں نے بڑ... گھرانوں کے امیرزادوں کے ساتھ شادیاں کی تھیں، وہ امیرزادے پہلے بھی شادی ش... تھے اور ان کے چنگل میں آ کر انہوں نے یہ قدم اٹھایا تھا۔ ان کے لئے طلاق ہو جانا ک... مسئلہ نہیں تھا، وہ سب کچھ پیسے کے لیے کرتی تھیں۔ سائرہ اس کی سگی بیٹی نہیں تھی۔ اس... بھید وہی جانتی تھی۔

پروین نے منصور کے گھر کی اس ملازمہ کو ایک دن اپنی باتوں سے ایسا رام کیا ک... لالچ میں آ کر گھر کا بھیدی بننے کے لئے تیار ہو گئی۔ پروین نے منصور کے بارے... بہت کچھ جان لیا تھا کہ وہ امیرزادہ تمام جائیداد کا اکلوتا وارث ہے تب سے وہ تاک... تھی کہ کس طرح منصور کو شیشے میں اتارے۔

آج سائرہ کو موقع مل گیا اور اس نے پہلی ہی ملاقات میں منصور کو باتوں... ذریعے ایسا شیشے میں اتارا کہ اس کو گمان ہوا کہ سائرہ کوئی شاطر لڑکی نہیں ہے اور اس طر... وہ اس کے فریب میں آ گیا۔

☆......☆......☆

منصور کے دل و دماغ پر پریشانی اور غصے کے جو بادل منڈلا رہے تھے، وہ سائرہ سے ملنے کے بعد چھٹ گئے تھے۔ اس کا دل مسرت محسوس کر رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے کسی تنہا شخص کو کوئی ساتھی مل گیا ہو، جیسے صحرا میں بارش کی بوندیں اتر آئی ہوں۔ وہ واپس گھر آ گیا۔

گھر میں داخل ہو کر اس نے اپنی ملازمہ کو آواز دی۔ "کلثوم...... کلثوم......!"

کلثوم بھاگتی ہوئی آئی۔

"جی......؟"

"مما کہاں ہیں؟" منصور نے پوچھا۔

"جی وہ صاحب کے ساتھ کہیں گئی ہیں۔" کلثوم نے بتایا۔

"کچھ بتا کر گئے ہیں کہ وہ کہاں گئے ہیں؟" منصور نے پوچھا۔

"بس اتنا بتایا تھا کہ وہ کل آئیں گے۔" کلثوم نے جواب دیا۔

منصور چپ ہو گیا۔ وہ کچھ دیر کھڑا رہا۔ ایک بار پھر اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔ اچانک اس کی نگاہ اس طرف گئی جہاں اس کے باپ کی بڑی تصویر لگی ہوئی تھی، اب وہ وہاں موجود نہیں تھی۔

منصور نے غصّے سے کلثوم کو آواز دی۔

"کلثوم......! ڈیڈ کی تصویر کہاں گئی؟"

"جی اچانک گر گئی تھی اور فریم کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا۔" کلثوم نے بتایا۔

"وہ گر گئی تھی کہ اس شخص نے گرا دی تھی؟ کہاں ہے تصویر......؟" منصور چیخا۔

"جی اسٹور میں رکھوا دی تھی۔" کلثوم سہم کر بولی۔

"اس تصویر کو لے کر آؤ میرے کمرے میں، اس شخص نے آتے ہی میرے باپ کی تصویر کو گرا دیا۔" منصور ایک بار پھر دھاڑا۔ کلثوم بھاگ کر وہ فریم اٹھا لائی جس کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا۔ منصور نے وہ فریم لیا اور وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا اور کلثوم اس جگہ کھڑی اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب کلثوم کچن میں پہنچی تو اس کی قمیض کی سائیڈ والی جیب میں موجود موبائل فون میں سرسراہٹ ہونے لگی۔ اس نے تھوڑا سا کچن سے باہر نکل کر دیکھا اور پھر موبائل فون نکال کر کان سے لگالیا۔ دوسری طرف پروین تھی۔

"منصور گھر آ گیا؟" پروین نے پوچھا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ گھر آئے ہیں۔" کلثوم نے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"اس وقت کہاں ہے وہ...... کیا اپنی امی کے پاس؟" پروین کی آواز آئی۔

کلثوم بولی۔ "بیگم صاحبہ گھر پر نہیں ہیں، وہ صاحب جی کے ساتھ گئی ہیں۔ اس وقت اکیلے منصور صاحب ہی ہیں یہاں!"

"ہوں......! کوئی بات ہوتو مجھے بتانا۔" کچھ سوچنے کے بعد پروین نے کہا۔

"جی اچھا!" کلثوم نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے موبائل فون اپنے کان سے الگ کر کے اپنی قمیض کی سائیڈ والی جیب میں رکھا اور اپنے کام میں لگ گئی۔

☆......☆......☆

عارف اپنے فلیٹ میں ٹہل رہا تھا۔

اس کا موبائل فون میز پر پڑا ہوا تھا اور اس کی نگاہیں بار بار اُس طرف اُٹھ جاتی تھیں۔ عارف کچھ سوچ رہا تھا۔ اسے نوشین کے فون کا انتظار تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس وقت نوشین اسے فون ضرور کرے گی کیونکہ جو وقت اس نے عندلیب سے ملاقات کا بتایا تھا وہ اس سے پہلے اس سے رابطہ کرے گی۔

معاً اس کا موبائل فون بول پڑا۔ وہ جلدی سے فون کی طرف بڑھا۔ اس نے اپنے موبائل فون کی اسکرین کی طرف دیکھا۔ کچھ دیر گزرنے کے بعد اس نے موبائل اُٹھا کر اپنے کان سے لگالیا۔

"ہیلو......؟" عارف بولا۔

"اس وقت میں آئینے کے سامنے کھڑی ہوں اور آپ کا نیکلس میرے گلے میں چمک رہا ہے، میں نے کہا تھا نا کہ آپ کو اس وقت ضرور فون کروں گی۔ جب اسے پہنوں گی۔" دوسری طرف سے نوشین کی مترنم آواز عارف کی سماعت سے ٹکرائی تو اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ بکھر گئی۔

"پسند آیا ہمارا تحفہ......؟" عارف نے پوچھا۔

"آپ کے اس تحفے نے تو میرے حسن کو دوبالا کر دیا ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے آسمان سے چاند اُتر آیا ہے۔" نوشین بولی۔

"آپ کا یہ بڑا پن ہے کہ اس حقیر تحفے کو آپ نے اتنی عزت دے دی۔" عارف نے کہا۔

"عزت تو آپ نے مجھے دی ہے۔ میری پارٹی میں کون نہیں تھا لیکن آپ کے دیئے ہوئے نیکلس سے بڑھ کر مجھے کوئی تحفہ نہیں ملا۔ اس میں خلوص تھا۔" نوشین کی آواز آئی۔

"یہ میری خاندانی روایت ہے کہ میں خالی ہاتھ کہیں نہیں جاتا ورنہ میں تو عندلیب......!"

"کیا آپ میرے ساتھ ایک کپ چائے پی سکتے ہیں؟" نوشین نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"چائے پینے میں کیا حرج ہے۔" عارف بولا۔

"تو پھر آپ ابھی میرے غریب خانے پر آ جائیں۔" نوشین نے پیشکش کی۔

"اس وقت......؟" عارف نے سامنے کیلنڈر کی طرف ایک نظر دیکھا۔

"ہاں اس وقت......! آپ آ کر دیکھیں کہ آپ کا دیا ہوا نیکلس میرے گلے میں کیسا لگتا ہے۔" نوشین کی آواز میں خمار تھا۔

"پھر کسی دن سہی...... مجھے ابھی کچھ دیر کے بعد عندلیب کی طرف جانا ہے۔" عارف نے متانت سے کہا۔

"آپ اس وقت کہاں ہیں مجھے بتائیں۔ میں اپنا ڈرائیور بھیج رہی ہوں، چائے کے ساتھ ہوسکتا ہے کہ پروڈکشن ہاؤس کے لیے میرا تعاون شاید عندلیب سے کہیں زیادہ ملنے کی بات ہوجائے اور آپ اس طرف جانے کا ارادہ ہی بدل دیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن......!"

"لیکن یہ کہ آپ اپنا مجھے ایڈریس لکھوائیں۔"

عارف یہی چاہتا تھا۔ اس نے کچھ تذبذب کے بعد اپنے فلیٹ کا ایڈریس لکھوا دیا۔ فون بند ہوگیا تھا۔ عارف نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر اپنے انگوٹھے سے اپنی ناک کھجائی۔

☆......☆......☆

عارف نے نیا سوٹ زیب تن کیا اور پوری تیاری کے بعد وہ اپنے فلیٹ سے نکل کر نیچے آ گیا۔ اس کا ڈرائیور کار کے پاس کھڑا سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

کچھ ہی دیر کے بعد وہاں ایک کار آ کر رکی، اس کار کا ڈرائیور باہر نکلا اور کار کا دروازہ کھول دیا۔ عارف اندر بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے ایک بار پھر اپنی سیٹ سنبھال لی اور کار وہاں سے روانہ ہوگئی۔

اس کے ڈرائیور نے یہ دیکھا تو فوراً اولیس حبیب کو اطلاع دینے کے لئے اپنی جیب سے موبائل فون نکال لیا کیونکہ وہ عارف کی ڈرائیوری کے ساتھ اس کی جاسوسی پر بھی مامور تھا۔

☆......☆......☆

نوشین نے پوش علاقے میں بہت بڑا بنگلہ لیا ہوا تھا۔ عارف نے اس بنگلے کو باہر سے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں تحسین آ گئی۔

عارف کو نوشین کا ملازم ایک سجے سجائے کمرے میں لے گیا۔ کچھ دیر کے بعد نوشین

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہلکے میک اپ کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ اس وقت وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ دونوں مسکراتے ہوئے رسمی باتیں کرنے لگے۔ نوکر ٹرالی میں جوس، پھل وغیرہ لے آیا اور میز پر سجانے کے بعد چلا گیا۔

"آپ کو یہاں آنے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟" نوشین نے پوچھا۔

"آپ کا ڈرائیور بڑے آرام سے مجھے یہاں لے آیا۔ آپ کا بنگلہ بہت خوبصورت ہے۔" عارف نے تعریف کی۔

نوشین مسکرائی۔ "بہت شکریہ!"

عارف نے نوشین کے گلے میں نیکلس دیکھا تو بولا۔ "اس نیکلس کی قیمت گلے میں پہننے کے بعد بڑھ گئی ہے۔ بے چارہ نیکلس بھی خوش ہوتا ہوگا۔ اپنی قسمت پر رشک کر رہا ہوگا کہ اسے آپ جیسا حسین گلا ملا ہے۔"

عارف کی بات سن کر نوشین کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "الفاظ اچھے استعمال کر لیتے ہیں آپ! کیا پینا پسند کریں گے کافی یا چائے......؟"

"آپ کے ساتھ ایک کپ چائے پی لیتا ہوں۔" عارف بولا۔

نوشین نے ملازم کو چائے لانے کے لیے کہا۔

"آپ پروڈکشن ہاؤس کھولنا چاہتے ہیں؟" نوشین نے کہا۔

"ویسے تو میرا کاروبار بہت پھیلا ہوا اور کامیابی سے چل رہا ہے لیکن آج کے اس دور میں پروڈکشن ہاؤس کھولنا بھی ایک منافع بخش کاروبار ہے۔" عارف نے بات کا آغاز کیا۔

"میری نگاہ ایسے راستوں پر ہی رہتی ہے جہاں مزید پیسہ کمانے کا موقع مل سکے۔"

"پروڈکشن ہاؤس بھی آج کل ایک اچھا بزنس ہے۔" نوشین نے تائید کی۔

"میں اسی ارادے سے یہاں آیا ہوں، ایک پروڈکشن ہاؤس کھولنا چاہتا ہوں لیکن میری کچھ مجبوریاں ہیں جن کی تفصیل میں آپ کو فی الحال نہیں بتا سکتا بس اتنا جان لیجئے کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ابھی میں یہاں اپنے نام کا اکاؤنٹ نہیں کھول سکتا۔ پروڈکشن ہاؤس کے لئے اپنا نام استعمال نہیں کرسکتا، عندلیب سے میری ملاقات دبئی میں ہوئی تھی، وہ وہاں شوٹ کے لئے آئی تھی، وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔'' عارف نے ذہانت سے تیر چھوڑا۔

نوشین سے عندلیب کی تعریف برداشت نہیں ہوئی۔ ''آپ یہ پھل لیں۔''

''شکریہ......! عندلیب میرے ساتھ مکمل تعاون کرنے کے لئے تیار ہے۔ میری اس سے بات ہو چکی ہے۔ میں ایک آدھ دن میں بینک اکاؤنٹ کھولنا چاہتا ہوں، وہ ہوگا تو عندلیب کے نام پر لیکن اس میں پیسہ میرا ہوگا۔ پروڈکشن ہاؤس میں ساری سرمایہ کاری میری ہوگی لیکن پروڈکشن ہاؤس اس کے نام پر ہوگا۔'' عارف نے اپنی بات جاری رکھی۔

وہ وقت ضائع کئے بغیر نوشین کو شیشے میں اتارنا چاہتا تھا۔

نوشین نے یہ سنا تو ایک بار اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ وہ اس کی مجبوریوں کو جاننا نہیں چاہتی تھی لیکن بینک کا اکاؤنٹ اور پروڈکشن ہاؤس عندلیب کے نام ہوگا، یہ سن کر وہ مضطرب ہو گئی تھی۔

''ایک بات کہوں؟'' نوشین نے عارف کی طرف دیکھا۔

''بالکل کہیں!'' عارف بولا۔

''عندلیب سے زیادہ میرا نام ہے۔ میرے نام پر گھسا پٹا ڈرامہ بھی بک جاتا ہے۔ بڑے بڑے ادارے مجھے سائن کرنے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔'' نوشین کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

''میں جانتا ہوں لیکن آپ کی مصروفیات نے مجھے عندلیب کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔'' عارف نے اس کے چھوٹتے ہی کہا۔

''آپ پر ہر مصروفیت قربان......! پہلی ہی ملاقات میں آپ نے جو دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے، وہ میں ایسے ہی تو نہیں چھوڑوں گی۔ میں آپ کے ہر کام میں تعاون کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' نوشین یہ کیسے برداشت کرسکتی تھی کہ اس کی سب سے بڑی مخالف سونے کی مرغی کو کھینچ کر لے جائے۔ اس نے فوراً پیشکش کر دی۔

''میری یہ خوش نصیبی ہوگی لیکن آپ کی مصروفیت کی وجہ سے میں آپ سے بات نہیں کرسکا تھا۔'' عارف خوش ہو گیا۔

''میں آپ کے پروڈکشن ہاؤس کو بنانے کے لئے جو کچھ بھی کرسکی وہ میں ضرور کروں گی۔ بتایئے مجھے کیا کرنا ہے؟'' نوشین نے مسکرا کر کہا۔ وہ یہ موقع بھلا ہاتھ سے کیسے جانے دیتی۔ اسے بیٹھے بٹھائے پروڈکشن ہاؤس مل رہا تھا۔ اپنی ہم عصر اداکاروں پر سبقت لے جانے کا موقع خود چل کر اس کے پاس آیا تھا۔ اخبار اور رسائل میں اس کی خبریں چھپنے والی تھیں کہ نوشین گل نے اپنا پروڈکشن ہاؤس کھول لیا۔ وہ ڈرامہ پروڈیوسر بن گئیں وغیرہ وغیرہ۔ نوشین یہ سوچتے ہوئے لطف اندوز ہونے لگی۔

''اگر آپ رضامند ہیں تو میں یہ ڈیل آپ سے کئے لیتا ہوں۔ آپ اس پروڈکشن ہاؤس کی ہر سیریل میں کام کریں گی اور آپ کا معاوضہ ملنے والے معاوضے سے زیادہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں، پروڈکشن ہاؤس میں آپ کا نام استعمال کرنے کا بھی معاوضہ شامل ہوگا۔'' عارف نے ایک اور گھی لگا لقمہ اس کی طرف بڑھایا۔

''اس کی کیا ضرورت ہے، میں اسی معاوضے میں کام کروں گی۔'' نوشین نے اپنے دل کی حالت کو مخفی رکھتے ہوئے کہا۔

''اب میں عندلیب سے کوئی رابطہ نہیں کروں گا۔ کل مجھے بینک اکاؤنٹ کھلوانا ہے۔ آپ کو میرے ساتھ بینک جانا ہوگا۔'' عارف بولا۔

''میں جانے کے لیے تیار ہوں۔'' نوشین خوش ہوگئی کہ اس کے نام سے اکاؤنٹ کھلے گا۔ اس وقت جو اس کے سامنے بیٹھا ہوا ہے، وہ تو سونے کا مرغا ہے۔

''میں نے ایک عرصہ ٹیلیویژن انڈسٹری کا جائزہ لیا ہے، مجھے تمام دوسری اداکاراؤں میں آپ کا نام ہر لحاظ سے معتبر لگا ہے، آپ کی ایک شخصیت ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ پڑھی لکھی اور خاندانی ہیں لیکن میں جھجکتا رہا کہ کہیں آپ انکار نہ کردیں۔'' عارف تعریف کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کر رہا تھا۔

ان جملوں نے جیسے نوشین کو ہوا میں اڑا دیا۔ ''دیکھیں عارف صاحب! جو کرنا

چاہتے ہیں، اس کے لیے میری خدمات حاضر ہیں۔ میں آپ کی ہر ممکن مدد کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ! میں اس کام کو جلد شروع کرنا چاہتا ہوں۔ یہاں میرا ایک پلاٹ ہے۔ ایک پارٹی سے اس کی ڈیل چل رہی ہے، سوا کروڑ کا پلاٹ ہے بس اس کے فروخت ہوتے ہی مجھے یہاں سے سوا کروڑ مل جائے گا۔" عارف بولا۔ "آج میری ان سے بھی ملاقات ہے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔" نوشین نے سر ہلایا۔

"میں چلتا ہوں، آپ تیار رہنا، کل یا پرسوں آپ میرے ساتھ بینک جائیں گی۔ اکاؤنٹ کھلوانے کے لئے!" عارف ایک دم چونک کر بولا۔ "میں وہ اکاؤنٹ پانچ لاکھ روپے سے کھولنا چاہتا ہوں، میرا پلاٹ بک گیا تو وہ رقم بھی اس میں آ جائے گی اور اس کے بعد وہیں سے میری رقم اس اکاؤنٹ میں منتقل ہو جائے گی۔"

"میں تیار ہوں۔" نوشین مسکرائی۔ "ایک بات کا خیال رہے کہ آپ کے ساتھ تعاون کے لیے میں اپنی مصروفیات محدود کر رہی ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ پھر اس کی طرف چلے جائیں!"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں بزنس مین ہوں، آپ نے ہاں کر کے مجھے عزت دی ہے۔ میں آپ کو بھلا کیسے ٹھیس پہنچا سکتا ہوں۔ اس سے اب کوئی بات نہیں ہوگی۔ مجھے اجازت دیجئے، اب میں سیدھا پراپرٹی ڈیلر کے پاس جاؤں گا۔ میں وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔" عارف اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

نوشین کا ڈرائیور، عارف کو چھوڑنے کے لیے چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی نوشین کی ماں جو ساری باتیں سن رہی تھی، وہ نوشین کے پاس آ گئی۔

"تم اس کے ساتھ شریک ہو کر اچھا کر رہی ہو؟" اس کی ماں نے کہا۔

"اماں! بات سیدھی سی ہے، یہ شخص اپنی بلیک منی کو وائٹ اور میری شہرت کو کیش کرانے کے چکر میں ہے۔" نوشین سوچتی ہوئی بولی۔ "میں ہاں نہ کرتی اور اسے گھیر کر مجبور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہ کرتی تو وہ عندلیب کی جھولی میں جا گرتا۔"

"اب تم اس کا ساتھ دو گی......!" اس کی ماں نے پوچھا۔

"وہ میرے نام پر اکاؤنٹ کھولنا چاہتا ہے اور اس کا یہاں ایک پلاٹ بھی ہے، اس کو فروخت کر کے اس کی رقم سوا کروڑ روپے میرے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائیں گے۔ یہ دولت تو خود میری طرف چل کر آ رہی ہے۔" نوشین نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس کی ماں بھی معنی خیز انداز میں مسکرائی۔ "سچ یہ ہے کہ یہ سن کر میرے منہ میں بھی پانی آ گیا تھا لیکن اکاؤنٹ تمہارے نام کھولنے کے بعد وہ چیک بک تم سے سائن کرا کے اپنے ساتھ لے جائے گا۔"

"میں بھی نوشی ہوں، ایک بار اکاؤنٹ تو کھلوائے پھر اس چیک بک کی حفاظت کرنا میرا کام ہوگا۔ پلاٹ کی رقم آنے تک اُسے ایسی بین سناؤں گی کہ وہ اسی میں مست رہے گا، دس فلموں میں کام کرنے کے بعد میں ٹیلیویژن کی اسکرین کی سپر اسٹار رہی ہوں، زمانے کی چال جانتی ہوں۔" نوشین مسکرائی پھر بولی۔ "ویسے بھی ساجد رات کو کہہ رہا تھا کہ یہ سونے کی چڑیا ہے، پیسہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔"

"لیکن ہوشیار رہنا۔" اس کی ماں بولی۔

"ہوشیار ہی رہوں گی۔ اگر اس نے میرے نام پانچ لاکھ روپے کا اکاؤنٹ کھلوالیا تو پھر اس کے پلاٹ کی رقم اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کرانے کے لئے مجھے اس کی جس طرح خاطر کرنی پڑی، وہ میں کروں گی۔ اگر اس نے چیک بک مجھ سے سائن کرالی تو پھر اس کا ساتھ نہیں دوں گی اور اگر اس نے چیک بک سائن نہ کرائی تو پھر وہ سوا کروڑ روپے اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کرانے کے لئے مجھے جو کچھ بھی کرنا پڑا، وہ کروں گی۔" نوشین نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

"ایک منٹ گاڑی روکنا۔" اچانک عارف نے کہا تو نوشین کے ڈرائیور نے کار ایک طرف کر کے روک لی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''مراد علی نام ہے میرا!'' اس نے اپنا نام بتایا۔

''یہ سگریٹ لانا وہاں سے!'' عارف نے ایک ہزار کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے نوٹ پکڑا اور باہر نکل گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں سگریٹ کی ڈبیہ اور بقایا پیسے تھے۔ کار میں بیٹھتے ہی دونوں چیزیں ایک ساتھ اس نے عارف کی طرف بڑھا دیں۔

عارف نے سگریٹ کی ڈبیہ لی اور باقی پیسے اس کو دیتے ہوئے کہا۔ ''مراد علی! میں نے کبھی بقایا واپس نہیں لیا۔ تم رکھ لو۔''

''لیکن صاحب یہ تو نو سو پچاس روپے ہیں۔'' مراد علی اس کی بات سن کر چونکا۔

''کب سے کام کر رہے ہو تم نوشین کے پاس؟'' اس نے اس کی بات کی طرف توجہ دیئے بغیر پوچھا۔

''آٹھ سال ہو گئے ہیں۔'' مراد علی نے بتایا۔ پیسے ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھے۔

''آٹھ سال بہت ہوتے ہیں تم تو سمندر بن گئے ہوگے۔ مس نوشین کی باتوں کو تم نے اپنے سینے میں دفن کر رکھا ہوگا۔'' عارف مسکرایا۔

وہ بولا۔ ''آٹھ سال میں بہت کچھ دیکھنے کو مل جاتا ہے۔'' وہ اپنی ہتھیلی میں پکڑے نوٹوں پر انگوٹھے کو پھیرتے ہوئے بڑی طمانیت محسوس کر رہا تھا۔

''یہ پیسے رکھ لو۔'' عارف نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

مراد علی نے پیسے جیب میں ڈال لئے اور ہولے سے مسکرایا۔ ''آپ تو کمال آدمی ہیں، مجھے بیس سال ہو گئے ہیں ڈرائیوری کرتے ہوئے، میں نے امیر سے امیر آدمی کا ڈرائیور بن کر وقت گزارا ہے لیکن آپ جیسا آدمی نہیں دیکھا۔''

''مس نوشین بھی دل کی بڑی لگتی ہیں، پیسہ تم پر نچھاور کرتی رہتی ہوں گی؟'' عارف نے ڈبیہ کھولی اور سگریٹ نکال لیا۔

''کہاں جناب! بہت تنگ دل ہیں، لینا جانتی ہیں، دینا نہیں جانتیں۔'' مراد علی کی جیب میں پڑے پیسوں کی اتنی تپش تھی کہ وہ بلاتردد بول گیا۔

''مراد علی......! میں نے بھی دبئی میں ایک عرصہ ٹیکسی چلائی ہے پھر رفتہ رفتہ بزنس کرنا شروع کیا اور اس مقام پر ہوں کہ مجھے یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ میرے کس اکاؤنٹ میں کتنی رقم ہے، ویسے تم یہ ٹیکسی چلانا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟''

''غریب آدمی ہوں، کیا کروں۔'' مراد علی بولا۔

''کوئی اور کام کرو، اپنا کام کرو۔ اس میں عزت ہوتی ہے، کسی کی محتاجی نہیں ہوتی۔ پیسہ میں تمہیں دیتا ہوں کون سا کام کرنا جانتے ہو؟'' عارف نے کہا۔

مراد علی ایک دم سے خوش ہو گیا۔ ''میں خراد کا بہت اچھا کاریگر ہوں لیکن خراد مشین خریدنے کے لئے پیسے نہیں۔''

''خراد مشین خرید کر میں دیتا ہوں۔ تم اس کام کو چھوڑنے کا ارادہ کر لو لیکن ابھی یہ بات نوشین کو نہ بتانا۔''

''میں کیوں بتاؤں گا۔ آپ میرے ساتھ بھلا کر رہے ہیں۔'' مراد علی نے سوچا بھی نہیں تھا کہ عارف کی شکل میں اُسے ایک فرشتہ مل جائے گا۔

''سمجھ لو تمہارا کام ہو گیا ہے۔ پر ایک کام تم میرا یہ کرو کہ مجھے بتاؤ مس نوشین کا اس وقت سب سے زیادہ تعلق کس کے ساتھ ہے۔'' عارف اپنے مطلب کی بات پر آ گیا۔

''ابھی تو کسی کے ساتھ کوئی خاص نہیں ہے، ایک صاحب ہوا کرتے تھے ان کا نام راحیل پاشا تھا، وہ ان کے بہت دیوانے تھے۔ بہت کچھ انہوں نے دیوانگی میں ان پر نچھاور کر دیا اور پھر ان کی بے وفائی پر وہ دل کے ہاتھوں مر گئے۔'' مراد علی بولا۔

''کیا کیا نچھاور کر گیا تھا وہ مس نوشین پر؟'' عارف نے اپنے ناخن کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''اور کا تو مجھے پتہ نہیں، یہاں ایک کمرشل پلاٹ ہے، وہ انہوں نے میرے سامنے مس نوشین کے نام کیا تھا۔''

"پلاٹ......؟" عارف چونکا۔

"ہاں......! راحیل پاشا یہاں کے ایک بڑے کاروباری شخص اویس حبیب کے پارٹنر بھی تھے، وہ پلاٹ پاشا کی ذاتی ملکیت تھا۔" مراد علی نے بتایا۔ اس کی بات سن کر عارف سوچنے لگا۔ وہ بات کو بہت حد تک سمجھ گیا تھا۔ وہ پلاٹ راحیل پاشا کا تھا اور راحیل پاشا کا مس نوشین سے چکر تھا۔ اب وہ اس پلاٹ کو اس سے کسی طرح سے نکلوانا چاہتا تھا۔

اس کا مطلب ہے کہ اویس حبیب بھی مس نوشین کے چکر میں ہوگا؟" عارف نے پوچھا۔

"چار ماہ میں نے بھی اویس حبیب کے پاس ڈرائیونگ کی ہے۔ اس جیسا کمینہ آدمی میں نے زندگی میں نہیں دیکھا۔ دوسروں کے مال پر نگاہ رکھتا ہے۔ لوگوں کا شک ہے کہ اویس حبیب نے ہی راحیل پاشا کو قتل کروایا ہے کیونکہ وہ اس پلاٹ کو کسی طرح ہتھیانا چاہتا تھا، جب اسے پتہ چلا کہ وہ پلاٹ پاشا نے مس نوشین کے نام کر دیا ہے تو وہ پاگل ہی ہوگیا تھا۔" مراد علی بولا۔

"تم تو واقعی سمندر ہو۔" عارف نے اس کی طرف تعریفی نگاہوں سے دیکھا۔

"آپ جیسا ہمدرد انسان دیکھ کر میرا دل آپ کے سامنے کھل گیا ہے جناب!" مراد علی مسکرایا۔

"کار اسی جگہ روک دو۔" عارف نے کہا۔

اور کار ایک طرف رک گئی۔ کار سے باہر آنے سے پہلے ایک ہزار کا نوٹ اس نے مراد علی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "انکار مت کرنا...... یہ اس لئے ہے کہ تم مجھے اچھے لگے ہو۔ بچوں کے لیے پھل، فروٹ لے جانا۔" عارف نے ہزار کا نوٹ اس کے ہاتھ میں تھمایا اور مراد علی خوش ہو کر اس نوٹ کو دیکھنے لگا۔

عارف دوسری طرف سے گھوم کر اپنی عمارت تک آ گیا اور جب گیٹ عبور کیا تو اس کا ڈرائیور ایک طرف بیٹھا ہوا تھا۔ اس کو دیکھتے ہی چونکا اور جونہی عارف اندر گیا، اس نے اپنا موبائل فون پھر نکال لیا۔

☆......☆......☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عارف اس وقت اویس حبیب کے سامنے براجمان تھا۔ کمرے میں سگریٹ کے دھویں کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ میز پر رکھی ایش ٹرے میں بجھے ہوئے سگریٹوں کے ساتھ دھواں اُٹھ رہا تھا۔

"تم نے مجھے بتایا نہیں ہے کہ تمہارا کھیل کہاں تک پہنچا ہے؟" اویس حبیب نے پوچھا۔

"آپ نے مجھے مس نوشین تک رسائی بڑی ہوشیاری اور کامیابی سے دلا دی۔ اب میرا کھیل شروع ہے، آپ نے مجھے تیس دن دیئے ہیں، کام بہت کٹھن ہے۔ میں نے سات دن کا ٹارگٹ رکھا ہے، اگر ان سات دنوں میں کچھ ہو سکا تو ٹھیک ہے ورنہ میں ہارے ہوئے جواری کی طرح چلا جاؤں گا۔" عارف نے بتایا۔

"تم ہار کا کیوں سوچتے ہو۔ انسان کو صرف جیت کے بارے میں سوچنا چاہیے۔" اویس حبیب نے کہا۔

"جیت اور ہار ندی کے دو کنارے ہیں۔ ایک پاؤں ہار اور دوسرا پاؤں جیت کے کنارے پر ہوتا ہے۔ اس لئے ہم اس بات کو رد نہیں کر سکتے ہیں کہ ہمارے دونوں پاؤں جیت کے کنارے پر ہی ہوں گے۔ کوئی غلطی، کوئی کوتاہی ہمیں دونوں پاؤں ہار کے کنارے پر بھی تو رکھنے پر مجبور کر سکتی ہے۔" عارف نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے امید ہے کہ تم جیت جاؤ گے۔ آج اچانک کہاں چلے گئے تھے؟" اویس حبیب نے پوچھا۔

عارف مسکرایا۔ "ونڈو شاپنگ کرنے کے لئے نکل گیا تھا۔ فی الحال مجھے پانچ لاکھ روپے نقد اور ابھی چاہئیں جو آپ کو چند روز میں واپس مل جائیں گے۔" عارف نے کہا۔

"کیا کرنا چاہتے ہو اس رقم کا......؟" اویس حبیب نے کہا۔

"یہ بھی میرے کھیل کا ایک حصہ ہے۔ قبل از وقت بتانا مناسب نہیں۔" عارف نے صاف کہا۔

"تمہارے پاس کریڈٹ کارڈ ہے، تم اس کو استعمال کر لو۔" اویس حبیب کو اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات سن کر تکلیف تو ہوئی لیکن وہ اس کاریس میں دوڑتا ہوا گھوڑا تھا۔ اس پر اس نے داؤ لگا یا ہوا تھا اس لئے فی الحال وہ اپنے اندر کی کیفیت اس پر عیاں نہیں کرسکتا تھا۔

’’مجھے پانچ لاکھ روپے کیش درکار ہیں۔‘‘ عارف نے کہا۔

اویس حبیب نے کچھ دیر سوچا اور پھر انٹرکام اٹھا کر اپنے کان سے لگایا اور اپنے اکاؤنٹنٹ کو ہدایت کی کہ وہ ابھی پانچ لاکھ روپے کیش اس کے پاس لے آئے۔

’’مسٹر عارف......کھیل دلچسپ لگ رہا ہے؟‘‘ اویس حبیب مسکرایا۔

’’میں ریس میں دوڑتے ہوئے گھوڑے کی طرح اپنے قدم زمین پر جما رہا ہوں۔‘‘ عارف کا لہجہ پراسرار ہو گیا تھا۔ ’’لیکن میں نہیں جانتا کہ میرا کون سا قدم مجھے ہرا دے گا اور کون سا قدم فتح دلا دے گا۔‘‘

’’پیر زمین پر اتنے مت جمالینا کہ ہمیں وہ اکھاڑنے پڑیں۔‘‘ اویس حبیب نے اپنی نگاہیں اس پر جمادیں اور پھر مسکرایا گویا جیسے اس نے یہ بات محض مذاق میں کہی ہے۔

’’ایسی نوبت نہیں آئے گی۔‘‘ عارف نے کہا۔

اسی اثناء میں اکاؤنٹنٹ پانچ پانچ ہزار کے نوٹوں کی ایک گڈی لے آیا۔ اویس حبیب نے اس سے وہ گڈی لے لی۔ اکاؤنٹنٹ الٹے پاؤں واپس چلا گیا۔ اویس حبیب نے وہ گڈی عارف کی طرف بڑھادی۔

عارف نے گڈی اٹھائی اور کھڑا ہو گیا۔ ’’میں چلتا ہوں۔‘‘

’’گڈ بائے!‘‘ اویس حبیب بولا۔ عارف نکل گیا اور اویس حبیب سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ’’مجھے تمہارے جیتنے کا انتظار ہے مسٹر عارف۔ جیت گئے تو ٹھیک اور ہار گئے تو تم نہیں جانتے میرا یہ رسک مجھے دھکیل کر کتنا پیچھے لے جائے گا۔

☆......☆......☆

دن کے دس بج گئے تھے۔

منصور ابھی بستر پر ہی تھا کہ اس کا موبائل فون بول پڑا۔ اس نے اسکرین پر نمبر

دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ جونہی اس نے موبائل فون آن کر کے کان سے لگایا سائرہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

’’گڈ مارننگ!‘‘ اس کی آواز میں شگفتگی تھی۔

’’گڈ مارننگ!‘‘ منصور نے کہا۔

’’کیا ہو رہا ہے؟‘‘ سائرہ نے پوچھا۔

’’ہونا کیا ہے، اپنے کمرے میں بند ہوں۔‘‘ منصور نے بتایا۔

’’کمرے میں کیوں بند ہیں آپ......؟ دل کی اداسی ابھی ختم نہیں ہوئی؟‘‘ سائرہ نے پوچھا۔

’’مجھے ایسا لگتا ہے جیسے اس کمرے کے باہر میرے لئے ایسا علاقہ شروع ہو جاتا ہے جہاں میں جانا نہیں چاہتا، جیسے وہ کوئی صحرا ہے۔‘‘ منصور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ’’دور تک اڑتی ہوئی خاک اور آگ برساتا ہوا سورج ہے۔‘‘

’’آپ کے کہنے پر میں نے اپنے دل کی ویرانیاں دور کر دی ہیں۔ میں نے اپنی مما سے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ جو کرنا چاہتی ہیں۔ کرلیں لیکن جو زندگی میں جینا چاہتی ہوں، اس میں آپ مداخلت نہیں کریں گی۔‘‘ سائرہ نے کہا۔

’’یہ تو آپ نے اچھا فیصلہ کیا ہے، اس سے بحث کا خاتمہ ہو جائے گا۔‘‘ منصور بولا۔ ’’ان کو کرنے دو اپنی مرضی!‘‘

’’یہ میں نے آپ کے کہنے پر کیا ہے۔ آپ نے جو مجھے حوصلہ دیا تھا، یہ اس کی بنیاد پر ہوا ہے لیکن آپ خود کیوں اس پر عمل نہیں کرتے، جو آپ کی مما نے کیا، وہ آپ ان پر چھوڑ دیں، آپ کے سامنے تو بھرپور زندگی موجود ہے، آپ وہ کیوں نہیں جیتے؟‘‘ سائرہ کے لہجے میں متانت تھی۔

’’ایک بات کہوں؟‘‘

منصور کہتے کہتے رک گیا۔ ’’چلیں پھر کہوں گا، ابھی نہیں۔‘‘

’’آپ جو کہنا چاہتے ہیں، کہہ دیں ہم دوست ہیں، ایک دوسرے کے غم خوار

ہیں۔" سائرہ بولی۔ "ہم نے طے کیا تھا کہ ہم اپنے دل کی بات ایک دوسرے سے نہیں چھپائیں گے۔"

منصور نے کچھ توقف کے بعد کہا۔ "ہم ملے، ہم نے دوستی کی، ایک دوسرے سے اپنا غم کہا، ہم تکلف ختم کیوں نہیں کر دیتے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ ہم کون سا تکلف کر رہے ہیں؟" سائرہ نے پوچھا۔

"یہ آپ آپ کی جو گردان کرتے رہتے ہیں، یہ ختم کر کے اگر ہم ایک دوسرے کو تم کہیں تو ہم ایک دوسرے کے اور قریب نہیں آ جائیں گے؟" منصور بولا۔

"تکلف کی ہمارے بیچ جو دیوار ہے وہ گر جائے گی۔"

سائرہ مسکرائی۔ وہ بھی یہی چاہتی تھی۔ "آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن آپ سے تم تک ہم آہستہ آہستہ آ جائیں گے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ آج سے ہم ایک دوسرے کے لیے جئیں گے۔ ہم اپنی زندگی کے فیصلے خود کریں گے، کوئی اس میں مداخلت نہیں کرے گا، میری مما نے دوسری شادی کی میں اسے بھول جانا چاہتا ہوں۔ ہم اپنی نئی دنیا بسائیں گے۔"

"نئی دنیا کیسے بسائیں گے منصور......؟" ایک دم سے سائرہ سنجیدہ ہوتی ہوئی بولی۔

"جیسے دنیا بستی ہے، ویسے ہی بسائیں گے۔" منصور نے جواب دیا۔

"ہم دونوں کے پاس کیا ہے۔ میری ماں جب چاہے مجھے لات مار کر اس گھر سے نکال دے بلکہ میں خود یہ گھر چھوڑ دوں گی، جب میری ماں اس شخص سے شادی کر لے اور منصور آپ بھی تو ماں کی دی ہوئی چھت تلے ہی رہ رہے ہیں۔" سائرہ نے کہا۔

"ہم دونوں کے پاس اپنا کیا ہے، کچھ بھی نہیں ہے، سوائے اس آسمان کے جو ہمارے سر پر ہے۔"

"میرے پاس یہ گھر ہے، بزنس ہے، سب کچھ ہے۔" منصور بولا۔

"آپ نے خود ہی بتایا تھا کہ ساری پراپرٹی آپ کی ماں کے نام ہے۔ بزنس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اختیار ان کا ہے، آپ کو جیب خرچ ملتا ہے۔ آپ کو آپ کا سوتیلا باپ گھر سے نکال دے تو آپ کے پاس کیا رہ جائے گا؟ وہ جو آپ کے تن پر کپڑے ہوں گے بس......؟"

اُس کی بات سن کر منصور سنجیدہ ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا۔ سائرہ نے ایک نئی سوچ اس کے دل و دماغ میں ڈال دی تھی۔ اس بارے میں اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ سب کچھ اپنا سمجھ رہا تھا۔ اس کے سوتیلے باپ کے آ جانے سے اب اس کا کچھ نہیں رہا تھا۔ وہ کچھ بھی اس کے بارے میں فیصلہ کر سکتا تھا۔ وہ مریل سے انداز میں بولا۔ "تم ٹھیک کہتی ہو، اب یہ گھر بھی تو میرا گھر نہیں رہا۔"

"سوری منصور! میں نے تم سے یہ بات کی لیکن ہم اس دوستی سے کچھ آگے بڑھیں اور پھر واپسی کے لیے ہمیں راستہ نہ ملے، بہتر تھا کہ میں آپ کو اس حقیقت سے روشناس کرا دیتی۔ ٹھیک ہے۔ میں فون بند کرتی ہوں۔ میں اپنی ماں سے کچھ مانگوں گی تو مجھے کچھ نہیں ملے گا، آپ اپنی مما سے مانگیں گے تو آپ کے فادر کی چھوڑی ہوئی جائیداد میں تو آپ کا قانونی حصہ اور حق ہے لیکن آپ اپنی ماں سے لڑ نہیں سکتے۔ جائیداد اور پیسہ ماں بیٹے کے بیچ میں آئے گا تو اچھا نہیں ہوگا۔ اس لئے ہم ملے، ایک نے دوسرے کو حوصلہ دیا، یک دوسرے کا غم سنا، غم محسوس کیا اور خواب بھی بُن لئے لیکن یہ خواب ایسے ہی پورے نہیں وں گے۔ ہم لاچار ہیں، کچھ نہیں کر سکتے۔ ہمیں یہ خواب دیکھنے کا حق نہیں ہے، خالی پیٹ و نیند نہیں آتی، محبت کیسے ہو سکتی ہے۔" منصور نے سنا کہ سائرہ نے روتے ہوئے ہچکیاں بں اور پھر فون بند کر دیا۔

منصور اسے مخاطب کرتا رہا۔

سائرہ نے جو کہنا تھا، اس نے بڑی ہوشیاری سے کہہ دیا تھا۔ آخر میں رونے کی چھی اداکاری بھی کر دی تھی۔ منصور اس کی کہی ہوئی باتوں پر غور کرنے لگا۔ اسے سائرہ کی ہر بات میں سچائی دکھائی دینے لگی تھی۔ وہ سچ کہہ رہی تھی کہ انسان کے پاس کرنے کے لئے کچھ ہونا بھی چاہئے۔ سائرہ اپنی ماں سے کیا مانگ سکتی تھی لیکن اس کی ماں کے پاس جو دولت اور جائیداد کا انبار تھا، وہ تو اس کے باپ کا چھوڑا ہوا تھا، اس دولت کا فائدہ اظہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حسین اٹھانے کی کوشش کرے گا، اسے بیٹھے بٹھائے کروڑوں کی دولت مل گئی ہے۔

منصور نے سوچا کہ وہ سمندر کے بیچ میں کھڑا ہو کر کیوں پیاسا ہے؟ اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی دولت پر اس کا حق ہے۔ اپنی ماں اور اظہر حسین کی زندگی سے اسے نکلنا ہی ہے تو پھر وہ اپنا حق لے کر نکلے گا۔

سائرہ کی باتیں سن کر جہاں وہ بے چین ہو گیا تھا اور بہت کچھ سوچنے لگا تھا، وہاں دوسری طرف سائرہ اور اس کی آنٹی مچھلی کی طرف کانٹا پھینک کر اطمینان سے بیٹھی ہوئیں اس کے کانٹا منہ میں لینے کا انتظار کر رہی تھیں۔

☆......☆......☆

نوشین کی حیرت میں اس وقت اضافہ ہو گیا جب پانچ لاکھ روپے سے بینک میں عارف نے اس کے نام پر اکاؤنٹ کھلوا دیا۔ جب وہ بینک سے باہر نکل رہی تھی تو اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ بیٹھے بٹھائے پانچ لاکھ روپے کی اکاؤنٹ ہولڈر ہو گئی ہے۔ یہ بات اس کے لیے مزید حیرت کا باعث تھی کہ عارف نے یہ کہہ دیا تھا کہ وہ چیک بک اپنے پاس سنبھال کر رکھے۔

نوشین کو اور کیا چاہیے تھا۔ واپس جانے کے لیے دونوں کار میں بیٹھ گئے تھے۔ کار مراد علی چلا رہا تھا۔ اس بار بھی عارف بڑی ہوشیاری سے اپنے ڈرائیور سے آنکھ بچا کر پچھلی طرف سے نکل آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اویس حبیب کا مخبر ڈرائیور ہے۔

''ایسا کرنا ڈیفنس کے علاقے کی طرف چلنا ہے جہاں کمرشل خالی پلاٹ ہیں۔''

عارف نے مراد علی سے کہا۔

''جی اچھا!'' ڈرائیور بولا اور گاڑی کا رخ موڑ دیا۔

''وہاں کیا ہے؟'' نوشین نے پوچھا۔

''وہاں بھی کچھ ہے۔'' عارف مسکرایا۔

اس علاقے میں پہنچ کر عارف نے کار ایک پلاٹ کے سامنے کھڑی کر دی۔ نوشین

متحیر نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔

''یہ میرا پلاٹ ہے جو سوا کروڑ روپے کا ہے۔'' عارف نے ایک پلاٹ کی طرف اشارہ کیا۔ نوشین نے اس طرف دیکھا تو اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ پھر عارف نے دوسرے ہی لمحے اس خالی پلاٹ کے ساتھ والے کارنر پلاٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ پلاٹ پتہ نہیں کس کا ہے، اس پلاٹ کی وجہ سے میرا پلاٹ بکنے سے رُکا ہوا ہے۔''

''اس پلاٹ کی وجہ سے آپ کا پلاٹ کیوں فروخت نہیں ہو رہا؟'' نوشین چونکی۔

''دراصل جو پارٹی میرا پلاٹ خرید رہی ہے، وہ چاہتی ہیں کہ یہ پلاٹ بھی ساتھ ملے، اس پلاٹ کو میرے پلاٹ کے ساتھ خریدنے سے ان کو مطلوبہ جگہ مل جاتی ہے، اگر یہ کارنر والا پلاٹ ان کو نہیں ملتا تو میرا پلاٹ ان کے لیے خریدنا کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔'' عارف نے متانت سے بتایا۔

نوشین دونوں پلاٹوں کو دیکھتی رہی۔ دونوں بڑے پلاٹ تھے، ایک ساتھ تھے۔

''کیا وہ پارٹی صرف آپ کا پلاٹ خریدنے کے لیے تیار نہیں ہے؟''

''نہیں......! اگر میں اکیلا پلاٹ فروخت کرتا ہوں تو اس کا سوا کروڑ نہیں ملتا، پیسے کم ملتے ہیں، اکاؤنٹ آپ کے نام کھل گیا ہے اسی لئے جلدی کھول دیا تھا کہ پلاٹ سیل ہو تو اس کی رقم فوری اس میں جمع ہو جائے۔'' عارف بتا رہا تھا۔

''پلاٹ کی رقم کیا کیش ملے گی؟'' نوشین نے پوچھا۔

ایک لمحے کے لیے نوشین کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔ اس کے نام پر اکاؤنٹ کھل گیا تھا۔ پانچ لاکھ روپے کی وہ اس وقت مالک بن چکی تھی۔ وہ کارنر والا پلاٹ نوشین کا تھا۔ عارف نے کل ہی اس جگہ کا معائنہ کیا تھا اور ایک ساتھ دو پلاٹ دیکھ کر اس نے یہ کہانی گھڑی تھی۔ اب نوشین کا جال میں آنے کا انتظار تھا۔

نوشین اپنی سوچ رہی تھی کہ اس کے پلاٹ کے ساتھ اگر بڑی رقم آ رہی تھی تو اس پلاٹ کو فروخت کرنے میں کیا حرج ہے۔ پیسہ ہی پیسے کو کھینچتا ہے۔ جب رقم اکاؤنٹ میں

منتقل ہو جائے گی، اس کے بعد میرے لئے عارف بھولی بسری داستان کی طرح ہو جائے گا۔ پلاٹ کا کیا ہے، وہ کہیں بھی خرید سکتی ہے۔ سوا کروڑ ہاتھ لگ جائے تو کیا مضائقہ ہے۔

”آپ کیا سوچ رہی ہیں؟“ اچانک عارف نے پوچھا۔ ”یکدم چپ ہو گئی ہیں آپ......؟“

نوشین چونکی۔ ”کچھ نہیں......! مراد علی چلو واپس چلو۔“

کار نوشین کے گھر کی طرف چل پڑی۔ وہاں نوشین اتری اور اپنے بنگلے میں چلی گئی جبکہ مراد علی، عارف کو چھوڑنے کے لیے چلا گیا۔

☆......☆......☆

نوشین گھر میں آتے ہی ایک طرف بیٹھ گئی اور سوچنے لگی۔ اس کی ماں اس کے پاس جا کر بولی۔ ”کیا بات ہے...... بہت چپ چپ ہو؟“

نوشین نے اپنے ہینڈ بیگ سے چیک بک نکال کر اپنی ماں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”میرے نام کی چیک بک مل گئی ہے، پانچ لاکھ روپے کا اکاؤنٹ میرے نام پر کھل گیا ہے۔ میری دولت میں اضافہ ہو رہا ہے۔“

”اچھا......! اس کا مطلب ہے کہ تم پر وہ اعتماد کرتا ہے۔“ اس کی ماں خوش ہو گئی۔

”وہ بھی اندھا اعتماد!“

”ماں......! کبھی تم نے جوا کھیلا ہے؟“ نوشین کا سوال سن کر اس کی ماں حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔

”یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“ اس کی ماں نے اس کی طرف دیکھا۔ ”کیا جوا کھیلنے کا ارادہ ہے؟“

”دل چاہتا ہے کہ میں بھی ایک جوا کھیلوں۔“ نوشین کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ اس کی ماں اس کی طرف حیرت سے دیکھ رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”یہ کیا کہہ رہی ہو تم!“ اس کی ماں بولی۔ ”پانچ لاکھ روپے آخر کس جوئے میں اڑا دینا چاہتی ہو؟“

”عارف کے پاس ایک پلاٹ ہے جس کی مالیت سوا کروڑ روپے ہے، وہ پلاٹ میرے پلاٹ کے ساتھ ہے، اس کی خریدار پارٹی میرا پلاٹ بھی ساتھ خریدنا چاہتی ہے، سوچ رہی ہوں کہ اپنا پلاٹ بیچ دوں۔“ نوشین نے بتایا۔

”یہ کیا کرنے لگی ہو تم! ہم بیچتے نہیں، بس خریدتے ہیں۔“ اس کی ماں نے جلدی سے انکار کیا۔

”ماں......! ایک بات غور سے سن۔ اکاؤنٹ میرے نام ہے۔ دونوں پلاٹ اگر فروخت ہو جائیں گے تو اس پلاٹ کی رقم بھی میرے اکاؤنٹ میں آ جائے گی، پیسے کے ساتھ اگر پیسہ آ رہا ہے تو کیا حرج ہے۔“

”اگر اس نے پہلے چیک بک مانگ لی تو......؟“

”پھر میں صاف کہہ دوں گی کہ میری ایک شرط ہے کہ جب تک میں اپنی رقم اس اکاؤنٹ سے نہیں لے لوں گی تب تک چیک بک نہیں دوں گی اور اگر وہ اعتبار کا حلوہ کھاتا رہا تو میں بھی چپ رہوں گی، جب رقم اکاؤنٹ میں آ جائے گی تو پھر دنیا کا کوئی قانون یہ ثابت نہیں کر سکے گا کہ میرے نام کے اکاؤنٹ میں اس کا بھی پیسہ تھا اور میرے نام کا اکاؤنٹ دراصل اس کا اکاؤنٹ ہے۔“ نوشین نے کہا۔

اس کی بات سن کر اس کی ماں کے منہ میں بھی پانی بھر آیا تھا۔ دونوں کو لگا کہ وہ اس طرح سے عارف کا پیسہ بھی کھینچ سکتی ہیں۔

☆......☆......☆

نوشین نے عارف کو فون کر کے بتایا کہ وہ پلاٹ اس کا ہے۔ عارف نے یہ سنتے ہی خوشی سے اچھلنے کی اداکاری کی۔ نوشین نے مزید کہا کہ وہ آپ کے پلاٹ کے لئے اپنے پلاٹ کو فروخت کرنے کے لیے تیار ہے۔

"آج آپ نے مجھے خرید لیا ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ کوئی میری اس قدر بھی مدد کر سکتا ہے، میرے لئے آپ کی یہ قربانی مجھے زندگی کی آخری سانس تک یاد رہے گی، آپ گریٹ ہیں۔" عارف فرطِ مسرت سے کہہ رہا تھا۔

"میں نے سوچا کہ پھر شاید آپ کو یہ پلاٹ کم قیمت پر بیچنا پڑے اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ میں آپ کو اختیار دیتی ہوں کہ آپ میرا پلاٹ فروخت کر دیں۔"

"مس نوشین! آپ کا بہت بہت شکریہ...... میں یہ بات کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ آپ نے مجھ پر احسان کیا ہے ورنہ میں پراپرٹی ڈیلر سے یہ کہنے کے لیے جا رہا تھا کہ اس پلاٹ کو کسی بھی قیمت پر فروخت کر دے۔" عارف بڑی ہوشیاری سے بولا۔

"میں ایک بات کہنا چاہتی ہوں، مجھے امید ہے کہ آپ بُرا محسوس نہیں کریں گے۔" نوشین بولی۔

"آپ بولیں، کیا بولنا چاہتی ہیں، بُرا لگنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" عارف نے کہا۔

○○○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

......

"میری ماں نے دنیا سے بہت دھوکے کھائے ہیں۔ بہت کم کسی پر اعتماد کرتی ہیں۔ ان کے مجبور کرنے پر میں یہ کہہ رہی ہوں کہ دونوں پلاٹوں کی رقم جب میرے اس نئے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائے گی تو ہم اپنی رقم نکلوا کر آپ کو چیک بک واپس کریں گے۔" نوشین نے کچھ اس انداز میں بات کی کہ محسوس ہو کہ وہ اپنی ماں کے حکم کے ساتھ بندھی، مجبوری میں یہ بات کہہ رہی ہے۔

عارف مسکرایا۔ اس نے شاطرانہ انداز میں اپنی آنکھوں کو دبایا اور بولا۔ "میری مجبوریاں ہیں جو آپ کو بعد میں بتاؤں گا کہ میں اپنے نام سے اکاؤنٹ فی الحال یہاں کھول نہیں سکتا۔ میری چار دن کے بعد دبئی سے ایک بڑی رقم بھی آپ کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو رہی ہے۔ آپ کا اکاؤنٹ نمبر میں نے دے دیا ہے۔ میں چیک بک اپنے پاس نہیں رکھ سکا۔ بس آپ سے میں اپنی ضرورت کے لئے ایک چیک لوں گا چھوٹا سا۔"

"جیسا میں نے بتایا کہ میں اپنی امی کی وجہ سے یہ سب کہہ رہی ہوں، ورنہ وہ سب آپ کی امانت ہے۔" نوشین نے اپنی آواز سے ندامت ظاہر کی۔ اداکارہ تھی، آواز کا اتار چڑھاؤ خوب جانتی تھی جبکہ دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔

"آپ ایک کام کریں گی۔ پراپرٹی ڈیلر سے میں آپ کی بات کراؤں گا۔ آپ اس کو یہ بول دیں کہ اس پلاٹ کو فروخت کرنے کا آپ نے مجھے اختیار دے دیا ہے۔"

عارف دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"آپ بات کرا دیجئے، میں یہ کہہ دوں گی۔" نوشین نے کہا اور پھر فون بند ہو گیا۔

عارف خوش تھا کہ اس کا ہر نشانہ ٹھیک جگہ پر لگ رہا ہے اور قسمت اس کا پوری طرح ساتھ دے رہی ہے۔

جب نوشین نے موبائل فون بند کیا تو پاس بیٹھی ماں نے پوچھا۔ "یہ کیا کیا تم نے؟ چیک بک کی بات بھی چھیڑ دی۔ وہ مشکوک ہو گیا تو؟"

"جو میں نے سوچا تھا ویسا ہی ہوا۔ وہ مجبور ہے اپنا پلاٹ بیچنے کے لئے ورنہ پلاٹ کی الگ قیمت کم لگتی ہے۔ میں نے سوچا کہ بات صاف کروں۔ اگر نہ مانا اور اس نے ضد کی تو پانچ لاکھ روپے اس کے منہ پر مار کر اسے چلتا کر دوں گی۔ مان جانے کی صورت میں میری طرف سے تب بھی اس کے مقدر میں دھکا ہی ہے۔" وہ ہنسی۔ "وہ مان گیا بلکہ اس نے کوئی بات ہی نہیں کی، اب اس کی پیٹھ پر وہ لات پڑے گی کہ کسی عدالت میں جا کر کچھ کہنے کے قابل بھی نہیں رہے گا۔" اس کی بات سن کر اس کی ماں کی مسکراہٹ طویل ہوتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

دوسرے دن محبوب کے پراپرٹی دفتر میں خریدار موجود تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس کا پلاٹ نوشین کے پلاٹ کے ساتھ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ پلاٹ مشہور اداکارہ نوشین کا ہے۔ عارف نے ایک میٹنگ محبوب سے کر لی تھی اور کچھ باتیں اسے سمجھا دی تھیں۔ پراپرٹی ڈیلر اپنے کمیشن کے لیے کسی جھوٹ بولنے سے نہیں ہچکچاتے۔ وہ عارف سے بھی کہیں زیادہ پُر جوش تھا کہ اس کا سودا بس لمحوں میں ہو جائے اور اس کا کمیشن پکا ہو جائے۔

"وہ کہاں ہیں جن کا پلاٹ ہے......؟" اس شخص نے پوچھا۔

"وہ ایسے کاموں کے لئے گھر سے نہیں نکلا کرتیں۔ ان کی جگہ یہ ڈیل کریں گے۔" محبوب نے جلدی سے عارف کی طرف اشارہ کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں ان کی ڈیل کو کیسے مان لوں۔ اصل مالک ڈیل کرے۔" وہ محتاط طریقے سے بولا۔

اسی وقت کے لئے عارف نے نوشین سے کہا تھا کہ وہ فون پر بات کر کے اجازت دے دے۔ اس نے جلدی سے اپنا موبائل فون نکالا اور نوشین کا نمبر ملانے کے بعد اس سے بات کی۔ "مس نوشین پارٹی سے بات کر کے آپ پلیز ان کو یہ بتا دیں کہ اس پلاٹ کو فروخت کرنے کا اختیار آپ نے مجھے دے دیا ہے۔" عارف نے وہ فون اس آدمی کی طرف بڑھا دیا۔

نوشین کا نام سن کر اور اس تصور سے کہ وہ ٹیلیویژن اسٹار سے بات کرنے جا رہا ہے، اس کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے فون کان کو لگایا اور بولا۔ "ہیلو...... جی۔"

"عارف صاحب کو میں نے یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ اس پلاٹ کو فروخت کر دیں۔ کاغذات پر میں دستخط کر دوں گی۔ آپ ان سے ڈیل کریں۔" نوشین کی شیریں آواز سن کر اس کے لئے مزید کچھ بولنا اختیار میں ہی نہیں رہا اور اس نے مسکرا کر فون عارف کی طرف بڑھا دیا۔

اس کے بعد پلاٹ کی خریداری پر بات ہونے لگی۔ بحث مباحثہ ہوا، جوڑ توڑ ہوا اور وہ پلاٹ ڈیڑھ کروڑ روپے میں دس لاکھ روپے بیعانے کے عوض اس آدمی نے خرید لیا۔ ایک تحریر ہوگئی اور کل ساری رقم دینے کا وعدہ ہو گیا۔

عارف نے باہر نکل کر نوشین کو فون کیا اور بولا۔ "مبارک ہو۔ دونوں پلاٹوں کا سودا ہو گیا ہے۔ دونوں پلاٹ ساڑھے چار کروڑ روپے میں فروخت ہوئے ہیں۔ آپ مجھے اس پلاٹ کی رجسٹری اور اپنے آئی کارڈ کی فوٹو کاپی پراپرٹی ڈیلر کے پاس پہنچا دیں، میں انتظار کر رہا ہوں۔ کاغذات تیار ہوتے ہیں۔ کل بیان ہے اور ساری رقم بیان سے پہلے آپ کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو چکی ہوگی۔ دس لاکھ روپے بیعانہ کی رقم آپ کے اکاؤنٹ میں جمع ہو رہی ہے۔"

ساڑھے چار کروڑ روپے کا سن کر نوشین کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے

تھے۔ دماغ کچھ اور سوچنے کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ ابھی اپنے ملازم کے ذریعے دونوں چیزیں بھجوا دیتی ہے۔ ایک گھنٹے کے اندر نوشین کا ڈرائیور مراد علی وہ چیزیں لے کر اس جگہ آ گیا جہاں عارف نے بلایا تھا۔ مطلوبہ چیزیں اس نے محبوب کے حوالے کر دیں۔

عارف اپنے فلیٹ سے ڈرائیور سے چھپ کر نکلا تھا۔ وہ پچھلے راستے سے اپنی عمارت میں داخل ہوگیا اور سیدھا اپنے فلیٹ میں چلا گیا۔

☆......☆......☆

منصور فیصلہ کر چکا تھا۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ ماں نے اس کی پروا نہیں کی ہے اس لئے اسے بھی اپنی ماں سے کوئی ہمدردی نہیں رہی۔ وہ اپنا حصہ مانگے گا اور اپنا کاروبار کرے گا اور سائرہ کو اپنی بیوی بنا کر اس کی اجیرن زندگی کو خوشیوں سے بھر دے گا۔ وہ اس کے لئے بہت ہی اچھی جیون ساتھی ثابت ہوسکتی ہے۔ وہ معصوم ہے اور اس کا دل دکھ سے بھرا ہوا ہے۔ وہ اس کو اب اپنے سے جدا نہیں کر سکتا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ابھی منصور ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا ہی تھا کہ باہر کار رکنے کی آواز آئی اور کچھ دیر کے بعد زاہدہ بیگم اندر آ گئی۔

''ہیلو بیٹا......'' زاہدہ نے آتے ہی منصور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ منصور نے جواب دینے کی بجائے اپنی نگاہیں ٹیلی ویژن پر مرکوز رکھیں۔

''منصور میں نے تم کو ہیلو کہا ہے اور تم مجھے کوئی جواب نہیں دے رہے ہو۔'' زاہدہ بیگم بولی۔

''میں نے سنا نہیں تھا۔'' منصور بولا۔ ''مجھے پتہ نہیں چلا کہ کب آپ گھر میں آئیں اور کب چلی گئی تھیں۔''

زاہدہ بیگم اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ ''منصور تم اتنے ضدی تو نہیں تھے۔ مجھ سے کبھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تم نے اس طرح سے بات نہیں کی تھی۔''

''آپ بھی تو اتنی ضدی نہیں تھیں......؟'' منصور نے چینل بدلتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

''میں نے کون سی ضد کی ہے......؟'' زاہدہ بیگم نے پوچھا۔ ''میری کون سی ضد نے تمہیں اتنا پریشان کر دیا ہے؟''

''جو آپ نے چاہا اسے اپنی ضد سے پورا کیا۔'' منصور بولا۔ ''آپ کے دل میں جو آیا اس کی پیروی کی۔''

''اب اس بات کو چھوڑ دو اور اپنے آپ کو تبدیل کرنے کی کوشش کرو۔'' زاہدہ بیگم نے اپنا ہینڈ بیگ گود سے نکال کر ایک طرف رکھ دیا۔

''میں اپنے آپ کو بدل چکا ہوں۔ آپ کو میرے اندر اب تبدیلی نظر آئے گی۔'' منصور نے ٹیلی ویژن بند کر کے ریموٹ ایک طرف رکھ دیا۔

''ویری گڈ......اچھی بات ہے کہ تم نے اپنے آپ کو تبدیل کرنے کے بارے میں سوچا۔'' زاہدہ بیگم خوش ہوگئی۔

''آپ نے جو فیصلہ کیا میں اس پر اب کبھی بحث نہیں کروں گا اور نہ ہی کبھی اس بارے میں آپ سے بات کروں گا۔''

''اچھی بات ہے، یہی تو میں کہہ رہی تھی۔'' زاہدہ بیگم نے اس کی طرف دیکھا۔ ''تم اس فیصلے کو قبول کرو۔''

''اور جو میں کروں گا جو میں کرنا چاہتا ہوں، اس میں آپ مداخلت نہیں کریں گی۔'' منصور نے اپنا اگلا فیصلہ سنایا۔

''یہ تم مجھ سے انتقام لے رہے ہو؟'' زاہدہ بیگم نے پوچھا۔ ''مجھے کوئی سزا دینا چاہتے ہو۔''

''یہ انتقام نہیں ہے۔ میں آپ سے خودمختاری مانگ رہا ہوں۔'' منصور نے اطمینان سے کہا۔

''کیسی خودمختاری چاہتے ہو تم۔'' اس کی بات سن کر زاہدہ بیگم کو حیرت ہوئی۔ ''کیسی خودمختاری کی بات کر رہے ہو؟''

''میں اپنا بزنس کرنا چاہتا ہوں۔ اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ اپنی مرضی سے اپنے فیصلے کرنا چاہتا ہوں۔'' منصور نے بتایا۔

''تم ابھی پڑھ رہے ہو۔ اپنی پڑھائی مکمل کرو، اس کے بعد جو کرنا چاہو وہ کر لینا۔'' اس کی بات سنتے ہی زاہدہ بیگم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مما، میں نے فیصلہ کر لیا ہے، میں نے جتنا پڑھنا تھا وہ پڑھ لیا۔ اب مجھے اپنا کاروبار کرنے کے لئے پیسہ چاہئے۔ میں کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔'' منصور بھی کھڑا ہو گیا اور اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

''پاگل مت بنو اور اپنی پڑھائی کی طرف توجہ دو۔ اپنا کاروبار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' زاہدہ بیگم نے ایک بار پھر انکار کر دیا۔

''میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور اپنا فیصلہ آپ کو سنایا ہے۔'' منصور کے لہجے میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔

''ابھی میں تمہیں کچھ نہیں دوں گی۔ اس بارے میں سوچنا بند کر دو اور آئندہ یہ بات تمہاری زبان پر نہ آئے۔'' زاہدہ بیگم کا لہجہ دوٹوک ہو گیا۔ وہ اپنے کمرے کی طرف جانے کے لئے بڑھی۔

''میرے باپ کی چھوڑی ہوئی ایک ایک چیز میں میرا حصہ اور حق ہے۔'' منصور کو ایک بار پھر اپنے نظر انداز کرنے پر غصہ آ گیا تھا۔

اس کی بات سنتے ہی زاہدہ بیگم کے قدم اسی جگہ رک گئے۔ اس نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ تھا۔

''کیا کہا ہے تم نے میں پھر سے سننا چاہتی ہوں۔'' زاہدہ بیگم کا لہجہ ٹھوس تھا۔

''اس جائیداد میں میرا حق ہے۔ یہ میرے باپ کی جائیداد ہے۔ مسٹر اظہر حسین کی نہیں ہے جس سے میں کچھ مانگ رہا ہوں۔'' اس بار منظور کی آواز کچھ بلند ہو گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آج تم نے یہ بات کہہ دی ہے۔ آئندہ میں تمہارے منہ سے ایسی کوئی بات نہ سنوں۔ میری بات کو سمجھ گئے ہو تم۔'' زاہدہ بیگم نے ایک ایک لفظ رک رک کر اس طرح کہا جیسے وہ اپنی بات اچھی طرح سے ذہن نشین کرا دینا چاہتی ہے۔ اس کا چہرہ غصے سے تپ گیا تھا لیکن وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''آپ بھی سن لیں، اب میں چپ رہنے والا نہیں ہوں۔ مجھے میرا حصہ چاہیے، میں اپنی زندگی خود جینا چاہتا ہوں۔'' منصور نے بھی صاف کہہ دیا۔

''میرے بعد اس گھر میں کون آیا تھا۔ کس کے پاس گئے تھے تم۔ کس نے یہ باتیں تمہارے ذہن میں ڈالی ہیں، کون ہے وہ بولو۔'' اس بار زاہدہ بیگم برداشت نہیں کر سکی۔ وہ چیخ پڑی۔

''میری سوچ ہے۔ یہ میرا فیصلہ ہے جس کے بل بوتے پر میں آپ کو کہہ رہا ہوں۔'' منصور بلاتامل بولا۔ ''مجھے ساری زندگی آپ کے فیصلوں اور مرضی پر نہیں چلنا۔''

''ماں کی مرضی اور فیصلے تمہیں ناپسند ہیں؟'' زاہدہ بیگم نے کہا۔

''اگر وہ میری ماں ہی رہتی تو میں کبھی ایسا نہ سوچتا۔''

''کیا اب میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔ میرا اور تمہارا رشتہ ٹوٹ گیا ہے۔ غیر ہو گئی ہوں؟'' زاہدہ بیگم بولی۔

''اب آپ اظہر حسین کی بیوی ہیں۔''

''شٹ اپ منصور۔'' وہ درشتگی سے بولی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے غصے سے گھورنے لگی۔ ''میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ مجھ سے آئندہ ایسی بات مت کہنا۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔''

''مجھے میرا حق آپ کو دینا پڑے گا۔ یہی آپ کے پاس چارہ ہے ورنہ وہ شخص سب کچھ سمیٹ کر نکل جائے گا۔''

''کون..... کس کی بات کر رہے ہو؟ کسے تم شخص کہہ رہے ہو؟'' زاہدہ بیگم چیخی۔

''وہی جو میرے باپ کا قاتل ہے اور آپ کا ..... شوہر۔'' منصور نے دانت پیس

دن طلوع ہو جائے اور نوشین کاغذات پر دستخط کر دے۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ اس نے وقت کے کانٹوں پر ننگے پاؤں چل کر رات گزاری تھی۔

نوشین نے کاغذات پر دستخط کرنے اور بیان دینے کے لئے عارف کو اپنے گھر بلایا تھا۔ عارف تیار ہو کر نیچے گیا اور کار صاف کرتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔ "چلو۔"

وہ کار میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے کار باہر نکالی اور پوچھا۔ "کہاں چلنا ہے؟"

"طارق روڈ چلو۔" عارف بولا۔

ڈرائیور کی کار دوڑنے لگی۔ ایک چوک کو عبور کر کے ابھی کار کچھ آگے ہی گئی تھی کہ عارف نے کار ایک طرف روکنے کے لئے کہا۔ کار رک گئی۔ وہ باہر نکلا اور بولا۔ "میں ابھی آیا۔"

عارف چوک کی طرف چلا گیا۔ چوک کے دوسری طرف جاتے ہی وہ ایک ٹیکسی میں بیٹھا اور ٹیکسی فراٹے بھرتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

وہ محبوب پراپرٹی ڈیلر کے آفس میں پہنچ گیا۔ خریدار اور رجسٹرار بھی موجود تھا۔ تینوں گاڑی میں بیٹھ کر نوشین کے بنگلے پر جا پہنچے۔ وہ سب ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے تھے۔ عارف نوشین سے بات کرنے کے لئے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے اپنے موبائل فون سے ایک نمبر ملایا اور نوشین کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "بینک منیجر سے بات کرا رہا ہوں۔ پے منٹ آپ کے اکاؤنٹ میں منتقل ہو چکی ہے اس کی تصدیق کر لیں۔"

نوشین نے موبائل فون اپنے کان سے لگا لیا۔ کچھ دیر کے بعد رابطہ ہوا۔ دوسری طرف بولنے والے کی آواز آئی۔ "مجید قریشی بول رہا ہوں۔"

"میں نوشین بول رہی ہوں۔" نوشین مسکرائی۔

"جی کیسی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ آج میرے اکاؤنٹ میں کچھ رقم آئی تھی۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ وہ منتقل ہو چکی ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایک منٹ میڈم۔" دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ نوشین سن رہی تھی کہ جیسے کی بورڈ پر انگلیاں رقص کر رہی ہیں۔ کچھ دیر کے بعد آواز آئی۔ "جی آج ہی رقم منتقل ہوئی ہے۔ ساڑھے چار کروڑ روپے ہیں۔"

"تھینک یو...... بس یہی پتہ کرنا تھا۔" نوشین کا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا۔ اس کو لگا جیسے وہ ہوا میں اڑ رہی ہے۔

"چلیں......" عارف بولا۔

"آپ چلیں میں آ رہی ہوں۔" نوشین نے دیکھ لیا تھا کہ دروازے میں کھڑی اس کی ماں اسے بات کرنے کا اشارہ کر رہی ہے۔ عارف وہاں سے چلا گیا۔ نوشین جلدی سے اپنی ماں کی طرف بڑھی۔

"کیا بات ہے ماں۔"

"رقم بینک میں جمع ہو گئی ہے۔"

"ہاں ہو گئی ہے۔ پورے ساڑھے چار کروڑ روپے ہیں۔ بینک منیجر نے تصدیق کر دی ہے۔" نوشین پھولے نہیں سما رہی تھی۔

"تم بیان دینے سے مکر جاؤ۔ یہ لوگ کیا بگاڑ لیں گے۔" اس کی ماں نے مشورہ دیا۔

"نہیں اماں ..... پیسے نے پیسے کو کھینچا ہے۔ دوسرے لوگ بھی موجود ہیں۔ ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا۔ فریب کریں گے تو عارف سے کریں گے۔ پلاٹ کا خریدار جانے کون ہے۔ ایسے ہی بدنامی ہو گی۔ میڈیا کے کیمرے گھر کے باہر مورچہ بنا لیں گے۔"

"میڈیا کو بھی سنبھال لیں گے۔" اس کی ماں نے ایک بار پھر اس کو لالچ دیا۔

"اماں......میڈیا کو سنبھالنا اب آسان بات نہیں رہی ہے۔ بہت مشکل ہو جائے گی۔" نوشین بولی۔

"چل ٹھیک ہے۔" اس کی ماں نے ہاتھ مارا۔ "اپنے پلاٹ کے ساتھ منافع میں پیسہ تو ملا۔"

نوشین نے کاغذات پر دستخط کر دیئے۔ پلاٹ کی منتقلی کا عمل مکمل ہو گیا اور وہ س اٹھ کر اس جگہ سے چلے گئے۔ نوشین ہوا میں اڑ رہی تھی۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں کہ کوئی اس پر ایسا اندھا اعتماد کرے گا اور وہ کروڑ پتی ہو جائے گی۔ عارف اور وہ س ایک بار پھر محبوب پراپرٹی ڈیلر کے آفس میں جمع تھے جہاں سے عارف محبوب سے پلاٹ کی رقم وصول کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

دو گھنٹے کے بعد عارف پھر نوشین کے گھر میں موجود تھا۔

”سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔ ساڑھے چار کروڑ روپے کی رقم آپ کے اکاؤنٹ میں جمع ہو گئی ہے۔ کل دبئی سے میرے اور بھی پیسے آپ کے اکاؤنٹ میں آ رہے ہیں اس کے بعد آپ کوئی اور پلاٹ خریدنا چاہیں تو بھی خرید لیں۔ پیسہ آپ کے اکاؤنٹ میں ہے، استعمال کرنا چاہیں تو کر لیں اور ہم اپنا کام بھی شروع کر دیں گے۔“ عارف نے بتایا۔

”میں دیکھ لوں گی کہ کیا کرنا ہے۔“ نوشین کا دل زور سے دھڑکا، یہ سن کر کہ کل اور بھی پیسہ آ رہا ہے۔

”آپ نے میرا ساتھ دیا، آپ کا بہت شکریہ۔ اور میں اس موقع پر آپ کو ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں۔“ عارف نئی چال کی طرف بڑھا۔

”تحفہ...... اس کی کیا ضرورت ہے۔“ نوشین کے ہونٹوں پر خود بخود مسکراہٹ گئی۔

”آپ ایک تکلیف کریں گی۔“

”بتائیں کیا؟“

”جو نیکلس میں نے آپ کو پہلے دیا تھا، وہ اور ایک چیک چار لاکھ پچانوے ہزار روپے کا مجھے کاٹ دیں۔“ عارف نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”وہ کیوں؟“ نوشین کو سن کر حیرت ہوئی۔

”پلیز، آپ دیکھیں کہ میرے پاس کیا سرپرائز ہے۔“ یہ کہتے ہوئے عارف نے بڑے خاکی لفافے سے ایک ڈبہ باہر نکال کر میز پر رکھ دیا۔ نوشین نے اس ڈبے کی طرف دیکھا تو وہ چونکی۔ وہ زیور کا ڈبہ تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ نوشین کی آنکھیں چمکیں۔

”یہ سرپرائز۔“ آپ پہلے وہ کریں جیسا میں نے کہا۔ پھر میں آپ کے ہر سوال کا جواب دوں گا۔“ عارف مسکرا رہا تھا۔

نوشین بیٹھی سوچنے لگی۔ زیور کے اس ڈبے میں اسے سونے کی بنی ہوئی کوئی بڑی چیز لگتی تھی۔ اس نے ایک بار پھر رسک لینے کا فیصلہ کیا اور اٹھ کر باہر چلی گئی۔ جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک چیک تھا جو چار لاکھ پچانوے ہزار روپے کا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں وہ نیکلس تھا۔

چیک اور نیکلس لینے کے بعد اس نے کہا۔ ”دراصل جتنے پیسے میرے پاس تھے، ان سے میں نے یہ نیکلس خرید لیا۔ کم پڑ رہے تھے۔ اتنے کا چیک آپ سے لے لیا۔ یہ پیسے جیولر کو دینے ہیں اور یہ نیکلس اس لئے لے رہا ہوں کہ اس سے تین گنا زیادہ وزن کا سرپرائز آپ کو دے رہا ہوں اور یہ نیکلس ایک بار پھر جیولر کے پاس جا رہا ہے اور نئے ڈیزائن کے ساتھ آپ کے پاس دو روز کے بعد ہو گا۔

عارف نے وہ ڈبہ کھول کر نوشین کے آگے کیا تو اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ وہ بھاری وزن کا ڈائمنڈ کا سیٹ تھا۔ ایسا خوبصورت اور دلنشین کہ جو نیکلس اس نے واپس کیا تھا، اس کی حیثیت اس کے آگے حقیر معلوم ہونے لگی تھی۔ نوشین کی آنکھیں اس بھاری نیکلس پر جم گئی تھیں اور دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

”یہ آپ کے لئے...... دو دن کے بعد یہ بھی مزید ہیروں کی چمک لے کر آپ کے گلے کی زینت ہو گا۔ میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ سے یہ نیکلس میں نے دو دن کے لیے واپس لیا۔“ عارف نے ڈبہ نوشین کو دے دیا۔

وہ اس سیٹ کی چمک میں کھو گئی۔ بڑے بڑے ہیرے اور موتی چمک رہے تھے۔

عارف نے وہ نیکلس اور چیک جیب میں ڈالا۔

''اس قدر خوبصورت......'' نوشین کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

اس میں شک نہیں تھا کہ وہ نیکلس کا کمال تھا۔ ہیرے ایسے جڑے ہوئے تھے گویا قارون کا خزانہ ہاتھ لگا ہو۔ نوشین نے جب وہ نیکلس اٹھا کر دیکھا تو اس کا وزن اتنا تھا کہ جس سے اس کا قیمتی ہونا ظاہر ہوتا تھا۔ نوشین کا اندازہ تھا کہ وہ ہیروں کا بنا ہوا سیٹ پندرہ لاکھ روپے سے کم نہیں ہوسکتا۔

''کیسا لگا میرا یہ حقیر سا تحفہ؟'' عارف نے پوچھا۔

نوشین کو ہوش ہی کہاں تھا۔ وہ تو اس میں کھوئی ہوئی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کی قسمت جاگ گئی۔ دولت کی جیسے اس پر بارش ہونے لگی۔ اسے یہ پتہ ہی نہیں چلا کہ کب عارف اجازت لے کر اس کے خوبصورت بنگلے سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

نوشین اتنی سرشار تھی کہ وہ شوٹنگ پر بھی نہیں گئی اور طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر دیا۔ وہ اپنے گھر میں ہیروں کے اس سیٹ کو پہنے گھومتی رہی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کو کوئی بہت بڑا خزانہ مل گیا ہے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پورے گھر میں جھومتی پھرے۔ اس نے کئی بار اپنا قدِ آدم آئینے کے سامنے جائزہ لیا تھا۔ اپنے آپ کو خوش دیکھا تھا۔ اس کی ماں بھی اس نیکلس کو دیکھتے ہوئے کئی بار بلائیں اتار چکی تھی۔

اچانک اس کی ماں نے نوشین سے کہا۔ ''نوشی......ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔ جب تم بینک میں رقم جمع کراتی ہو تو وہاں سے ایک رسید ملتی ہے۔ وہ رسید تم نے عارف سے لی تھی۔''

نوشین اپنی ہی مسرت میں مخمور تھی۔ ''مجھے یاد نہیں رہا۔ اس وقت۔''

اسی اثناء میں اس کے کپڑے کا ڈیزائنر آ گیا۔ اس کا نام عاشق تھا۔ وہ مرد کم اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عورت زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ آتے ہی چپڑ چپڑ بولنے لگا۔ ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ عاشق کی نگاہ اس کے گلے میں دکھائی دینے والے نیکلس پر چلی گئی۔

''ارے آپ گھر میں اسے پہنے ہوئے ہیں۔ بہت خوبصورت ہے۔ خود خریدا ہے؟''

''ہاں خود خریدا ہے۔'' نوشین نے جھوم کر بتایا۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھل رہا تھا۔

''بالکل نیا ڈیزائن کیا ہے۔ کمال ہے۔ جس نے بھی دیکھا ہے اس نے تعریف کی ہے۔ اس کے ساتھ جو اس نے چار ڈیزائن اور کیے ہیں، کیا وہ تم نے دیکھے ہیں؟ ہیں نا سب کے سب غضب کے۔ میں نے تو نومی سے کہہ دیا تھا کہ اس بار تم بازی لے گئے ہو۔''

''نومی......'' اس کی بات سن کر نوشین نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں نومی......جیولری ڈیزائنر کی بات کر رہا ہوں۔ اسی کا یہ ڈیزائن کیا ہوا ہے۔ اسی سے لے کر آئی ہو نا۔'' عاشق نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

نوشین اس کی بات سن کر حیرت میں چلی گئی۔ ''یہ نومی کا تیار کیا ہوا ہے۔''

''لو تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔ تم نے اس سے نہیں لیا۔ ویسے اس نے ایسا پتھر استعمال کیا ہے کہ کوئی نہیں پہچان سکتا۔ اصل ہیرے لگتے ہیں۔'' عاشق پھر بولا۔ ''رات عندلیب نے اس سے چاروں ڈیزائن لے لئے ہیں۔ اصل سے بھی کہیں اصل لگتے ہیں۔ بڑا دماغ ہے نومی کا۔''

نوشین کا حیرت سے برا حال ہو رہا تھا۔ اس نے فوراً گلے میں ڈالے سیٹ کو اتارا اور اسے غور سے دیکھنے لگی۔ اسے عاشق کی بات سن کر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کو جو سیٹ عارف نے دیا تھا اور جسے وہ اصلی ہیروں کا سمجھ کر پہنے ہوئی تھی، آرٹیفیشل زیورات کے ماہر ڈیزائنر نومی کا تیار کیا ہوا ہے جس کے کام کا پورا شوبز دیوانہ ہے۔ نوشین کو اپنے جسم پر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں۔ وہ اسی وقت عاشق کو چھوڑ کر ڈرائیور کے ساتھ باہر چلی گئی۔

☆......☆......☆

نومی نے اس سیٹ کو دیکھ کر کہا۔ ''یہ آرٹیفیشل ہے۔ میں نے ہی تیار کیا ہے۔ تم تو یہاں آئی نہیں تھی پھر یہ کس نے دیا ہے؟''

''یہ آرٹیفیشل ہے؟'' نوشین کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

''ہاں..... تم نہیں پہچان سکیں۔ کوئی بھی نہیں پہچان سکا۔ اس بار میں نے کام ہی ایسا کیا ہے جس نے بھی دیکھا وہ دنگ رہ گیا۔ میں نے ایسا میٹریل استعمال کیا ہے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔''

نوشین کو گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اس کی ساری خوشی معدوم ہو گئی تھی۔ دل زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

''یہ تم سے کس نے خریدا تھا؟'' نوشین نے پوچھا۔

''تم گھبرائی ہوئی ہو، بات کیا ہے؟'' نومی اس کا جائزہ لینے لگا۔

''تم بتاؤ کہ اسے کس نے خریدا تھا؟'' نوشین کی گھبراہٹ اور بھی بڑھ گئی تھی۔

''میں نے صرف خاص لوگوں کو بتایا تھا اپنے اس کام کے بارے میں۔ تمہیں آج بتانا تھا۔ اب پتہ نہیں مجھ سے یہ کس نے خریدا ہو گا۔'' نومی یاد کرنے لگا۔

نوشین نے اس کے تیار کردہ دوسرے ڈیزائن بھی دیکھے۔ عارف اس کو دھوکا دے گیا۔ وہ سوچنے لگی۔ اچانک اس کو خیال آیا کہ وہ بینک بھی جائے۔ وہاں سے پتہ کرے کہ اس کے اکاؤنٹ میں رقم جمع ہوئی تھی کہ نہیں۔ کہیں وہ بھی دھوکا تو نہیں تھا؟

وہ اسی وقت بینک چلی گئی۔ وہ سیدھی بینک منیجر کے پاس گئی۔ اس نے بڑی چاہت سے نوشین کو بٹھایا، نوشین نے کہا۔ ''میں اپنا بیلنس چیک کرنا چاہتی ہوں۔ ذرا دیکھیں اس وقت اس میں کتنے پیسے ہیں۔''

''ابھی بتاتا ہوں۔'' بینک منیجر نے کہا اور کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس دوران نوشین مضطرب بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی گھبراہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ سانس لینا بھی دشوار ہو رہا تھا۔

''جی کھل گیا۔'' بینک منیجر بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کتنا بیلنس ہے؟'' نوشین نے مضطرب لہجے میں پوچھا۔

بینک منیجر نے بتایا۔ ''آپ کے اکاؤنٹ میں پانچ ہزار روپے ہیں۔''

''کتنے؟'' نوشین کی چیخ سی نکل گئی۔

''جی آپ کے اکاؤنٹ میں پانچ لاکھ روپے تھے۔ آج ایک چیک کیش ہوا ہے، چار لاکھ پچانوے ہزار روپے کا۔ اب باقی پانچ ہزار روپے آپ کے اکاؤنٹ میں ہیں۔''

نوشین کو اس طرح حیرت میں غوطہ زن ہوتے دیکھ کر بینک منیجر نے تفصیل سے بتایا۔

''آپ میرا ہی اکاؤنٹ دیکھ رہے ہیں؟'' نوشین کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔

بینک منیجر نے مانیٹر اس کی طرف گھمایا۔ ''آپ خود دیکھ لیں۔''

نوشین کی نگاہیں کمپیوٹر اسکرین پر جم گئیں۔ ''آپ کو میں نے فون کیا تھا اور ساڑھے چار کروڑ روپے جمع ہوئے تھے۔ آپ نے بتایا تھا۔''

''لیکن میری تو آپ سے کوئی بات نہیں اور کوئی رقم بھی جمع نہیں ہوئی۔ ریکارڈ آپ کے سامنے ہے۔'' بینک منیجر بولا۔

''آپ نے مجھے بتایا تھا۔ آج بات ہوئی تھی۔'' نوشین نے اس کی طرف دیکھا۔

''محترمہ میری آپ سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ اکاؤنٹ آپ کے سامنے ہے، جو رقم ہوتی ہے اس کی رسید بینک دیتا ہے۔ ریکارڈ آپ کے پاس بھی ہو گا۔'' بینک منیجر اس کی حالت دیکھتے ہوئے حیران ہو رہا تھا۔

نوشین کوئی بحث بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بینک کا کام تھا۔ وہاں ایک ایک چیز پورے ریکارڈ اور کاغذی کارروائی کے ساتھ ہوتی ہے۔ نوشین ہکا بکا دم بخود کرسی پر براجمان رہی۔ عارف کو دھوکہ دینے کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اس کی دانست میں عارف اس کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔ وہ اپنی بلیک منی کو وائٹ کرنے کے لئے اس کو سہارا بنائے ہوئے ہے اور وہ ایک دن اس کو لات رسید کر دے گی، اس کی سوچ اس کے دل میں ہی رہ گئی اور چند دنوں میں اپنی باتوں سے شیشے میں اتار کر عارف اس کا پلاٹ لے اڑا۔

”میڈم آپ کے لئے چائے منگواؤں؟“ بینک منیجر نے پوچھا۔

نوشین اس کی آواز سن کر چونکی اور بولی۔ ”نہیں۔“

نوشین بینک سے مریل قدموں کے ساتھ باہر نکلی اور اپنے گھر چلی گئی۔ اس کی ماں اس کی حالت دیکھتے ہی چونکی اور لپک کر اس کی طرف بڑھی اور اس نے پوچھا تو نوشین رونے لگی اور روتے ہوئے جب اس نے تفصیل بتائی کہ عارف نے اس کے ساتھ فریب کیا ہے، وہ سب کچھ سمیٹ کر نکل گیا ہے تو اس کی ماں صوفے پر ہی ڈھیر ہو گئی۔

”وہ ہمیں دھوکا دے گیا۔“ اس کی ماں کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

نوشین حیرت اور غصے کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ہر چیز کو آگ لگا دے۔ پھر وہ چیخی۔

”کتے...... میں تجھے نہیں چھوڑوں گی۔ تجھ سے اپنی ایک ایک پائی وصول کر کے دم لوں گی۔ میں تجھے ڈھونڈ کر رہوں گی۔ میں تجھے تلاش کرنے کے لئے کچھ بھی کر گزروں گی لیکن تجھے چھوڑوں گی نہیں تو مجھ سے نہیں بچ سکے گا۔“ نوشین پاگلوں کی طرح چیختی ہوئی رونے لگی۔

☆......☆......☆

اویس حبیب کے لئے اچانک پریشانی کھڑی ہو گئی تھی۔

دو دن سے عارف غائب تھا۔ ڈرائیور کے روپ میں عارف کی نگرانی پر مامور شخص بھی حیران تھا کہ اس نے عارف کو اس کے فلیٹ میں چھوڑا تھا اور پھر اسے باہر نکلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ وہ اچانک کہاں چلا گیا۔ اویس حبیب کو معلوم نہیں تھا کہ اس نے کیا کیا ہے جس کام کے لئے اس نے عارف کو مامور کیا ہے، وہ کیا بھی ہے کہ نہیں۔

جب ہر طرح سے اویس حبیب نے شہر کے اندر اس کو تلاش کرنے کی ناکام کوشش کر لی تو وہ اپنے آدمی کے ساتھ اس فلیٹ میں چلا گیا جو اس نے عارف کو رہنے کے لئے دیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اویس حبیب نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کوئی آواز نہیں آئی۔ اس نے دروازے کو تھوڑا سا اندر کی طرف دھکیلا تو وہ خود بخود کھل گیا۔

اویس حبیب نے اپنے ساتھ آئے ہوئے آدمی کو اس جگہ رکنے کے لئے کہا اور خود اندر چلا گیا۔ تمام فلیٹ کی لائیٹس بند تھیں۔ اویس حبیب نے پہلے نشست گاہ کو روشن کیا۔ ہر چیز اپنی جگہ جوں کی توں موجود تھی۔

پھر وہ بیڈ روم گیا۔ اس کمرے کو روشن کیا تو، اس کمرے کی کوئی چیز بھی اپنی جگہ سے دوسری جگہ پر دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ بیڈ کی چادر بھی ایسے تھی کہ ایک سلوٹ تک دکھائی نہیں دیتی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے پرفیومز بھی قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔

اس نے الماری کھولی تو جتنے سوٹ اس نے عارف کو دیئے تھے وہ نفاست سے ہینگ تھے، جوتے اپنی جگہ پڑے تھے۔ کسی جوتے پر کوئی گرد دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اویس حبیب نے الماری بند کی اور ایک بار پھر کمرے میں نظر دوڑائی۔

اچانک اس کی نگاہ سامنے کے شیلف پر پڑی۔ وہاں ایک پرس پڑا تھا۔ اس نے اسے اٹھا کر دیکھا، اس میں اس کا دیا ہوا کریڈٹ کارڈ اور جو رقم کیش کی صورت میں اس نے دی تھی وہ پوری موجود تھی۔ موبائل فون بند پڑا تھا۔ وہ نیکلس وہاں موجود تھا جو اس نے نوشین کو دینے کے لئے عارف کو بھیجا تھا، ساتھ خوب صورت گھڑی رکھی ہوئی تھی اور ایک خاکی لفافہ پڑا تھا۔

اویس حبیب نے وہ لفافہ کھولا تو اندر پانچ پانچ ہزار کے نوٹ تھے۔ اویس حبیب نے ان نوٹوں کو گنا تو وہ پانچ لاکھ روپے تھے، جو اس نے اس سے ادھار لئے تھے۔

فلیٹ میں خاموشی تھی۔ اس خاموشی کو اویس حبیب کے موبائل فون پر آنے والے میسج کی ٹون نے توڑ دیا۔ اس نے جلدی سے اپنا موبائل فون نکالا۔ میسج بکس کھول کر پڑھنے لگا۔

وہ میسج عارف کی طرف سے تھا جس نے ابھی اسے ایک ریسٹورنٹ میں ملنے کے لئے کہا تھا۔ اویس حبیب جلدی سے اس فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

اویس حبیب اس ریسٹورنٹ میں پہنچ گیا تھا۔ اس نے متلاشی نگاہوں سے پورے ہال میں نگاہیں دوڑائیں۔ عارف ایک طرف شیشے کی کھڑکی کے ساتھ براجمان اخبار پڑھ رہا تھا۔ اس کے سامنے جوس کا گلاس پڑا تھا۔ عارف نے کالی پینٹ کے ساتھ سفید شرٹ اور گرے رنگ کا کوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔

اویس حبیب اس کے پاس چلا گیا۔ عارف نے اخبار سے اپنی نگاہیں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا اور اخبار ایک طرف رکھ دیا۔ اویس حبیب اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''کہاں چلے گئے تھے تم؟'' اویس حبیب نے سوال کیا۔

''کہیں نہیں۔ اسی جگہ تھا۔'' عارف اطمینان سے بولا۔

''آپ اپنے فلیٹ میں گئے تھے؟''

اویس حبیب نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

''ہاں۔''

''آپ کی چیزیں پوری ہیں نا۔ جو نیکلس آپ نے دیا تھا وہ بھی موجود ہے؟ کپڑے، گھڑی، کریڈٹ کارڈ ہر چیز آپ کی وہاں موجود ہے۔ میرے بدن پر جو کپڑے ہیں وہ میرے اپنے ہیں۔'' عارف کے لہجے میں اطمینان جھلک رہا تھا۔

''تم نے میرے کام کا کیا کیا؟'' اویس حبیب نے پوچھا۔

''دس دن کی بھاگ دوڑ میں، بڑی مشکل سے وہ نیکلس اس سے لے سکا ہوں۔'' عارف نے جواب دیا۔

''اور میرے باقی زیورات؟'' اویس حبیب کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں اور اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

''آپ نے اس نیکلس کے سوا کوئی اور چیز مس نوشین کو دی ہی نہیں تھی۔ دراصل میں نے مس نوشین کے ڈرائیور کو شیشے میں ایسا اتارا کہ وہ سب کچھ میرے سامنے بولنے لگا۔ بیچارہ کا بالکا ڈرائیور ہے۔ بس بولنے کے لئے اس کو شہ کی ضرورت ہے۔'' عارف بولا۔ ''پچھلا چیک میں نے دیا تو وہ میری باتوں میں آ گیا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی بات سن کر اویس حبیب کو غصہ آنے لگا۔ ''وہ بکواس کرتا ہے۔''

''کیا یہ بھی بکواس ہے کہ وہ کمرشل پلاٹ آپ نے نہیں دیا تھا بلکہ آپ کے بزنس پارٹنر نے اس کے عشق میں مبتلا ہو کر دیا تھا۔ اصل مالک وہ آپ کا بزنس پارٹنر تھا۔ آپ کی کوئی دوستی مس نوشین سے نہیں رہی اور نہ ہی اس نے آپ کو کوئی دھوکا دیا تھا۔''

اس انکشاف پر اویس حبیب کو اور بھی غصہ آ گیا۔ ''میرا کوئی پارٹنر نہیں تھا۔''

''اس کا نام راحیل پاشا تھا اور وہ روڈ ایکسیڈنٹ میں زندگی کی بازی ہار گیا تھا۔'' عارف نے اتنا کہہ کر اس کا جائزہ لیا۔ وہ شخص اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ عارف پھر بولا۔

''آپ کا نیکلس میں لے آیا ہوں۔ پلاٹ اس سے لینا میرے لئے ناممکن ہے۔ اس لئے میں اپنے معاہدے کے مطابق آپ سے کچھ بھی لئے بغیر آپ کا فلیٹ چھوڑ آیا ہوں۔''

اویس حبیب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے۔ وہ عارف کے سامنے لاجواب سا بیٹھا ہوا تھا۔ عارف نے باتیں ہی ایسی کہہ دی تھیں کہ اسے چپ لگ گئی تھی۔ اویس حبیب نے ہی یہ شرط رکھی تھی کہ ناکامی کی صورت میں وہ اس کی دی ہوئی ہر چیز سے دستبردار ہو کر جائے گا۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔'' اویس حبیب بولا۔

''کیا جھوٹ بول رہا ہوں؟'' عارف نے دریافت کیا۔

''تم وہاں سے کچھ حاصل کئے بغیر کیسے نکل سکتے ہو؟'' اویس حبیب کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''میرے جھوٹ کا آپ کے پاس اگر کوئی ثبوت ہے تو وہ میرے سامنے لے آیئے۔'' عارف نے کہا۔

''تم ڈرائیور کو دھوکا دے کر کہاں چلے جاتے تھے؟'' اویس حبیب نے سوال کیا۔

عارف اس کی بات سن کر مسکرایا۔ ''میں آپ کے ڈرائیور کا پابند نہیں تھا۔ دیکھیں، میں آپ سے نیکلس لانے کا بھی معاوضہ نہیں لے رہا۔ مجھے اچھا نہیں لگے گا۔ میں چلتا

ہوں۔" عارف اپنی جگہ سے اٹھا اور جانے کے لئے ایک قدم بڑھا کر رُک گیا۔

"اگر آپ مجھے صحیح بات بتا دیتے تو ہم دونوں کا وقت ضائع نہ ہوتا۔ آپ نے مجھے دھوکے میں رکھ کر اندھیرے میں تیر چھوڑا تھا کہ شاید نشانے پر لگ جائے اور وہ کمرشل پلاٹ نکل آئے۔ بھلا کیسے نکلتا۔ ان لوگوں سے سوئی لینا مشکل کام ہے۔ آپ کی نظر اپنے پارٹنر کے دیئے ہوئے کمرشل پلات پر تھی۔ ناممکن ہے۔ آپ یہ کام کسی اور سے کرا لیں۔"

عارف اتنا کہہ کر خارجی دروازے کی طرف چل پڑا۔

اویس حبیب اس کو جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ وہ ریسٹورنٹ کا دروازہ پار کر گیا۔ وہ اس کو روک نہیں سکا۔ جو باتیں ان کے درمیان ہوئی تھیں اس کے مطابق اویس حبیب اس کو کیسے روک سکتا تھا۔ وہ اس کے فلیٹ سے کوئی چیز نہیں لے جا رہا تھا حالانکہ اس نے عارف کو اس سوٹ کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دی تھی جو اس کے بدن پر موجود ہوتا، لیکن وہ اس سوٹ کو بھی اسی فلیٹ میں چھوڑ آیا تھا۔

اویس حبیب کی دانست میں تھا کہ عارف ضرورت مند ہے۔ ہوشیار ہے اور اپنا دماغ استعمال کرنا جانتا ہے۔ وہ ایسی چال چلے گا کہ وہ نوشین سے پلاٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس نے مس نوشین کے دل تک اترنے کے لئے پورا انتظام کر دیا تھا لیکن اس کے باوجود اس سے وہ پلاٹ نہیں لے سکا تھا۔

اویس حبیب اپنی جگہ سے اٹھا اور جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ اچانک اس کا سامنا محبوب سے ہو گیا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رک گئے۔

"ارے اویس صاحب آپ بڑے دنوں کے بعد نظر آئے، کہاں ہوتے ہیں آپ دکھائی نہیں دیئے۔"

"بس بزنس کی مصروفیت...... آپ سنائیں کیا حال ہے؟" اس کو دیکھ کر اویس حبیب نے جلدی سے اپنا موڈ ٹھیک کیا۔

"سب ٹھیک ہے۔" محبوب بولا۔

"کام کیسا جا رہا ہے؟" اویس حبیب نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کام بہت اچھا جا رہا ہے۔ آپ نے تو پراپرٹی کی خرید و فروخت چھوڑ ہی دی ہے۔ آپ کے پارٹنر کا پلاٹ ہوا کرتا تھا جو مس نوشین نے ان سے...... خرید لیا تھا۔"

محبوب نے "خرید لیا تھا" کو ذرا احتیاط سے بولا تھا۔

"ہاں...... ہاں...... وہ پلاٹ تھا۔" اویس حبیب نے اثبات میں سر ہلایا۔

"میں آپ سے رابطہ کرنا چاہتا تھا لیکن ایک اور پارٹی کی نظر اس پر تھی۔ وہ مس نوشین نے بیچ دیا ہے۔" محبوب نے بتایا۔

"بیچ دیا ہے؟" اویس حبیب چونکا۔ "نوشین نے وہ پلاٹ بیچ دیا ہے، لیکن کب اور کیسے؟"

"ہاں...... تین روز پہلے ہی میرے ایک علیک سلیک والے ہیں، ان کے ذریعے سے مس نوشین نے بیچا ہے۔" محبوب بولا۔

"مجھے سمجھ نہیں آئی کہ نوشین نے وہ پلاٹ کیوں بیچ دیا جبکہ وہ لوگ لینا جانتے ہیں، کچھ بیچنا نہیں جانتے۔"

"وہ جو آپ کی علیک سلیک والا ہے اس کا نام پتہ ہے؟" اویس حبیب نے اس کی طرف دیکھا۔

"بس میری اس سے علیک سلیک ہے، عارف اس کا نام ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا مس نوشین کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ ساری ڈیل اُسی نے کی تھی۔ بڑی ہوشیاری سے ڈیل کی تھی جناب اُس نے۔ میں مان گیا اُس کے دماغ کو۔" محبوب اپنا سر ہلانے لگا۔

اویس حبیب یہ سنتے ہی سکتے میں آ گیا۔ اس نے سوچا کہ اس کا مطلب ہے کہ عارف اپنی چال میں کامیاب ہو کر اس کو فریب دے کر چلا گیا ہے۔

"وہ پلاٹ عارف نے فروخت کروایا تھا۔" اویس حبیب نے پوچھا۔

"ہاں جی۔" محبوب بولا۔

"یہ سب کیسے کیا اس نے؟" اویس حبیب کی بے چینی بڑھ گئی تھی۔

’’مجھے تو اپنی کمیشن نے مدہوش کیا تھا۔ بھاری کمیشن تھی۔ بس مجھے بھی پتہ نہیں چلا کہ یہ سب کیسے اس نے کیا۔ میں بھی اس چانس کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ جھوٹ سچ بول کر وہ پلاٹ پارٹی کے نام کروادیا۔‘‘ محبوب مسکرایا۔

’’کتنے میں فروخت ہوا تھا وہ پلاٹ؟‘‘ اویس حبیب نے پوچھا۔

’’ڈیڑھ کروڑ روپے میں فروخت ہوا ہے۔‘‘ محبوب نے بتایا۔

’’ڈیڑھ کروڑ۔‘‘ اویس حبیب نے دہرایا۔

’’آپ مجھے اپنا موبائل نمبر دے دیں۔ مجھ سے کہیں گم ہوگیا تھا۔ اس لئے میں اس پلاٹ کے لئے آپ سے رابطہ نہیں کرسکا۔ ویسے آپ اگر خریدنا چاہیں تو میں پارٹی سے بات کروں.....‘‘

اویس حبیب نے اس کی بات سنی اور جواب دینے کی بجائے وہ تیزی سے دروازے کی طرف چلا گیا۔ محبوب اس کو اس طرح سے جاتا ہوا دیکھ کر حیرت زدہ سا رہ گیا تھا۔

اویس حبیب نے ریسٹورنٹ سے باہر نکلتے ہی متلاشی نگاہوں سے کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھنا شروع کردیا۔ دور تک کہیں بھی عارف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اویس حبیب نے اپنے دانت پیس لئے اور دل میں نفرت بھر کر بولا۔

’’عارف تُو نے مجھ سے فریب کیا ہے، مجھے دھوکا دیا ہے۔ میں تجھے زمین سے بھی نکال لوں گا اور تجھے اس فریب کا ایسا سبق سیکھاؤں گا کہ تُو عبرت کا نشان بن جائے گا...... میں تیری آخری سانس تک تیرا پیچھا کروں گا۔‘‘

عارف نے اپنے فریب اور دھوکے سے اپنے دو زہریلے دشمن بنا لئے تھے۔ ایک تو نوشین تھی اور دوسرا اویس حبیب تھا جس کا ابھی عارف نے دوسرا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔

OOO

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

......

عارف اپنے اکاؤنٹ میں ڈیڑھ کروڑ روپے کی رقم منتقل کر کے پرسکون اور مطمئن تھا۔ اس نے اپنی منزل کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا دیا تھا۔ اب وہ اپنے تایا دلنواز احمد اور اس کے بیٹے راشد کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ وہ ان سے ٹکر لینا چاہتا تھا ان کو بتانا چاہتا تھا کہ اب اس کی کیا حیثیت ہوگئی ہے، وہ کچھ ایسا کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا جس سے دلنواز اور اس کے بیٹے راشد کو ایک سخت چوٹ پہنچے۔ وہ سب کچھ بھلا کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ کیا یہ وہی عارف ہے؟ یہ ان کے سامنے سینہ پھلا کر آخر کیسے کھڑا ہوگیا۔ ایک دھچکا ان لوگوں کو دے کر وہ باقاعدہ اعلان جنگ کرنا چاہتا تھا۔

عارف ابھی تک اپنے گھر نہیں گیا تھا۔ پندرہ دن ہو گئے تھے اس نے اپنی ماں اور بھائیوں کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ وہ شہر کے ایک اچھے ہوٹل میں کمرہ لے کر رہ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اویس حبیب اور نوشین اس کی تلاش میں ہوں گے۔ اس نے ایک دو دن میں ڈرائیونگ بھی سیکھ لی تھی۔ اس کو ڈرائیونگ سکھانے والا اس وقت حیران رہ گیا جب عارف کار کو بھیڑ میں لے گیا تھا۔ کئی بار کار ٹکراتے ٹکراتے بچی تھی لیکن جلد ہی عارف نے اپنا ہاتھ سیدھا کر لیا تھا۔ جب وہ کسی کام کو کرنے کی ٹھان لیتا تھا تو وہ کام آسان ہو جاتا تھا۔ ایسا ہی کار کی ڈرائیونگ سیکھتے ہوا۔

اس کے دل پر کوئی بار نہیں تھا۔ وہ بالکل نڈر تھا۔ نوشین اس دھوکے کے بعد کیا کرتی

ہے، اویس حبیب کیا قدم اٹھاتا ہے اس کو کوئی پروا نہیں تھی۔ اس نے جو کام کیا تھا وہ اتنی صفائی سے کیا تھا کہ اس کا کہیں نام نہیں آتا تھا۔ کوئی ثبوت اس نے نہیں چھوڑا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ نوشین اور اویس حبیب اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کریں گے۔ اس نے یہ بھی فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ ان کا مقابلہ کرے گا۔ ان کو شکست سے دوچار کر کے اس قابل نہیں چھوڑے گا وہ دونوں اس کے مقابل آ سکیں۔

صبح ناشتے کے بعد اخبار دیکھتے ہوئے جس خبر پر اس کی نگاہیں ٹھہر گئی تھیں، وہ مس نوشین سے متعلق تھی۔

لکھا تھا کہ دن رات کی مسلسل شوٹنگ کے بعد نوشین کی طبیعت اس قدر خراب ہوگئی کہ اسے ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ ڈاکٹر نے نوشین کو مکمل بیڈ ریسٹ کے لئے کہا ہے اور نوشین شہر کے بہترین ہسپتال میں بیڈ ریسٹ پر ہے۔

یہ خبر پڑھ کر عارف کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے دل میں تمسخرانہ انداز میں کہا۔ ''دن رات کی مسلسل شوٹنگ کی وجہ سے وہ ہسپتال نہیں پہنچی ہے بلکہ اسے یہ غم وہاں لے گیا ہے کہ اس نے اندھے اعتماد کے کنویں میں چھلانگ لگا کر پلاٹ بیچ کر اس کا سارا پیسہ مجھے لے جانے دیا۔''

عارف نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور چائے پینے لگا۔ چائے پیتے پیتے اس نے اپنا موبائل فون اٹھایا جو اس نے ابھی کل ہی خریدا تھا اور وہ مہنگا موبائل تھا۔ اس موبائل کے ساتھ ساتھ اس نے اور بھی شاپنگ کی تھی۔ کپڑوں سے لے کر جوتوں تک بہت کچھ اس نے خریدا تھا۔

نمبر ملانے کے بعد عارف نے موبائل فون اپنے کان سے لگا لیا۔ کچھ دیر کے بعد دوسری طرف سے مراد علی کی آواز آئی۔

''ہیلو۔''

''کیسے ہو مراد علی... ٹھیک ہو؟'' عارف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جناب آپ نے صورت ہی نہیں دکھائی کہاں چلے گئے ہیں آپ؟'' مراد علی نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پوچھا۔

''میں نے کہاں جانا ہے۔ اسی شہر میں ہوں۔'' عارف نے جواب دیا۔ ''تمہارے پاس ہی ہوں۔''

''وہ میں انتظار کر رہا تھا کہ آپ...... وہ آپ نے مجھے کہا تھا۔'' مراد علی بات کرتے ہوئے جھجک رہا تھا۔

''مجھ یاد ہے۔ میں کچھ مصروف ہو گیا تھا۔ تم ایسا کرو کہ اگر واقعی یہ کام چھوڑ کر خراد کا کام کرنا چاہتے ہو تو تم کوئی خراد مشین دیکھ لو، قیمت وغیرہ پوچھو پھر مجھے اسی نمبر پر کال کرنا لیکن یہ نمبر کسی اور کو دینا نہیں ہے۔'' عارف نے کہتے ہوئے تاکید کی۔

''میں بھلا یہ نمبر کسی کو کیوں دوں گا۔ میں خراد مشین دیکھ کر آپ کو فون کروں گا۔'' مراد علی جلدی سے بولا۔

''اچھا اپنی نوشین بی بی کی سناؤ......؟'' عارف نے پوچھا۔

مراد علی نے کہا۔ ''وہ جناب بڑی پریشان ہوگئی تھیں۔ کبھی کسی وکیل کے پاس بھاگ رہی تھیں اور کبھی کسی کے پاس جاتی تھیں، جانے کیا مشورے کر رہی تھیں، بہت پریشان تھیں...... پر ایک بات تھی۔''

''وہ کیا......؟'' عارف نے سوال کیا۔

''جب بھی وہ کسی سے مشورہ کر کے آتی تھیں ان کا منہ مزید لٹک جاتا تھا۔ ان کے ماتھے پر پریشانی اور بڑھ جاتی تھی۔ بس پھر جانے کیا ہوا کہ وہ گھر میں بے ہوش ہوگئیں اور ہسپتال میں جا پہنچیں۔'' مراد علی نے تفصیل بتائی۔

''اب کیسی ہیں وہ؟'' عارف نے پوچھا۔

''بہتر ہیں. ...لیکن آرام کر رہی ہیں۔'' مراد علی نے بتایا۔

''تم اس وقت کہاں ہو؟'' عارف نے ایک لمحے میں کچھ سوچا۔

''ہم حکم کے غلام ہیں۔ جب تک مجھے کوئی حکم نہیں مل جاتا میں تب تک اس جگہ پر ہوں۔'' مراد علی نے کہا۔

"تم میرے فون کا انتظار کرنا۔ میں ابھی فون کرتا ہوں۔ ایک ضروری بات کرنی ہے۔ تم ہسپتال کی کار پارکنگ میں ہو نا؟"

"ہاں جی اسی جگہ ہوں۔"

"میں ابھی رنگ کرتا ہوں۔" عارف نے فون بند کیا اور جلدی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

اس نے ایک جگہ سے پھول خریدے اور اس ہسپتال میں جا پہنچا۔ پہلے عارف نے ٹیکسی میں بیٹھے بیٹھے دائیں بائیں کا جائزہ لیا اور پھر ٹیکسی سے باہر نکل آیا۔ کرایہ ادا کرنے کے بعد وہ ہسپتال کی کار پارکنگ کی طرف چل پڑا۔

عارف ہاتھ میں پھول لئے آہستہ آہستہ جا رہا تھا۔ ایک کار کے ساتھ لگ کر مراد علی کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ عارف نے ایک بار پھر دائیں بائیں دیکھا اور اس کے عقب میں جا کر آہستہ سے بولا۔

"کیا سوچ رہے ہو مراد علی؟"

عارف کی آواز سن کر وہ چونکا اور اس نے گھوم کر دیکھا۔ "آپ تو کہہ رہے تھے آپ مجھے فون کریں گے۔ میں آپ کے فون کا انتظار کر رہا تھا اور آپ میرے سامنے کھڑے ہیں۔"

"یہ اچھا نہیں ہے کہ میں خود ہی چل کر آ گیا۔" عارف مسکرایا۔ "سوچا کہ تم سے ملاقات کر لوں۔"

"اچھی بات ہے۔" مراد علی بولا۔

عارف نے جیب سے ایک بند لفافہ نکالا اور اس کی طرف بڑھا کر بولا۔ "اس میں کچھ پیسے ہیں۔ خراد مشین خرید لینا اور دیکھو سنبھال کر رکھنا۔"

مراد علی بند لفافہ لیتے ہی خوش ہو گیا۔

"آپ کی بہت مہربانی ہے جناب۔" مراد علی کی باچھیں کھل گئی تھی۔ اس نے لفافہ اپنی جیکٹ کے اندر والی جیب میں رکھ لیا۔

"تم نوکری کب چھوڑو گے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پہلے خراد مشین خریدوں گا۔" مراد علی بولا۔

"ہاں..... تم ابھی خراد مشین خریدو لیکن نوکری تب چھوڑنا جب میں کہوں۔ تم میری بات کو سمجھ رہے ہو نا؟"

"آپ کی بات کیوں نہیں سمجھوں گا۔" مراد علی مسکرایا۔

"تم ایک کام کرو۔" عارف بولا۔

"آپ حکم کریں۔" مراد علی مستعد ہو کر بولا۔

"یہ پھولوں کا گلدستہ تم اپنی میڈم کو دے آؤ اور میرا پوچھیں تو کہنا کہ میں لابی میں بیٹھا ہوں۔" عارف نے پھول اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"آپ نہیں چلیں گے؟" مراد علی نے پوچھا۔

"میں لابی میں ہوں۔ تم بس اتنا کہہ دینا۔" عارف بولا۔

دونوں ایک ساتھ اندر چلے گئے۔ عارف لابی میں ایک جگہ براجمان ہو گیا جبکہ مراد علی پھول لئے اوپر کی منزل پر جانے کے لئے لفٹ کی طرف چلا گیا۔

☆......☆......☆

بیڈ پر مس نوشین اترے ہوئے چہرے اور غمزدہ آنکھوں کے ساتھ لیٹی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد سوجن بھی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی ماں کا بھی منہ لٹکا ہوا تھا اور وہ پاس ہی بیٹھی پان دان سے پان بنا رہی تھی۔

جب سے نوشین اس ہسپتال میں داخل ہوئی تھی، اس کی عیادت کرنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ پریس والے الگ وہاں ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی تو دونوں ماں بیٹی نے ایک ساتھ سر اٹھا کر اس طرف دیکھا۔

دروازے پر بنی ٹھنی عندلیب کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ اس کا ڈرائیور تھا جس کے ہاتھ میں پھول تھے۔ اس نے بڑی نزاکت سے اپنے ڈرائیور سے کہا وہ پھول مس نوشین کو دے۔ ڈرائیور نے پھول مس نوشین کو دیئے اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

"میں بیس منٹ سے باہر کھڑی ہوں۔ پریس والے ہی نہیں چھوڑتے، ایک کے بعد دوسرا سوال، انٹرویو کے لئے وقت مانگنے والے الگ تقاضا کر رہے تھے اوپر سے سیٹ پر میرا انتظار ہو رہا ہے لیکن آپ کی خیریت بھی معلوم کرنی تھی۔" عندلیب ادا دکھاتے ہوئے بولی۔

"بیٹھ جاؤ۔" نوشین کی ماں نے خشک لہجے میں پیشکش کی۔

"بیٹھنے کا وقت کس کے پاس ہے۔ دوڑ لگی ہوئی ہے۔ تم سناؤ نوشین تم کیسی ہو اور یہ اچانک کیا ہو گیا؟" عندلیب نے اس کی طرف مسکرا کر یوں پوچھا جیسے وہ اپنے دل کی تشفی کے لئے پوچھ رہی ہو۔

"مصروفیات...... چوبیس گھنٹے میں دو گھنٹے کی نیند......بس کام کام اور کام...... یہ تو ہونا ہی تھا اور وہ ہو گیا۔" نوشین کی ماں نے پان کی گلوری منہ میں رکھ کر بتایا۔ دل سے جو دھواں اٹھ رہا تھا اسے وہ چھپا گئی تھی۔

"اب کیسی ہو نوشین؟" عندلیب نے پوچھا۔

"اب اچھی ہے۔ لاکھوں کا نقصان ہو رہا ہے۔ سیٹ اس کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔ اس کی صحت یابی کے لئے منتیں مان کر بیٹھے ہوئے ہیں پروڈیوسر۔" اس بار بھی اس کی ماں نے ہی جواب دیا۔

"خدا تمہیں صحت دے نوشین۔ اچھا میں چلتی ہوں۔ میرے پاس بس اتنا ہی وقت تھا کہ جو جاتے جاتے میں یہاں رک گئی۔ پھر ملوں گی۔" عندلیب نے ایک مسکراہٹ نوشین کی طرف اچھالی اور دروازے کی طرف جونہی مڑی نوشین بولی۔ "تم کسی کے ساتھ مل کر پروڈکشن ہاؤس کھولنا چاہتی تھیں عندلیب؟"

اس کا سوال سن کر عندلیب رک گئی اور اس نے ایک بار پھر اپنا رخ نوشین کی طرف کیا۔

"یہ خبر تمہیں کہاں سے ملی؟"

"بس مل گئی...... یہ بھی پتہ ہے کہ تمہاری ملاقات اس سے دبئی میں ہوئی تھی اور تمہارے نام سے وہ پروڈکشن ہاؤس کھول رہا ہے۔" نوشین اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عندلیب نے متحیر نگاہوں سے نوشین کی طرف دیکھا اور بولی۔ "کیا تم میرے خلاف پریس کو کوئی نئی خبر دینے والی ہو؟ کوئی نیا محاذ کھولنے کا ارادہ ہے۔"

"نہیں میں تم سے اس کی تصدیق کر رہی ہوں۔ ایسے ہی بس۔" نوشین نے کہا۔

عندلیب کے چہرے پر گہری سنجیدگی آ گئی۔ "مس نوشی...... میری اس سلسلے میں کسی سے کوئی ملاقات ہوئی ہے اور نہ میرا ایسا کوئی ارادہ ہے۔ تم کوئی محاذ میرے خلاف کھول رہی ہو تو مجھے بتا دو تاکہ میں بھی اپنی زبان کو تمہارے خلاف بولنے کے لئے تیار رکھوں۔"

نوشین نے دیکھا کہ عندلیب کو جیسے اس کی بات سن کر غصہ آ گیا ہے۔ اگر اس میں ذرا کچھ بھی سچائی ہوتی تو وہ مسکراتی یا پھر اس بات کو گول کرنے کی کوشش کرتی لیکن وہ تو ایک دم سے سنجیدہ ہو گئی تھی۔

"دیکھو عندلیب میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ دراصل مجھے کسی سے پتہ چلا تھا کہ کوئی عارف نام کا لڑکا تمہارے ساتھ پروڈکشن ہاؤس کھول رہا ہے۔ میں نے محض پوچھا ہے۔ بخدا اس میں کوئی سازش نہیں ہے۔" نوشین جلدی سے بولی۔

"تم سچ کہہ رہی ہو تو یہ بھی سچ ہے کہ جس نے بھی تم سے کہا ہے، اس نے بکواس کی ہے۔" عندلیب نے کہا۔

"ویسے وہ ہے کون؟"

"پلیز ناراض نہ ہونا۔ چھوڑو اس بات کو، میں نے ایسے ہی بات کی تھی۔" نوشین بہت نرم ہو گئی تھی۔ اس کو ڈر تھا کہ کہیں اس بات پر کوئی نیا محاذ نہ کھل جائے۔

عندلیب نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور وہاں سے چلی گئی۔

اس کے جاتے ہی دونوں ماں بیٹی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نوشین بولی۔

"اس دھوکے باز نے جان بوجھ کر اس کا نام لیا تھا کیونکہ عندلیب میری سب سے بڑی مخالف ہے اور اس مخالفت کا فائدہ اٹھایا تاکہ میں اس کو عندلیب کے پاس جانے نہ دوں۔ وہ اپنی چال میں کامیاب ہو گیا اور میں اس کی چال میں آ گئی۔"

"وہ بہت تیز تھا۔ اتنا تیز کہ وہ ہمارا پلاٹ بھی لے گیا۔ نادر سے کس مشکل سے ہم نے

وہ پلاٹ اپنے نام کرایا تھا اور کس آسانی سے وہ لے اڑا۔ وکیل بھی کہتا ہے کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ پلاٹ ہم نے خود بیچا ہے۔ اس کی رقم لی ہے۔ ہمیں ایک پیسہ بھی نہیں ملا اور وہ سب کچھ لے گیا۔'' نوشین کی ماں رونے لگی۔

اسی اثنا میں دروازے پر دستک ہوئی اور مراد علی کا چہرہ نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پھول تھے۔

''کیا بات ہے مراد علی؟'' نوشین کی ماں کی رعب دار آواز گونجی۔

''یہ پھول لے کر آیا ہوں۔'' مراد علی نے پھولوں کا گلدستہ نوشین کی طرف بڑھا دیا۔

''کہاں سے لے کر آئے ہو؟'' سوال پھر نوشین کی ماں کی طرف سے ہوا۔

''یہ پھول انہوں نے دیئے ہیں کیا نام ہے ان کا، عارف عارف صاحب نے۔'' مراد علی نے بتایا۔

''عارف نے دیئے ہیں۔ کہاں ہے وہ؟'' نوشین کے ساتھ ساتھ اس کی ماں بھی چونکی۔ دونوں کے جسموں میں جیسے بجلی دوڑ گئی تھی۔

''باہر لابی میں بیٹھے ہیں۔'' مراد علی نے جواب دیا۔

''لابی میں بیٹھا ہے۔'' نوشین کی ماں نے سنا تو وہ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر کمرے سے نکل کر باہر بھاگی۔ لابی میں پہنچ کر اس نے متلاشی نگاہوں سے عارف کو دیکھا۔ اسے عارف کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

عارف تو اسی وقت چلا گیا تھا جب مراد علی لفٹ میں سوار ہو رہا تھا۔ نوشین کی ماں پھولی ہوئی سانس اور قہر آلود نگاہوں سے کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھ رہی تھی۔

اچانک وہ پیچھے کی طرف گھومی تو وہ چونک پڑی۔ اس کی نگاہیں اسی جگہ رک گئیں اور وہ حیرت زدہ سی رہ گئی۔

اس کے سامنے لمبے قد اور باریک تلوار نما مونچھوں والا شخص موجود تھا جس کی سرخ آنکھیں تھیں اور بال پیچھے کی طرف کنگھی کئے ہوتے تھے اور سفید کلف لگا شلوار قمیض سوٹ پہن رکھا تھا، وہ نوشین کی ماں کی طرف بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تم......؟'' نوشین کی ماں کے منہ سے حیران کن انداز میں نکلا جیسے اس کو سامنے دیکھ کر اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''مجھے یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی ہے نا۔'' وہ مسکرایا۔

''تم کب آئے جہانگیر خان؟'' نوشین کی ماں کی حیرت میں ابھی تک کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہم گاؤں کے لوگ دشمن دار ہوتے ہیں۔ کبھی ہمارا کوئی بندہ مرجاتا ہے اور کبھی ہم اپنے دشمن کا کوئی بندہ مار دیتے ہیں۔ کبھی ہم جیل میں ہوتے ہیں اور کبھی جیل سے باہر ہوتے ہیں۔ ہمارا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ جیل سے ہم بھاگتے نہیں ہیں۔ دیکھو کس طرح ڈیڑھ سال گزر گیا۔ اس ڈیڑھ سال میں میں ایک پل کے لئے بھی نوشین کو نہیں بھولا، اسے میں نے اپنے دل میں آباد رکھا ہے۔ کل ہی پتہ چلا کہ وہ ہسپتال میں ہے تو خبر لینے کے لئے آ گیا۔''

نوشین کی ماں تذبذب میں بولی۔ ''ہاں......نوشین کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ اب ٹھیک ہے۔''

''کہاں ہے وہ؟'' جہانگیر نے پوچھا۔

''وہ اوپر کمرے میں ہے۔'' نوشین کی ماں نے کہا۔

جہانگیر اس کے ساتھ لفٹ کی طرف چلا۔ وہ اس کے پیچھے یوں چل رہی تھی جیسے یہ اس کی مجبوری ہو۔ وہ دونوں اوپر کی منزل پر چلے گئے۔ دروازے میں جونہی نوشین نے جہانگیر کا چہرہ دیکھا وہ چونک گئی۔

جہانگیر خان ایک بہت بڑے زمیندار اور سیاست دان ریاست خان کا بیٹا تھا۔ جہانگیر کا بنگلہ شہر کے پوش علاقے میں بھی تھا۔ وہ اکثر خالی ہی ہوتا تھا۔ وہاں نوکر چاکر رہتے تھے یا پھر جب ریاست خان کا شہر آنا ہوتا تھا تو وہ اس بنگلے میں رہائش اختیار کرتا تھا۔

ایک ڈرامہ ڈائریکٹر کے جہانگیر کے ساتھ تعلقات تھے۔ اس کو اپنے ڈرامے کی شوٹنگ کے لئے ایک بنگلہ درکار تھا۔ اس نے جہانگیر سے بات کی تو اس نے اجازت دے دی اور یوں

پہلی بار جہانگیر کے بنگلے میں شوٹنگ کے لئے جب نوشین آئی تو اس وقت جہانگیر بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے نوشین کو دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گیا۔

نوشین کا تعلق کسی شریف گھرانے سے تو تھا نہیں کہ وہ اس کی طرف مائل نہ ہوتی۔ وہ زمیندار اور بڑے سیاست دان کا بیٹا تھا، دولت کی ریل پیل تھی، پیسہ اس کے ہاتھ سے یوں نکلتا تھا جیسے پانی بہتا ہے، دونوں میں تعلقات بڑھے اور جہانگیر اس سے شادی کرنے کے لئے زور دینے لگا۔

نوشین ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے کام میں مصروف تھی اور پھر اگر وہ شادی کر لیتی تو اس کے لئے دولت اکٹھی کرنا مشکل ہو جاتا۔ وہ اس کو ٹالتی رہی، اسی دوران جہانگیر سے ایک قتل ہو گیا اور اس نے فرار ہونے کی بجائے گرفتاری دے دی۔ جہانگیر جیل میں چلا گیا، بہت سی دولت نوشین اس سے سمیٹ چکی تھی۔ اس کے جیل جانے سے دونوں ماں بیٹی نے سکھ کی سانس لی کہ چلو جان چھوٹی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ سیاستدان کا بیٹا تھا۔ جہانگیر جیل میں باہر سے بھی زیادہ آرام اور سکون سے تھا۔ مقتول کے وارثوں سے صلح کے لئے بھی زور دیا جاتا رہا۔ وہ اثر ورسوخ والے لوگ تھے اور ڈیڑھ سال کے بعد ان کے مابین صلح صفائی ہو گئی اور جہانگیر خان باہر آ گیا۔

”چوہدری صاحب آپ؟“ نوشین بولی۔

”کئی بار کہا ہے تم مجھے چوہدری صاحب نہ کہا کرو۔ تمہارا تو میں غلام ہوں۔ دیکھو میں جیل سے باہر آ گیا۔ تم مجھ سے ایک بار بھی ملنے کے لئے نہیں آئیں۔ ایسی بے رخی......؟“ جہانگیر اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

”تم تو جانتے ہو کہ نوشین کے پیچھے میڈیا یوں بھاگتا ہے جیسے یہاں شوبز میں یہی ایک چہرہ ہے۔ اب دیکھو اس کی طبیعت کیا خراب ہوئی، میڈیا نے پل پل کی خبر دینا شروع کر دی۔ اگر یہ تم سے جیل میں ملنے چلی جاتی تو تم سمجھتے ہونا......“ نوشین کی ماں شاطرانہ انداز میں بولی۔

”سب سمجھتا ہوں۔ ویسے ہوا کیا ہے؟“ جہانگیر خان نے نوشین کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوشین کے دل ودماغ میں عارف کے لئے زہر بھرا ہوا تھا۔ جو دھوکا اس نے دیا تھا، اس کی وجہ سے وہ یہاں موجود تھی۔ اس وقت عارف کو سبق سکھانے اور اپنی رقم واپس لینے کے لئے نوشین کو جہانگیر خان جیسے مرد کی ضرورت تھی۔ وہ نوشین کے ایک اشارے پر کچھ بھی کر سکتا تھا۔

چنانچہ وہ اس کی بات سن کر مسکرائی اور اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو آپ آئے ہیں سب بتا دوں گی۔ کہیں جانا ہے آپ کو؟“

نوشین کی ماں یہ چال سمجھ نہیں سکی تھی اور وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی جبکہ نوشین کا اتنا کہنا، اس کی یہ ادا، یہ لہجہ جہانگیر خان کے لئے جیسے زندگی تھا۔ اس کا سینہ چوڑا ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں، ڈیڑھ سال تک نوشین کا اس سے ایک بار بھی ملاقات کے لئے نہ آنے کا جو شکوہ تھا وہ ایک لمحے میں معدوم ہو گیا تھا۔

☆......☆......☆

اویس حبیب کسی زخمی سانپ کی طرح دم سادھے بیٹھا تھا کہ جونہی اس کے سامنے عارف آئے گا اور وہ اس کو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ایسے ڈسے گا کہ اس کے لئے دوسرا سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔ اس کے دل کی نالیوں میں اس وقت خون نہیں بلکہ زہر دوڑ رہا تھا۔

جس پلاٹ کی رقم عارف لے کر بھاگا تھا، وہ اس کے پارٹنر نے ہی نوشین کے عشق میں مبتلا ہو کر اس کے نام کر دیا تھا جبکہ اویس حبیب کی اپنی نظر اس پلاٹ پر تھی کیونکہ اس کا پارٹنر نادر غیر شادی شدہ تھا۔ جب اس نے وہ پلاٹ خریدا تھا تو اویس حبیب کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ یہ پلاٹ دیکھتے ہی دیکھتے لاکھوں سے کروڑوں کا ہو جائے گا۔

اویس حبیب شروع سے ہی نفرت سے بھرا ہوا ایک شخص تھا۔ جب وہ پلاٹ نوشین کے نام منتقل ہو گیا تو جیسے اویس حبیب کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ [illegible] پلاٹ کو ہتھیانے کے لئے وہ منصوبہ بندی کر رہا تھا، وہ پلاٹ نوشین نے [illegible] دی تھی۔ اتفاق سے [illegible] ہو گیا، اس کا جو [illegible] کاروبار میں لگا تھا، اس [illegible] ہیر پھیر کر کے اس نے باقی سرمایہ [illegible] آپ کو واپس

کر دیا اور اس پلاٹ کو حاصل کرنے کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس دوران عارف اس کو مل گیا۔ اس کا لہجہ اور اعتماد دیکھ کر اویس حبیب نے عارف کی بھی کسی ہیرے کی طرح پرکھ کی اور اسے اس کام پر لگا دیا۔ اس کی سوچ کے برعکس عارف اس پلاٹ کی رقم ہضم کر گیا اور وہ دیکھتا ہی رہ گیا۔

جس طرح عارف نے شاطرانہ انداز سے چال چلی تھی اس کی داد اویس حبیب دل ہی دل میں دیتے ہوئے کہتا تھا کہ اس نے عارف کو پہلی ہی ملاقات میں منتخب کیا تھا تو اس کا انتخاب غلط نہیں تھا۔ عارف نے نوشین سے پلاٹ فروخت کرا کے رقم اپنے اکاؤنٹ میں اس طرح منتقل کر لی تھی کہ گویا شیر کے منہ سے لقمہ چھینا ہو۔

اویس حبیب ان ہی سوچوں میں سرگرداں تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی اور اس کی اجازت سے ایک آدمی اندر آ گیا۔

''کیا بنا؟'' اس کے آتے ہی اویس حبیب نے پوچھا۔

''ہر جگہ تلاش کر لیا لیکن وہ کہیں نہیں ملا۔'' اس آدمی نے بتایا۔ ''میں نے ایک ایک جگہ چھان ماری ہے۔''

''کہاں چلا گیا وہ؟'' اویس حبیب نے بے چینی سے ہاتھ مارا۔

''وہ اپنے گھر بھی نہیں گیا۔ وہاں بھی میرا آدمی موجود تھا۔'' اس نے کہا۔

''زمین کھا گئی کہ آسمان نگل گیا۔ وہ اس شہر کو چھوڑ گیا ہے، آخر کہاں چلا گیا ہے۔''

اویس حبیب اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''ایک بات کہوں سر....؟'' اس آدمی نے اجازت طلب کی۔

''کیا کہنا چاہتے ہو۔'' اویس حبیب کو غصہ آ رہا تھا۔

''اس کے گھر والوں کو اٹھا لاؤں؟'' اس آدمی نے اپنا خیال پیش کیا۔

''دیکھو نذیر یہ میرا اور عارف کا معاملہ ہے۔ میں دوستی اور دشمنی اپنے اصولوں کے حساب سے کرتا ہوں۔ اس معاملے میں اس کے گھر والے شامل نہیں تھے۔ لہٰذا آئندہ کبھی مجھ سے یہ بات مت کہنا۔ میری دشمنی عارف سے ہے اور میں اپنی دشمنی اس سے ہی نبھاؤں گا۔۔۔۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سمجھے۔'' اویس حبیب نے سخت الفاظ میں کہا۔

''او۔کے سر۔'' اس نے اپنا سر جھکا لیا۔

''تم اس کو تلاش کرو کہیں بھی...... زمین کھود کر یا آسمان کی بلندی پر جا کر...... مجھے وہ چاہیے ہر قیمت پر...... کسی بھی طرح۔'' اویس حبیب نے اس کو حکم دیا۔

''میں کوشش کرتا ہوں۔'' وہ آدمی جانے لگا۔

''کوشش کے لفظ سے مجھے نفرت ہے۔ مجھے رزلٹ چاہیئے۔ مجھے وہ زندہ اپنے سامنے چاہیے۔ آئندہ میرے سامنے یوں منہ لٹکا کر مت آنا اور میری دشمنی کا اصول یاد رکھنا۔'' ایک دم اویس حبیب سفاک لہجے میں یوں بولا کہ اس کے سامنے کھڑا آدمی ڈر گیا۔

''جی بہتر ایسا ہی ہو گا۔''

''تم نے اس کی شکل اچھی طرح سے دیکھی ہوئی ہے۔ جاؤ اور اپنا کام کرو۔'' اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا اور وہ آدمی باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

منصور اور زاہدہ بیگم میں کشیدگی حائل ہو گئی تھی۔

دونوں نے صبح الگ الگ ناشتہ کیا تھا اور اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ زاہدہ بیگم کو اس کی باتوں پر تاسف تھا اور منصور کو اظہر حسین سے شادی کرنے کا دکھ اور غصہ تو تھا ہی، اس کی بات کو کوئی اہمیت نہ دینے کا بھی کرب اس کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔ جس سے اس کو اپنے مسلسل نظر انداز کئے جانے کا احساس بڑھ گیا تھا۔

منصور نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا کہ زاہدہ بیگم تیار ہو کر کار میں بیٹھ کر وہاں سے چل دی۔ منصور کھڑکی سے ہٹ گیا۔ اسی اثناء میں اس کا موبائل فون بجنے لگا۔ اسکرین پر سائرہ کا نمبر تھا۔

''ہیلو......'' منصور نے موبائل فون کان پر لگاتے ہوئے کہا۔

کچھ توقف کے ساتھ سائرہ کی مرجھائی ہوئی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''کیسے

ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو؟" منصور کو اس کی آواز سے اندازہ ہوا جیسے وہ پریشان ہے۔

"میں ٹھیک ہوں۔" سائرہ نے اپنے اسی انداز میں جواب دیا۔

منصور بولا۔ "مجھے تم اپنی آواز سے ٹھیک نہیں لگ رہی ہو۔ کیا بات ہے؟ جاننا چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔" سائرہ کا اس بار لہجہ ایسا ہو گیا جسے وہ جواب دیتے ہوئے رو دی ہو۔

"تم رو رہی ہو؟" منصور نے ایک دم پوچھا۔

"کیا میری تصویر آ رہی ہے فون پر؟ میں کب رو رہی ہوں۔" سائرہ نے جھنجھلا کر جواب دیا۔

"تم ٹھیک نہیں ہو۔ میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ ابھی مجھے ملو۔ میں انکار نہیں سننا چاہتا۔" منصور مضطرب ہو گیا۔

"میں آج نہیں مل سکتی۔" سائرہ نے کہا۔

"کیوں تم مجھے آج کیوں نہیں مل سکتیں۔ میں ملنا چاہتا ہوں۔ بولو میں کہاں آؤں۔" منصور نے زور دیا۔

"آپ ضد نہ کریں۔ میں آج نہیں مل سکتی۔" سائرہ کے لہجے میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔

"میرا دل چاہا اور میں نے آپ کو فون کر لیا۔"

"سائرہ مجھے بتاؤ کہ میں کہاں آؤں۔" منصور نے ایک ایک لفظ رک رک کر ادا کیا۔

"مجھے تم سے ملنا ہے۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ کچھ توقف کے بعد وہ بولی۔ "آپ ضد کر رہے ہیں تو پھر گول چوک پر آ جائیں، میں وہاں کھڑی ہوں گی۔"

"میں ابھی آ رہا ہوں۔ تم وہاں پہنچو۔" منصور نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسری طرف سائرہ نے فون کان سے الگ کرتے ہوئے اپنے پاس بیٹھی اپنی آنٹی کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا پڑیں۔

"تم نے ویسے ہی بات کی جیسا میں نے کہا تھا۔ دیکھو آج کچھ ایسا کرنا کہ تم سے وہ نکاح کے لئے تیار ہو جائے۔" آنٹی نے تاکید کی۔

"کچھ ایسا ہی کروں گی۔" سائرہ بولی اور اس کی آنٹی اسے دوسرے کمرے میں لے گئی۔

☆......☆......☆

منصور گول چوک میں اس طرح پہنچا جیسے پستول سے گولی نکلتی ہے۔ وہ اپنی پرانی کار میں بیٹھا متلاشی نگاہوں سے سائرہ کو دیکھ رہا تھا جو ابھی تک یہاں نہیں پہنچی تھی۔

کچھ دیر کے بعد ایک طرف سے سائرہ آتی ہوئی دکھائی دی۔ اس کا چہرہ دور سے ہی اُترا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ باہر جبکہ دوسرا ہاتھ دوپٹے کے اندر تھا۔ منصور اس کو دیکھتے ہی کار سے باہر نکلا۔ وہ اس کے پاس آئی اور کار میں بیٹھ گئی۔ منصور کار اس جگہ سے آگے لے گیا۔

"تمہارا چہرہ اُترا ہوا ہے اور تم اُداس دکھائی دے رہی ہو۔ کیا بات ہے؟" منصور اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"کچھ نہیں بس ایسے ہی۔" سائرہ پریشان اور غمزدہ ہونے کی پوری اداکاری کر رہی تھی۔ "آپ بار بار ایک ہی سوال پوچھ رہے ہیں۔"

"کیونکہ مجھے اپنے اس سوال کا جواب نہیں مل رہا ہے۔" منصور بولا۔

"آپ ایسے ہی بس......" سائرہ نے جان بوجھ کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کچھ تو ہے۔ تم مجھے بتاؤ۔ میں پریشان ہوں۔" منصور نے تقاضا کیا۔

سائرہ چپ ہو گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ منصور اس کو اس حالت میں دیکھ کر اور بھی پریشان ہو گیا۔ اس کا دل اس وقت اس کے حصار میں تھا۔ اس کو اس سے پیار ہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نہیں بلکہ شدید ہمدردی بھی ہوگئی تھی۔

منصور نے کار ایک طرف روک دی۔ وہ ہاکی سٹیڈیم تھا۔ کار اس نے ایسی جگہ کھڑی کی تھی جہاں خاموشی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" منصور نے اپنی سوالیہ نگاہیں اس کے اداس اور غم میں ڈوبے چہرے پر جمادی تھیں۔

جواب دینے کی بجائے سائرہ نے دوپٹے سے اپنا دوسرا ہاتھ باہر نکالا اور اس کے آگے کر دیا۔ اس ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ منصور دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔

"یہ کیا ہوا ہے؟"

"آپ نے مجھے کہا تھا کہ میں گھر چلی جاؤں۔ آپ کی بات مانی اور میں گھر چلی گئی۔ میں پھر اس شخص کی ہوس زدہ نگاہوں کا شکار ہوئی تو میں نے اس کی شکایت امی سے کر دی۔ میری بات امی نے بھی نہیں مانی اور اس شخص نے لکڑی اٹھا کر مجھے ماری۔ میں نے اپنا ہاتھ آگے کیا اور ہڈی پر چوٹ لگ گئی۔" سائرہ بتانے کے بعد رونے لگی۔

منصور اس کی حالت دیکھ کر مضطرب ہو گیا۔ اس کے دل میں اس کے لئے محبت اور ہمدردی کا مزید الاؤ روشن ہو گیا۔

اس نے ابھی دنیا نہیں دیکھی تھی۔ وہ کالج کے بعد اپنی ماں کی زیر نگرانی رہا تھا۔ وہ ایک پڑھنے لکھنے والا نوجوان تھا، وہ سائرہ کی چالاکی اور ہوشیاری سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس لئے وہ اس کی ایسی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھا۔

سائرہ چند لمحوں بعد پھر بولی۔ "اب میں واپس گھر نہیں جاؤں گی۔ مجھے بے شک آپ کاٹ کر پھینک دیں، مجھے سمندر میں پھینک دیں۔ میں واپس گھر نہیں جاؤں گی۔ آپ کو فون اس لئے کیا تھا تاکہ آپ کو بتا سکوں کہ میں گھر رہنے کا وعدہ توڑ رہی ہوں۔"

منصور نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور بولا۔ "اب میں تمہیں گھر جانے بھی نہیں دوں گا۔"

منصور کا دوٹوک لہجہ دیکھ کر ایک لمحے کے لئے سائرہ چونکی لیکن وہ چپ رہی۔ وہ منصور

کے مزید بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔ جب منصور نہ بولا تو وہ اپنی بے چینی کو زیادہ دیر روک نہ سکی۔ "میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"تم کو مطلب سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔" منصور کی نگاہیں سامنے مرکوز تھیں۔

"کیسا فیصلہ؟" سائرہ کو ایک بار پھر حیرت ہوئی۔

منصور نے کچھ کہنے کی بجائے کار اسٹارٹ کی اور تیزی سے بھگا دی۔ کار سڑکوں پر بھاگتی رہی۔ دونوں کے درمیان خاموشی حائل تھی۔ سائرہ سوچ رہی تھی کہ یہ کیا کرنے والا ہے۔ اس کو کہاں لے جا رہا ہے، اس کا کیا ارادہ ہے۔ وہ کسی بھی نتیجے پر نہیں پہنچ رہی تھی۔ اس کے اندر کی بے تابی اس کو مضطرب کیے ہوئے تھے۔ وہ جلد جاننا چاہتی تھی۔

کار شہر سے باہر نکل گئی تھی اور پھر ایسی سڑک پر دوڑنے لگی جس کے دائیں بائیں ہریالی تھی اور سامنے طویل چار دیواری دکھائی دے رہی تھی۔ ایک بڑا آہنی گیٹ نظر آ رہا تھا، اندر کئی فارم ہاؤس بنے ہوئے تھے، سائرہ کو کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

کار اس چار دیوار کے اندر چلی گئی اور ایک خوبصورت فارم ہاؤس کے گیٹ کے پاس رک کر اس نے ہارن دیا۔ کچھ دیر کے بعد گیٹ کھلا اور وہ کار اندر لے گیا۔

منصور نے سائرہ کو باہر نکلنے کے لئے کہا۔ بوڑھے ملازم نے گیٹ بند کر دیا تھا اور پھر ان کے پاس آ کر سلام کیا۔ سائرہ اس خوبصورت فارم ہاؤس کو دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھی کہ منصور اس کو واقعی چھت دینے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔ وہ فارم ہاؤس باہر سے اتنا خوبصورت تھا، اندر سے جانے کیسا ہو گا؟ سائرہ سوچنے لگی۔

"کیسے ہو بابا؟" منصور نے بوڑھے ملازم سے پوچھا۔

"بھلا چنگا ہوں صاحب۔" بابا نے عاجزی سے جواب دیا۔

منصور سائرہ کو لے کر اندر چلا گیا۔ وہ بہت خوبصورت اور سجا سجایا فارم ہاؤس تھا۔ سائرہ کا دل خوشی سے جھوم رہا تھا۔

"بابا......" منصور نے ملازم کو مخاطب کیا۔ وہ بھاگتا ہوا منصور کے پاس آ گیا۔

"یہ سائرہ بی بی ہیں۔ کچھ دن یہاں رہیں گی۔ ان کی خوب دیکھ بھال کرنا اور خدمت میں کوئی کسر نہیں چھوڑنا۔"

"آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں ان کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔" بابا نے ایک دم گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"سائرہ یہ بابا ہیں۔ ان کو بابا ہی کہتے ہیں۔ ہمارے پرانے ملازم ہیں۔ یہ تمہارا خوب خیال رکھیں گے، تم یہاں مزے سے رہو۔" منصور نے سائرہ سے کہا۔ "یہ فارم ہاؤس سمجھ لو کہ تمہارا ہی ہے۔"

سائرہ نے ایک نظر منصور کی طرف دیکھا اور پھر بابا کی طرف دیکھ کر دوسری طرف گھوم گئی۔ منصور کو لگا جیسے سائرہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔

"بابا کچھ چائے پانی کا انتظام کرو۔" منصور نے کہا۔ "دیکھو اگر کچھ کھانے کا انتظام ہو جائے تو اچھا ہے۔"

"ابھی لایا صاحب۔" وہ کہتا ہوا اس جگہ سے چلا گیا۔ سائرہ نے اس کے جاتے ہی منصور کی طرف اپنا چہرہ کیا اور پوچھا۔

"ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"پوچھو۔ کیا پوچھنا ہے۔" منصور نے کہا۔

"میں یہاں رہوں گی؟" سائرہ نے پوچھا۔

"ہاں تم یہاں رہو گی۔ آزادی سے رہو گی۔" منصور کے چہرے پر متانت تھی۔

سائرہ نے منصور کے چہرے پر اپنی نگاہیں جماتے ہوئے سوال کیا۔ "مجھے آپ یہاں کس حیثیت سے رکھ رہے ہیں۔ آپ کو مجھ سے ہمدردی ہے، مجھ پر آپ ترس کھا رہے ہیں، مجھ سے آپ کو......"

"محبت ہے......" منصور نے اس کی بات کاٹ کر سنجیدگی سے جواب دیا۔ منصور کی بات سن کر سائرہ کا چہرہ دم بخود رہ گیا۔ اس وقت سائرہ کے چہرے پر جو بھی تاثرات تھے، وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سب بناوٹی اور منصور کے لئے دکھاوے کے تھے۔ منصور پھر بولا۔

"مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے۔ اس لئے نہیں کہ تم مظلوم ہو، اس لئے کہ تم مجھے اچھی لگی ہو اور میری ہی طرح حالات کی ماری ہو۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لئے اچھے ہم سفر ثابت ہو سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کے لئے جینے کا اچھا سہارا بن سکتے ہیں۔"

"یہ میں کیا سن رہی ہوں؟" سائرہ نے حیرت زدہ ہو کر رہا۔

"تم وہی سن رہی ہو جو میں نے کہا ہے۔ بہت جلد ہم شادی کر لیں گے۔" منصور نے اپنا فیصلہ اس کے گوش گزار کر دیا۔

فیصلہ سن کر اس بار سائرہ واقعی چونکی تھی۔ شادی تو وہ اس سے کرنا چاہتی تھی۔ اس طرف وہ خود اس کو مائل کرنا چاہتی تھی، یہ بات منصور نے خود اپنے منہ سے کہہ کر اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔

"میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھوں، اپنی قسمت پر ناز کروں، آپ کا احسان مانوں، کیا کروں......" وہ رونے لگی۔

"تم بس یہ سوچو کہ تم میری زندگی میں آ کر مجھ پر احسان کر رہی ہو۔" منصور یہ کہہ کر اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

منصور تیزی سے باہر نکلا اور بابا کو دیکھ کر منصور نے رک کر پوچھا...... "بابا...... مما تو نہیں آتی یہاں۔"

"کئی مہینے ہو گئے ہیں ان کو یہاں آئے ہوئے۔" بابا نے بتایا۔

"ابھی مما کو پتہ نہ چلے سائرہ کے بارے میں۔" منصور نے کہا اور وہ فارم ہاؤس سے نکل گیا۔

کمرے میں سائرہ خوشی سے جھومتی ہوئی اپنے آپ سے بولی۔ "منصور کے دل اور اس کے فارم ہاؤس میں، میں نے جگہ بنالی ہے۔ اب مجھے اس جگہ سے کوئی نہیں نکال سکے گا۔"

☆......☆......☆

زاہدہ بیگم نے کھڑکی سے پردے ہٹائے تو اظہر حسین نے ایک دم اندر آنے والی روشنی کی وجہ سے اپنی آنکھوں کے آگے ہاتھ رکھ لیا۔ اظہر حسین بیڈ پر نیم دراز تھا۔

سہ پہر کی چمکتی ہوئی دھوپ اندر آنے لگی تھی۔

زاہدہ بیگم نے اظہر حسین کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔ ''روشنی سے ڈر رہے ہیں آپ؟''

''آپ کی روشنی ہماری آنکھوں کو چندھیانے کے لئے کم ہے جو آپ نے سورج کو بھی اس کے لئے دعوت دے دی۔'' اظہر حسین نے اپنا ہاتھ ایک طرف ہٹاتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''اس عمر میں بھی آپ بہت رومانٹک ہیں۔'' زاہدہ بیگم پاس ہی بیٹھ گئی۔ ''جوانوں کی طرح باتیں کرتے ہیں۔''

''آپ کی اس عمر سے کیا مراد ہے۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ آپ مجھے بوڑھا کہہ رہی ہیں۔ جناب ہمارا دل دیکھئے، چند دن میں ہی کسی انیس سال کے نوجوان کی طرح ہو گیا ہے۔'' اظہر حسین کہہ کر ہنسا۔

''اپنے اس جوان دل کو سنبھال کر رکھئے گا، کہیں اور نہ چلا جائے۔'' زاہدہ بیگم یہ کہہ کر ایک ادا سے مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ گئی۔

''اس پرندے نے جہاں اڑ کر جانا تھا وہاں پہنچ گیا ہے۔'' اظہر حسین مسکرایا۔ ''اب اس کے پر کٹ گئے ہیں۔''

''پر کٹ گئے ہیں کہ نہیں، کہیں اور جانے کی جرات تو کرے، گولی نہ ماردوں گی۔'' زاہدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بس ایک بار نظر بھر کر دیکھ لیجئے گا، گولی سے کم نہیں ہوگی۔'' اظہر حسین بھی موڈ میں تھا۔ ''ہم تو ہوش ہی کھو دیں گے۔''

''بات سے بات نکالنا آپ کے لئے مشکل نہیں ہے۔'' زاہدہ بیگم ہنسی۔

''آپ کا حسن ظن ہے۔'' اظہر حسین بولا۔

ایک دم زاہدہ بیگم کا چہرہ سنجیدگی میں ڈوب گیا اور اظہر حسین کی طرف گھوم کر بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''آپ نے منصور کے بارے میں کیا سوچا؟''

زاہدہ بیگم کی بات سن کر اظہر حسین نے کچھ سوچا اور کہا۔ ''کیا خیال ہے منصور کو کچھ وقت دے دیا جائے؟ ابھی وہ جذباتی ہے۔ اس کے اندر کی کیفیت میں تبدیلی آ جائے اور وہ مثبت انداز میں سوچنا شروع کر دے اور اسے یہ احساس خود ہی ہو جائے کہ وہ اپنی مما کے ساتھ غلط رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔''

''مجھے نہیں لگتا کہ ایسا ہو۔ میں نے اس کو بولتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کا لہجہ یکسر بدل چکا ہے۔ مجھے لگتا ہے جیسے اس کے منہ میں کسی اور کی زبان ہے۔'' زاہدہ بیگم کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''میں سوچ رہا ہوں کہ اس کے ساتھ کیسے بات کروں، مجھے ابھی اس کے ساتھ دوستی کرنے کی ضرورت ہے۔ حالانکہ میں اس کے لئے اجنبی نہیں ہوں لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ مجھ سے وہ ایسا رویہ کیوں روا رکھے ہوئے ہے۔'' اظہر حسین کہہ رہا تھا۔ ''میرے ساتھ اس کا رویہ حیران کن ہے۔''

زاہدہ بیگم اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اگر وہ اس کو حقیقت بتا دیتی تو شاید اظہر حسین کے دل میں بھی منصور کے لئے خلیج پیدا ہو جاتی۔

''کچھ تو کرنا پڑے گا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ کچھ کر نہ دے۔ وہ کاروبار کرنا چاہتا ہے اور مجھ سے سرمایہ مانگ رہا ہے۔ ابھی اس کی پڑھائی مکمل نہیں ہوئی ہے۔'' زاہدہ بیگم نے کہا۔ ''میں سوچتی رہتی ہوں۔ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟''

''میں اس سے ایک ملاقات کرتا ہوں۔ میرے خیال میں اسے ابھی اپنی پڑھائی مکمل کرنی چاہئے۔ بزنس کرنے کے لئے بہت وقت ہے۔'' اظہر حسین اپنی جگہ سے اٹھا۔ ''اسے بزنس کرنے کی اتنی جلدی کیوں ہے؟''

''وہ ضد پر اتر آیا ہے۔ عجیب باتیں کرتا ہے'' زاہدہ بیگم کی تشویش اپنی جگہ برقرار تھی۔

''اس کی ضد بھی تو ہم ہی ختم کریں گے۔ شاید وہ بھٹک گیا ہے۔'' اظہر حسین بولا۔

''مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے۔'' زاہدہ بیگم نے کہا۔

"آپ فکر مند نہ ہوں۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ مجھے ایک میٹنگ کر لینے دیں اس کے بعد سوچتا ہوں کہ کیا کرنا ہے۔ آپ اس فکر کو اپنے دماغ سے نکال دیں بلکہ اب آپ بزنس کی بھی کوئی فکر نہ کریں۔ بزنس کی دیکھ بھال کے لئے میں ہوں۔" اظہر حسین کا لہجہ معنی خیز ہو گیا تھا۔

"ان ہی فکروں سے آزادی کے لئے تو آپ کو اپنایا ہے۔" زاہدہ بیگم بولی۔ "اکیلی لڑ نہیں سکتی تھی۔"

"صرف ان ہی فکروں کے لئے مجھے اپنایا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ جو آپ کے دل میں میرے لئے پہلی بار محبت جاگی تھی وہ کیا محض کہانی تھی؟" اظہر حسین نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب یہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔" زاہدہ بیگم پھر ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھ گئی اور ایک دم بولی۔ "اظہر ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ میں اب آپ کے پاس اسی بنگلے میں رک جاؤں؟"

"اور منصور......؟"

"منصور اسی بنگلے میں رہے۔"

"ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ ہم دونوں نے اگر اس بنگلے کو چھوڑ دیا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ لاپرواہ اور ضدی ہو جائے گا۔" اظہر حسین نے کہہ کر اپنا موبائل فون اٹھایا اور بالکونی کی طرف چلا گیا جبکہ زاہدہ بیگم اپنے بالوں میں برش کرنے لگی۔

بالکونی میں آکر اظہر حسین نے ایک نمبر ملایا اور فون ملنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد جونہی رابطہ ہوا وہ بولا۔ "کیا حال ہے بیٹا...... ہاں میں ٹھیک ہوں اور مما کیسی ہیں...... میری بات سنو پہلی فلائٹ پکڑو اور پاکستان آکر اپنا بزنس سنبھال لو۔ تم آج ہی سیٹ کنفرم کرا کے مجھے کال کرو...... ٹھیک ہے اوکے......" یہ بات کرتے ہوئے اظہر حسین کا لہجہ ذرا دھیما تھا۔

اظہر حسین نے موبائل بند کیا اور کمرے میں واپس چلا گیا۔ زاہدہ بیگم اسی جگہ بیٹھی ہوئی تھی۔ ایک بار پھر اظہر حسین کا موبائل فون بجنے لگا۔ اظہر حسین نے جونہی اس کو کان سے لگایا،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسری طرف سے اس کے دوست احتشام کی آواز آئی۔

"کیا بات ہے اظہر حسین بیوی مل گئی اور کوئی دعوت اور کوئی پارٹی نہیں۔ تم اتنے کنجوس تو نہیں تھے۔"

"دعوت بھی ہوگی اور پارٹی بھی ہوگی۔" اظہر حسین ہنسا۔ "اتنے بے صبرے کیوں ہو رہے ہو۔"

"ویسے تمہاری لاٹری لگ گئی ہے ایمان سے۔" احتشام نے کہہ کر ایک قہقہہ لگایا۔ "قسمت کے دھنی ہو۔"

"لاٹری ایسے ہی نہیں لگا کرتی احتشام...... اس کے لئے پلاننگ کرنی پڑتی ہے۔" اظہر حسین نے ایک نظر زاہدہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"میں اس وقت اپنے فارم ہاؤس میں ہوں۔ اپنی بیوی کے ساتھ آیا ہوں۔ میرے فارم ہاؤس کے سامنے تمہاری نئی بیوی کا بھی فارم ہاؤس ہے۔ ابھی ابھی منصور وہاں ایک لڑکی چھوڑ کر گیا ہے۔ یہ کیا قصہ ہے؟" احتشام نے بتایا۔

......

اس کی بات سن کر اظہر حسین چونکا۔ ”کیا تم نے خود دیکھا ہے؟“

”ہاں میں نے خود دیکھا ہے۔“

”اچھا ہوا کہ تم نے دیکھ لیا۔ ذرا دیکھتے رہنا، میں بھی چکر لگاتا ہوں۔ پھر ملاقات ہوتی ہے۔“ اظہر حسین نے سوچتے ہوئے کہا اور فون بند ہو گیا۔

”کیا دیکھا جا رہا ہے؟“ زاہدہ بیگم نے سوال کیا۔ ”اور کس لاٹری کی بات ہو رہی ہے؟“

”احتشام کا فون تھا۔ ایک بزنس ڈیل کی فائل دیکھی تھی اس نے۔ اس فائل میں میری بھی دلچسپی کا سامان ہے۔ بزنس میں فائدہ ہو جائے تو لاٹری ہی نکلنے والی بات ہوتی ہے۔ مجھے ابھی جانا ہے کیونکہ احتشام میرا انتظار کر رہا ہے۔“ اظہر حسین نے کہا اور تیار ہونے کے لئے دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

☆......☆......☆

رات کا اندھیرا چھا گیا تھا۔

گلی سنسان اور سکوت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اچانک چوک کی طرف سے عارف نمودار ہوا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے رک کر دائیں بائیں جائزہ لیا اور اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گیا۔ اس نے دروازے پر دستک دینے سے قبل اپنی کلائی پر بندھی ہوئی مہنگی گھڑی میں وقت دیکھا اور پھر دروازے پر دستک دی۔

دوسری دستک پر دروازہ کھل گیا۔ سامنے اس کا بھائی شکیل کھڑا تھا۔ دونوں نے کچھ دیر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر عارف گھر میں داخل ہوا۔

”کیسے ہیں آپ؟“ عارف نے شکیل سے پوچھا۔

شکیل نے مغموم لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا ہوں۔“

”امی سو گئی ہیں کیا......؟“ عارف کی نگاہیں ماں کے کمرے کی طرف تھیں۔

”ہاں وہ سو گئی ہیں۔“ شکیل کے چہرے پر متانت تھی۔

عارف اپنی ماں کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ بند دروازے کو کھولنے سے پہلے اس نے کچھ سوچا اور پھر دروازہ آہستہ سے کھول کر اندر جھانکا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔

عارف غور سے اپنی ماں کو متلاشی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

”اندر کوئی نہیں ہے۔“ شکیل اس کے پیچھے کھڑا تھا، اس نے آہستہ سے کہا۔ ”امی کمرے میں نہیں ہیں۔“

اس کی بات سن کر عارف چونکا اور شکیل کی طرف مڑ کر بولا۔ ”امی اندر نہیں ہیں...... کہاں ہیں امی؟“

”تم کہاں چلے گئے تھے، کوئی خبر نہیں۔ کوئی اتا پتا نہیں تھا تمہارا......! ہم امی کی وفات کی خبر بھی تمہیں نہیں دے سکے۔“ شکیل نے کہا۔

اس کی بات سن کر جیسے عارف سکتے میں آ گیا تھا۔ وہ حیران نگاہوں سے شکیل کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا کہا آپ نے......؟“

”امی اس دنیا میں نہیں رہیں۔“ شکیل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”کیا کہہ رہے ہیں آپ! یہ کیسے ہو گیا...... کب...... کیا ہوا تھا؟“ عارف کے منہ سے

الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ اس کو شکیل کی بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

''دن دن پہلے وہ ٹھیک تھیں۔ اچانک ان کے دل کو کچھ ہوا اور وہ......!'' شکیل بول نہ سکا۔

''اچانک ہو گیا'' عارف بڑبڑایا۔ اس نے اپنی ماں کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر جا کر اسے روشن کر دیا۔ ثروت کے کمرے کی ہر چیز اسی طرح موجود تھی۔ وہ متلاشی نگاہوں سے کمرے میں پڑی ہر چیز کو دیکھنے لگا جیسے وہ اپنی ماں کو تلاش کر رہا ہو۔ اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

''یہ اچانک کیسے ہو گیا؟'' عارف نے مغموم لہجے میں پوچھا۔ ''اچانک ماں کیسے چلی گئی۔''

''ہمیں خود نہیں پتہ چلا۔'' شکیل بولا۔

''بھائی کو سب پتا ہے۔'' اچانک ان کی بہن شمسہ کمرے میں آ گئی۔ اسے دیکھ کر عارف فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''شمسہ تم......!'' شکیل اسے دیکھتے ہی تذبذب میں مبتلا ہو گیا تھا۔

''بھائی سب جانتے ہیں کہ کیا ہوا تھا۔ میں اسی دن یہاں آئی تھی۔ امی بالکل ٹھیک تھیں۔ راشد آ گیا تھا۔''

''شمسہ......!'' شکیل نے اسے بولنے سے روکنا چاہا۔

''ایک منٹ بھائی! وہ امی سے تمہارے بارے میں بات کرنے لگا کہ تم پاگل ہو گئے ہو، جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں ہے اور لوگوں کے پلاٹ خریدنے کی بات کر رہے ہو، اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اس مکان کو خریدنا چاہتا ہے۔ ہم یہ مکان اس کو بیچ دیں، مکان بیچنے سے ہمارے پاس پیسے آ جائیں گے اور ہمارے گھر میں بھی اچھی روٹی پکنے لگے گی...... ایسی ہی اس نے کئی باتیں کی تھیں، وہ چلا گیا اور امی...... امی گر گئیں۔'' شمسہ بتاتے ہوئے رونے لگی۔

شکیل کی کوشش تھی کہ شمسہ خاموش ہو جائے اور مزید کوئی بات نہ کرے لیکن شمسہ نے سب کچھ بتا دیا۔ عارف سنتا رہا۔ جو انتقام کی آگ اس کے دل میں کسی لاوے کی طرح پک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رہی تھی، اس میں اور بھی شدت آ گئی تھی۔ شمسہ کچھ اور بھی بولتی رہی۔ راشد کی کہی ہوئی ایک ایک بات دہرانے لگی۔ گھر کے تمام افراد وہاں جمع ہو گئے تھے۔ عارف سنتا رہا۔

رات کا سفر جاری رہا۔ اس گھر میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ غم کی فضا ایسی تھی کہ جیسے ہر ایک کے دل میں چھریاں چل رہی ہوں۔ عارف نے جتنا رونا تھا، وہ ماں کے کمرے میں بند ہو کر روتا رہا تھا۔ جب وہ کمرے سے باہر نکلا تو اس کی آنکھیں خشک ہو چکی تھیں۔

فجر کی اذان ختم ہوئی تو عارف کمرے سے باہر نکلا اور اس نے شکیل کی طرف دیکھا جو صحن میں ہی کرسی پر بیٹھا تھا۔ عارف نے سارے گھر کی طرف دیکھا اور باہر جانے کے لئے چل پڑا۔

''عارف کہاں جا رہے ہو؟'' شکیل جلدی سے اٹھا۔

''جا رہا ہوں۔'' عارف بولا۔

''میں پوچھ رہا ہوں کہاں جا رہے ہو؟'' شکیل پریشان ہو گیا۔

''اس گھر میں اب تب ہی آؤں گا جب دلنواز احمد اور اس کے بیٹوں کا شیرازہ نہ بکھیر دوں۔ اس سے پہلے واپس آؤں گا اور نہ تم لوگوں سے ملوں گا۔'' عارف نے کہا۔

''تم کہیں نہیں جاؤ گے۔ سب کچھ اللہ پر چھوڑ دو۔'' شکیل نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ ''ہم کسی سے نہیں لڑیں گے۔''

''یہ میرا انتقام ہے اور اسے میں خود لوں گا۔'' عارف نے پرعزم لہجے میں کہا۔

''عارف! تم کچھ نہیں کرو گے۔'' شمسہ ان کی باتیں سن کر جلدی سے کمرے سے باہر نکلی۔

''مجھے کوئی نہیں روکے گا اور نہ میں رکنا چاہتا ہوں۔'' عارف فیصلہ کن انداز میں بولا۔

''عارف! ہم کسی سے لڑنا نہیں چاہتے۔'' شمسہ بولی۔

''میری جنگ ان سے اس وقت سے شروع ہو چکی ہے جب ابا جی ان کی باتوں کی وجہ سے ہم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔'' عارف نے کہا۔

''لیکن......!'' شکیل نے کچھ کہنا چاہا۔

"لیکن یہ کہ آپ مجھے روک نہیں سکیں گے اور میں رکنا بھی نہیں چاہتا۔" عارف نے مصمم ارادے سے کہا اور گھر سے باہر نکل گیا۔ گلی میں ابھی اندھیرا تھا۔ عارف نے دائیں بائیں دیکھا اور جس طرف سے رات کو آیا تھا، اسی راستے پر قدم بڑھا دیئے۔

دن کا اجالا رات کی چادر کو رفتہ رفتہ ہٹا رہا تھا۔ عارف چلتا ہوا ایک سڑک پر آ گیا۔

ٹھیک اسی وقت ایک چوک سے ایک کار نکلی اور ایک دم اس کار کو بریک لگے۔ عارف نے ایک نظر اس کار کی طرف دیکھا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کار کے اندر بیٹھے تینوں افراد اس کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اس نے سوچا کہ یہ اویس حبیب کے آدمی ہو سکتے ہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ نوشین نے اپنے آدمی اس کے پیچھے لگائے ہوں۔

عارف ایک طرف تیز تیز چلنے لگا۔ کار کا رخ اس کی طرف مڑا اور جونہی کار نے رفتار پکڑی۔ عارف بھاگتا ہوا بائیں جانب ایک گلی میں گھس گیا اور پھر بھاگتا ہوا اس گلی سے نکل کر دوسری طرف سڑک پر جا نکلا۔

اس سڑک پر ایک طرف قطار میں رکشے اور ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ عارف تیز تیز چلتا ہوا ایک ٹیکسی کی طرف بڑھا۔ ابھی اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے بات بھی نہیں کی تھی کہ اچانک اس کی نگاہ اس لڑکی پر پڑی جو اسے سہیل کے گھر دکھائی دی تھی اور پھر وہ پلیٹ میں کچھ لے کر اس کے گھر آئی تھی۔

وہ لڑکی ایک ٹیکسی کے پاس کھڑی تھی اور اس کے پیروں میں ایک بیگ پڑا تھا۔ وہ ٹیکسی والے سے بات کر رہی تھی۔ عارف نے اس کی جانب غور سے دیکھا اور پھر اس کے پاس چلا گیا۔ ایک دم اس لڑکی کی نظر عارف پر پڑی تو وہ ڈرائیور سے بات کرنا بھول گئی اور اس کی طرف دیکھنے لگی۔

اسی اثناء میں وہ کار جس کو عارف نے دیکھا تھا، ایک طرف سے نکلتی دکھائی دی۔ لڑکی کے چہرے پر خوف مترشح ہو گیا۔ وہ ایک دم نیچے جھک گئی جیسے اپنا بیگ ٹھیک کرنے لگی ہو۔

عارف نے ایک نظر اس کار کی طرف دیکھا جو ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ بھی نیچے بیٹھ گیا۔

"یہ کار والے آپ کو تلاش کر رہے ہیں؟" عارف نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کی بات سن کر لڑکی چونکی۔

"ہاں......!" لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کوئی خطرے والی بات ہے؟" عارف نے پوچھا۔

لڑکی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس بات کا کیا جواب دے۔ وہ چپ رہی۔ عارف نے پھر کہا۔ "آپ نے مجھے پہچانا......؟"

"میں جانتی ہوں آپ کو!" لڑکی نے فوراً جواب دیا

"پھر آپ میرے ساتھ چلیں، میں آپ کی مدد کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" عارف نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ عارف نے دیکھا کہ کار سے ایک آدمی باہر نکل کر دائیں بائیں متلاشی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ عارف نے ٹیکسی کا دروازہ کھولا اور لڑکی کو اندر بیٹھنے کے لئے کہا۔ لڑکی جلدی سے ٹیکسی میں بیٹھ گئی، وہ بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

عارف نے ٹیکسی والے کو اپنے ہوٹل کا نام بتایا اور ٹیکسی ڈرائیور نے ٹیکسی قطار سے باہر نکالی اور اس کار کی مخالف سمت کی طرف چل پڑا۔

☆......☆......☆

ہوٹل کے کمرے میں آ کر عارف نے کہا۔ "آپ کسی پریشانی اور فکر کے بغیر اطمینان سے یہاں بیٹھیں۔"

"پانی ملے گا پینے کے لئے!" لڑکی بولی۔

عارف نے پانی کا گلاس لڑکی کو دیا اور لڑکی نے چند گھونٹ لے کر گلاس ایک طرف رکھ دیا۔ کچھ توقف کے بعد عارف بولا۔ "آپ میرے گھر آئی تھیں، سہیل کی رشتے دار ہیں آپ؟"

"سہیل بھائی کی بیوی میری بھابھی کے ساتھ پڑھتی رہی ہیں۔ انہوں نے مجھے ان کے پاس بھیجا تھا۔ میں آپ کے گھر گئی تھی اور آپ کی امی سے بہت دیر تک باتیں بھی کرتی رہی تھی۔ اس دن آپ گھر پر نہیں تھے پھر جس دن میں حلیم لے کر آئی تھی، وہ مجھے سہیل بھائی کی بیوی نے دیا تھا، آپ کے گھر دینے کے لیے تب میرا سامنا آپ سے ہوا تھا۔" لڑکی نے بتایا۔

"امی نے بتایا تھا کہ آپ یہاں نوکری کرنے کے لئے آئی ہیں۔" عارف نے کہا۔

"وہ جھوٹ تھا، دراصل میرے بھائی میری شادی اس لڑکے سے کرنا چاہتے ہیں جو مجھے اچھا نہیں لگتا تھا اور میری ایک دوست کے ساتھ اس کا تعلق بھی رہا تھا۔ مجھے اپنے بھائی کی یہ بزنس ڈیل لگتی ہے۔ میری بھابھی نے مجھے اس کے گھر جانے کے لئے کہا تھا تا کہ بات رک جائے، اس بات کا صرف میری بھابھی کو پتہ تھا کہ میں سہیل بھائی کے گھر ہوں۔ میری بھابھی بہت اچھی ہیں لیکن بھائی کی سوچ کو ہم کبھی نہیں سمجھ سکے۔" وہ لڑکی اداس تھی۔

"بزنس ڈیل سے آپ کی کیا مراد ہے؟" عارف نے پوچھا۔

"اس بارے میں ابھی حقیقت تو نہیں کھلی۔ لیکن میرا شک یہی ہے، ایک بار میں نے اپنے بھائی کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ میری بہن چیک ہے جسے میں جب چاہوں کیش کرا لوں۔ مجھے تو وہ بھائی لگتا ہی نہیں ہے۔"

"کیا آپ مجھے اپنا نام بتا سکتی ہیں؟" عارف نے اس کی طرف دیکھا۔

"میرا نام سمعیہ ہے۔" اس نے اپنا نام بتایا۔

"اور میرا نام......!"

"میں آپ کا نام جانتی ہوں، مجھے آپ کی امی نے بتایا تھا۔" سمعیہ نے جلدی سے کہا۔

"اس وقت آپ کہاں جا رہی تھیں اور وہ لوگ کون تھے جو آپ کے پیچھے تھے؟" عارف نے کچھ توقف کے بعد پھر سوال کیا۔

"میں اس شہر سے فرار ہو رہی تھی۔ میرا بھائی میرا آج نکاح کرنے والے تھا۔ اس کا بھابھی کو اچانک پتہ چلا تو انہوں نے مجھے جانے کے لئے کہا، میں گھر سے نکلی تو بھائی کو پتا چل گیا اور ان کے آدمی میری تلاش میں لگ گئے۔" سمعیہ نے بتایا۔

"آپ کے بھائی کیا کرتے ہیں؟"

"شہر میں ان کے کئی کاروبار ہیں۔ ان کا نام اویس حبیب ہے۔" سمعیہ نے جونہی نام بتایا، عارف چونکا۔ وہ دل ہی دل میں بولا۔ اوہ تو یہ اویس حبیب کی بہن ہے۔

اپنے دل کو تسلی کے لئے عارف نے پھر پوچھا۔ "اویس حبیب کا اس شہر میں بھلا کیا کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کاروبار ہے؟"

"جیولری کا بھی ہے اور بڑے برانڈ کی گھڑیوں کی ایجنسی بھی ہے ان کے پاس!"

سمعیہ نے کہا۔ عارف کا اس جواب سے سارا ابہام دور ہو گیا تھا۔ اب اس میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ وہ اویس حبیب کی بہن ہے۔ وہی اویس حبیب جو یقیناً اس کو پاگل کتے کی طرح ڈھونڈ رہا ہو گا کیونکہ وہ اب تک یہ جان چکا ہو گا کہ عارف اس کو فریب دے کر نکل چکا ہے۔

وہ سوچنے لگا اور اٹھ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"پلیز آپ میری مدد کریں۔ مجھے کسی طرح سے ریلوے اسٹیشن تک پہنچا دیں، ٹرین کا ٹائم ہو رہا ہے۔" سمعیہ نے گزارش کی۔

عارف نے ایک نظر اس کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھا اور بولا۔ "اگر آپ کے تحفظ کا انتظام میں کر دوں تو......؟"

"کیسے......؟"

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ آپ کہاں تک بھاگیں گی، کہاں کہاں چھپ سکتی ہیں۔ آپ کا بھائی آپ کو بالآخر تلاش کر لے گا۔ میرے ذہن میں ایک تجویز ہے۔ اگر آپ اتفاق کریں تو آپ کی مشکل آسان ہو سکتی ہے۔" عارف متانت سے بولا۔

سمعیہ نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تجویز ہے؟"

"آپ اطمینان سے ناشتہ کر لیں پھر ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" عارف نے کہا تو سمعیہ نے اپنا سر جھکا لیا۔

وہ گھر سے نکل تو آئی تھی لیکن کئی اندیشوں میں گھری ہوئی تھی۔ آخر ایک اکیلی لڑکی کہاں تک بھاگ سکتی ہے، وہ کتنے دن کسی کے گھر میں قیام کر سکتی ہے پھر ایک نہ ایک دن تو اسے اس گھر سے جانا ہی ہو گا۔

☆......☆......☆

سمعیہ اپنی بھابھی کے بارے میں جو سوچتی تھی، حقیقت اس کے برعکس تھی۔ نادرہ جس کے بارے میں سمعیہ کا خیال تھا کہ وہ اس کی ہمدرد اور دل کی بہت اچھی ہے، وہ دراصل اپنے شوہر کی بے بسی اور اپنی نند کو گھر سے فرار کرا کے بہت خوش تھی۔ وہ دل ہی دل میں ہنس رہی تھی، اس کا چہرہ بظاہر اترا ہوا تھا لیکن وہ جب بھی اپنے شوہر اویس حبیب کی طرف دیکھتی تھی، اس کا دل مسکرانے لگتا تھا۔

اصل بات یہ تھی کہ نادرہ کا بھائی سمعیہ کو پسند کرتا تھا۔ اس نے اپنے دل کی بات اپنی بہن سے کہی تو نادرہ نے بھائی کو مشورہ دیا کہ وہ امی اور ابو کو بھیج کر رشتے کی بات کریں۔

جب اس کے والدین نے اس رشتے کی بات کی تو اویس حبیب نے ایک لمحے کی تاخیر کئے بغیر صاف انکار کر دیا اور اس معاملے میں مزید بات کرنے سے بھی منع کر دیا بلکہ وہ ان کے سامنے سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ اس کا افسوس نادرہ کو بہت تھا۔

دوسرے دن جب سمعیہ اپنے کمرے میں اپنی دوست کے ساتھ فون پر بات کر رہی تھی تو نادرہ نے وہ بات سن لی۔ سمعیہ کہہ رہی تھی۔ ”میرے لئے کیا گنجا لڑکا ہی رہ گیا ہے دنیا میں؟“ نادرہ کا بھائی کیونکہ بالوں سے مبرا تھا، اسے یہ بات کسی نشتر کی طرح لگی۔

جب اویس حبیب نے اس لڑکے کا تذکرہ کیا جس سے وہ سمعیہ کی شادی کرنا چاہتا تھا تو نادرہ نے اس لڑکے کی تصویر سمعیہ کو دکھائی۔ اس کی تصویر دیکھتے ہی سمعیہ چونکی کیونکہ اس لڑکے کے ساتھ اس کی دوست کا تعلق رہ چکا تھا۔ یہ بات واضح نہیں ہوئی تھی کہ دونوں نے خفیہ شادی کر لی ہے یا صرف ان کے درمیان تعلق ہی تھا۔ اس کا ذکر سمعیہ نے اپنی بھابھی سے نہیں کیا تھا، ابھی وہ اپنی دوست سے مل کر اس بات کی تصدیق کرنا چاہتی تھی۔

جب سمعیہ نے اپنی اس دوست کے ساتھ رابطہ کرنا چاہا تو اس کا موبائل بند تھا۔ اس سے اس کی آخری ملاقات چھ ماہ قبل ہوئی تھی اور دونوں ایک ساتھ ڈیزائننگ کا کورس کر رہی تھیں اور اسی دوران ہی دونوں کے درمیان دوستی ہوئی تھی۔ بار بار کوشش کے باوجود سمعیہ کا اپنی دوست سے رابطہ نہیں ہو سکا۔ لگتا تھا کہ اس نے اپنی سم بدل لی تھی جبکہ اس کی رہائش کا اس کو علم نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس کے بعد نادرہ نے سمعیہ کو مزید بتایا کہ اس کا بھائی شادی نہیں بلکہ شادی کی آڑ میں کوئی بزنس ڈیل کر رہا ہے اور اس نے سمعیہ کو گھر سے نکل جانے کا مشورہ دیا اور اپنی کلاس فیلو سہیل کی بیوی کے گھر چھپا کر خود لاعلم ہوگئی اور اویس حبیب کو بتانے لگی کہ سمعیہ کسی اور لڑکے کو پسند کرتی ہے اسی لئے گھر سے چلی گئی ہے۔ اویس حبیب نے اسے تلاش کیا اور پھر خود ہی نادرہ نے سمعیہ سے کہا کہ وہ واپس آ جائے۔

واپس آنے پر اویس حبیب نے سمعیہ سے کوئی بات نہیں کی اور اس پر پابندیاں لگا دیں اور جب پھر اس نے شادی کی کوشش کی تو اس بار نادرہ نے اس کو شہر چھوڑ دینے کا کہا اور ایک فرضی پتہ لکھ کر دے دیا جو لاہور شہر کا تھا۔ نادرہ نے طے کر لیا تھا کہ سمعیہ سے اپنے بھائی کو گنجا کہنے کا ایسا انتقام لے گی کہ وہ در بدر ہو جائے گی اور اس کے ماں، باپ کو اویس حبیب نے جو منہ توڑ جواب دیا تھا۔ اپنے ہی گھر میں ان کی بے عزتی کی تھی، وہ بھی بہن کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہے گا۔

اویس حبیب اپنی بہن کی شادی طے کر چکا تھا۔ وہ شادی ایک ہوٹل میں ہو رہی تھی، اس میں چند افراد شریک ہونے تھے۔ اچانک ایک بار پھر سمعیہ کا اس طرح سے چلے جانا اس کے لئے تشویش کا باعث تھا۔

”تم اس کی تمام دوستوں کو فون کرو اور بہانے سے پتا کرو کہ وہ کسی دوست کے پاس تو نہیں چلی گئی۔“ اویس حبیب نے نادرہ سے کہا۔

”میں ابھی فون کرتی ہوں۔“ نادرہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور اندر سے دروازہ مقفل کر کے لیٹ گئی۔ اس دوران اویس حبیب نے اپنے آدمیوں سے رپورٹ لی اور پھر کہیں اور فون کرنے لگا۔ اسی طرح آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ نادرہ آ گئی۔

”اس بار مجھے سمعیہ مل گئی تو پاؤں میں زنجیر ڈال دوں گا۔“ اویس حبیب نے غصے سے کہا۔

اسی وقت اس کو اپنے موبائل فون پر کال موصول ہوئی۔ دوسری طرف اس کا آدمی بول رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس نے عارف کو دیکھا تھا، اس کا پیچھا کیا لیکن وہ بھاگ کر نکلنے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کامیاب ہوگیا۔

یہ سن کر اویس حبیب مزید پرجوش ہوگیا۔ اس نے حکم دیا۔ ''دونوں کو تلاش کرواور سے رابطہ رکھنا۔''

نادرہ اس کی بات سن چکی تھی کہ یہ دوسرا کون ہے، اس کو یہ پوچھنے کا موقع نہیں ملا اویس حبیب کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

سمعیہ ایسی لڑکی نہیں تھی جو پریشانی کو اپنے سینے سے لگا کر بیٹھی رہتی ہیں۔ جو سوچتی کر گزرتی، وہ اس کے بارے میں نہیں سوچتی بلکہ آگے کی سوچتی تھی کہ اسے اب کیا کرنا ہے۔

عارف اس کو مل گیا تھا۔ اسے اطمینان ہوگیا تھا۔ ویسے بھی جب اس نے پہلی بار عارف کو دیکھا تھا تو اس کے دل میں ہلچل سی برپا ہوئی تھی۔ اسے عارف اچھا لگا تھا۔ وہ اس کے گھر بھی ہوآئی تھی۔ اس کی ماں سے اس نے ڈھیروں باتیں کی تھیں۔

سمعیہ کے ماں، باپ اس دنیا میں نہیں تھے، باقی بھائی دوسرے ملکوں میں آباد تھے اور اس سے ایک طرح سے لاتعلق اپنی دنیاؤں میں گم تھے۔ وہ اویس حبیب کے ساتھ رہتی تھی۔ نادرہ بھابھی کے آجانے سے اس سے اس کی دوستی ہوگئی تھی۔ وہ اپنی دوستی کے فریب میں تھی اور نادرہ اپنے ماں، باپ اور بھائی کی بے عزتی کا بدلہ لینے کے لئے جال بچھا رہی تھی۔

سمعیہ نے اچھی طرح سے ناشتہ کیا اس کے بعد وہ عارف کی طرف دیکھنے لگی کہ وہ اس بات سے آگاہ کرے جو وہ سوچے بیٹھا ہے جس سے اس کی مشکل آسان ہوجائے گی اور اس کے سر پر لٹکتی تلوار بھی ٹوٹ جائے گی۔

عارف وہ الفاظ ڈھونڈ رہا تھا جن کو جوڑ کر وہ سمعیہ سے بات کر سکے۔ اچانک اس نے پوچھا۔ ''وہ لڑکا کون ہے جس سے آپ کا بھائی آپ کی شادی کرنا چاہتا ہے؟''

''کوئی بڑا بزنس مین ہے، میری شادی کے لئے میرے بھائی اور اس لڑکے کے درمیان کیا بات ہوئی ہے، میں نہیں جانتی۔ البتہ یہ بات میرے علم میں ہے یہ شادی لڑکے کے

ماں، باپ کے علم میں لائے بغیر ہو رہی ہے، ایسا کیوں ہے، مجھے نہیں معلوم۔'' سمعیہ نے بتایا۔

''کیا آپ نام جانتی ہیں اس کا؟''

''ہاں جانتی ہوں، اس کا نام راشد دلنواز ہے۔''

یہ نام سنتے ہی عارف کے جسم میں جیسے خون کی جگہ آگ کے شعلے دوڑنے لگے ہوں۔ اس نے اپنے اندر کی کیفیت اپنے چہرے سے عیاں نہیں ہونے دی تھی۔

''راشد سے چھٹکارا پانے اور بھائی سے بھاگنے کی بجائے اس کا ایک سیدھا حل ہے، آپ بالغ ہیں، اپنے بارے میں فیصلہ کرسکتی ہیں، آپ مجھ سے شادی کرلیں۔'' عارف نے صاف کہہ دیا۔

عارف کی بات سن کر سمعیہ ایک دم چونکی۔ اس نے اس کی طرف دیکھا۔ اسے ایسی بات کی توقع نہیں تھی۔ وہ دم بخود ہوگئی۔

عارف پھر بولا۔ ''آپ میرا گھر بھی دیکھ چکی ہیں، میری ماں سے بھی مل چکی ہیں۔ میں اپنا کاروبار شروع کرنے والا ہوں۔ فی الحال ایک خوبصورت مکان کرائے پر لیا ہے جہاں شاید آج شام ہی شفٹ ہوجاؤں۔ ساری زندگی آپ کو تحفظ دوں گا۔ کسی کی جرات نہیں ہوگی کہ کوئی آپ کو نقصان پہنچائے۔''

عارف اتنا کہہ کر چپ ہوگیا۔ کمرے میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ سمعیہ سوچ رہی تھی۔ عارف پھر بولا۔ ''میری ماں اب اس دنیا میں نہیں رہی۔'' عارف کی بات سن کر وہ ایک دم چونکی لیکن کچھ بولی نہیں۔

''پہلے میرا باپ اس دنیا سے چلا گیا اور اب میری ماں......! دونوں کی موت کا ذمہ دار یہ راشد اور اس کا باپ ہے۔'' عارف نے انکشاف کیا۔

سمعیہ کے چہرے پر حیرت کے بادل چھا رہے تھے۔

''ان کا ذمہ دار راشد ہے؟'' سمعیہ اپنی حیرت کو زیادہ چھپا نہ سکی۔

''زندگی کے سفر میں، میں بتاتا رہوں گا، آہستہ آہستہ حقیقت سے پردے ہٹاتا رہوں گا

لیکن میں نے جو بھی کہا ہے، وہ سچ ہے۔"

"میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

"میں کچھ نہیں چھپاؤں گا۔"

"ابھی آپ کچھ نہیں بتائیں گے؟"

"سننا چاہتی ہیں تو میں سب کچھ بتا دیتا ہوں، اس حقیقت کی روشنی میں کیا آپ کوئی فیصلہ کرنا چاہتی ہیں؟"

"نہیں......!"

"تو پھر جاننے کی کیا جلدی ہے؟" عارف نے کہا اور سمعیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ چپ تھی۔

عارف بولا۔ "راشد شادی شدہ ہے، اس کے تین بچے ہیں۔ آپ سوچ لیں، پھر جو فیصلہ آپ کا ہو، آپ اس شہر سے جانا چاہیں گی تو میں آپ کو چھوڑ آؤں گا۔ میں کچھ دیر کے لئے باہر جا رہا ہوں۔" عارف کہہ کر کمرے سے نکل کر نیچے ہوٹل کی لابی میں ایک طرف بیٹھ گیا۔

وہ سمعیہ کو اکیلے سوچنے کا موقع دینا چاہتا تھا جو دم بخود بیٹھی تھی۔

☆......☆......☆

سمعیہ اس بارے میں سوچتی رہی۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ اسے عارف کے گھر جانے کا موقع مل گیا تھا اور اس کے دل میں غیر محسوس انداز میں عارف کے لئے جگہ بن گئی تھی۔ راشد اس کے ماں، باپ کی موت کا سبب تھا، وہ جاننا چاہتی تھی لیکن عارف شاید قبل از وقت کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔ راشد کی تصویر دیکھ کر ہی سمعیہ کو اس سے نفرت سی ہو گئی تھی۔ جب وہ عارف کی ماں سے ملی تھی تو وہ اسے اچھی لگی تھیں، ان کی باتوں میں سادگی اور سچائی تھی۔

ایک گھنٹہ گزر گیا تھا۔ سمعیہ نے فیصلہ کیا کہ وہ بھاگنے کی بجائے عارف سے نکاح کر لے گی۔ وہ ٹھیک ہی کہتا تھا کہ وہ کتنا بھاگے گی، ایک نہ ایک دن اس کا بھائی اس تک پہنچ جائے گا، وہ لڑکی تھی، کہاں تک جا سکے گی۔ کوئی اسے کتنے دن اپنے پاس رکھ لے گا اور جب اس کا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھائی اس تک پہنچ جائے گا تو پھر اس کی زندگی راشد کے کھونٹے سے باندھ دی جائے گی۔ اس بار اویس حبیب ایسا کرنے میں دیر نہیں لگائے گا جبکہ راشد پہلے سے شادی شدہ ہے۔

اس نے سوچا کہ عارف سے نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے وہ اپنا بزنس شروع کرنے والا تھا، اس نے گھر کرائے پر لے لیا تھا۔ اگر واقعی راشد کی وجہ سے اس کے ماں، باپ موت سے ہمکنار ہوئے تھے تو وہ اس کا ساتھ دے گی۔

پھر عارف اس کو یہ بتا کر کہ وہ نئے گھر میں جا رہا ہے۔ سمعیہ آرام سے اس کمرے میں رہ سکتی ہے۔ کل صبح تک جو بھی وہ فیصلہ کرے گی، اس کے مطابق وہ عمل کرنے کے لئے تیار ہوگا۔

سمعیہ کمرے میں اکیلی رہ کر سوچ سکتی تھی اور فیصلہ کر سکتی تھی۔ وہ سوچتی رہی اور پھر رات کو سو گئی۔

صبح جب عارف دوبارہ کمرے میں آیا تو سمعیہ نے اپنے فیصلے سے اسے آگاہ کر دیا۔ عارف یہی چاہتا تھا۔ سمعیہ سے شادی کرنے کے بعد اسے بھی بھاگنے کی ضرورت نہیں تھی، وہ سینہ تان کر اویس حبیب کے سامنے جا سکتا تھا۔ سمعیہ کا فیصلہ اسے پسند آیا تھا۔

عارف نے اپنے نکاح کا انتظام کیا اور دونوں رشتہ ازدواج میں بندھ گئے۔ اسی شام وہ نئے گھر میں شفٹ ہو گئے جو عارف نے کرائے پر لیا تھا۔ دونوں اپنے فیصلے پر خوش تھے۔ سمعیہ کے دل پر کوئی بار نہیں تھا بلکہ وہ اپنے آپ کو تحفظ میں محسوس کرنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

اظہر حسین سیدھا اپنے دوست احتشام کے فارم ہاؤس پہنچا۔ احتشام نے اسے بتایا کہ منصور ایک لڑکی کو اپنے فارم ہاؤس میں چھوڑ کر گیا ہے۔ اظہر حسین جاننا چاہتا تھا کہ وہ لڑکی کون ہے، اس کا منصور سے کیا تعلق ہے لیکن وہ خود فارم ہاؤس میں نہیں جا سکتا تھا۔

وہ فارم ہاؤس منصور کے باپ نے اپنی زندگی میں تعمیر کرایا تھا۔ اس جگہ اظہر حسین دو بار آیا تھا اور یہاں کا ملازم بابا اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ اظہر حسین نے اس کا حل یہ نکالا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اس نے احتشام کی بیوی سلمٰی کو بہانے سے اس فارم ہاؤس میں بھیجا۔

سلمٰی نے بیل دی۔ کچھ دیر کے بعد بابا نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ سلمٰی نے اپنا نام بتایا اور تھوڑی دیر کے بعد بابا نے گیٹ کھول دیا۔

’’ہم یہاں سامنے رہتے ہیں۔‘‘ سلمٰی نے بتایا۔

’’میں جانتا ہوں۔‘‘ بابا نے کہا۔

’’آپ جانتے ہیں کہ ہمارا ابھی گیس کا میٹر نہیں لگا اور اچانک گیس کا سلنڈر ختم ہو گیا ہے، مہمان آ گئے ہیں، چائے بنانی تھی۔‘‘ سلمٰی نے بہانہ بیان کیا۔

’’کوئی بات نہیں بیٹی......! چائے میں تیار کر دیتا ہوں۔‘‘

’’آپ کا شکریہ......! میں ابھی دودھ اور دوسرا سامان لے کر آتی ہوں۔‘‘ سلمٰی نے کہا۔

’’سب کچھ گھر میں موجود ہے، آپ حکم کریں کتنے کپ چائے کے تیار کرنے ہیں، میں ابھی تیار کر دیتا ہوں۔‘‘ بابا جلدی سے بولا۔

’’یہ تو آپ کو تکلیف......!‘‘ سلمٰی ممنون نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولی۔

’’اس میں تکلیف کی کونسی بات ہے، آپ اندر تشریف لے آئیں، میں ابھی چائے تیار کر دیتا ہوں۔‘‘

’’چار کپ بنا دیجئے، میں اندر بیٹھتی ہوں۔‘‘ سلمٰی نشست گاہ میں چلی گئی۔ وہاں سائرہ پہلے ہی موجود تھی اور وہ ابھی ابھی اس فارم ہاؤس کا آخری کمرہ دیکھ کر آئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی اور اپنی کامیابی پر پھولے نہیں سما رہی تھی۔ اچانک اس نے سلمٰی کی طرف دیکھا تو وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

سلمٰی نے اس کا جائزہ لیا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ ’’میرا نام سلمٰی ہے اور میں سامنے رہتی ہوں، یہاں ہم زندگی کی مصروفیات سے فرار ہو کر کچھ وقت گزارنے کے لئے آتے ہیں۔ دراصل ہمارا گیس سلنڈر ختم ہو گیا تھا اور ہمیں چائے کی ضرورت تھی جو بابا تیار کر رہے ہیں۔‘‘

سائرہ نے جب یہ سنا کہ وہ ان کے سامنے والے فارم ہاؤس میں رہائش پذیر ہیں تو

اچانک سلمٰی کو دیکھ کر جو حیرت ہوئی تھی، وہ معدوم ہو گئی تھی۔

’’آپ تشریف رکھیں۔‘‘ سائرہ نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور دونوں بیٹھ گئیں۔

’’ہم نے وہ فارم ہاؤس ابھی چند ہفتے پہلے ہی خریدا ہے، آپ یہاں کب سے رہ رہی ہیں؟‘‘ سلمٰی نے پوچھا۔

’’میں بھی یہاں چند ہفتوں سے ہوں۔‘‘ سائرہ نے یوں جواب دیا گویا وہ اس جگہ کی مالکن ہے۔

’’اکیلی رہتی ہیں؟‘‘

’’فی الحال......!‘‘

’’آپ کے ساتھ کوئی اور نہیں رہتا......؟‘‘ میرا مطلب ہے کہ آپ کے شوہر!‘‘

’’وہ شہر سے باہر گئے ہیں۔‘‘ سائرہ پراعتماد لہجے میں بلاتامل بولی۔

’’بزنس کرتے ہیں؟‘‘

’’ہاں ان کا بزنس ہے۔‘‘

’’آپ تو بور ہو جاتی ہوں گی۔ کسی عورت کا اکیلا رہنا بھی ایک امتحان ہی ہے۔ کتنا عرصہ ہو گیا ہے آپ کی شادی کو......؟‘‘ سلمٰی نے کریدا۔

سائرہ اطمینان سے بولی۔ ’’ہماری شادی کو تین ماہ ہوئے ہیں، ان کو اچانک اپنے بزنس کے سلسلے میں باہر جانا پڑ گیا۔ چند دن میں وہ واپس آ جائیں گے۔‘‘

’’آپ کا ملازم بہت اچھا ہے مجھے اس نے دودھ وغیرہ بھی لانے نہیں دیا اور چائے تیار کرنا شروع کر دی، یقیناً یہ آپ کی ہدایت ہو گی؟‘‘ سلمٰی مسکرائی۔

’’ہاں......!‘‘ ہمسایوں کے ساتھ تو اچھا سلوک ہی کیا جاتا ہے نا!‘‘

’’آپ نے اپنا نام نہیں بتایا۔‘‘

’’میرا نام سائرہ ہے۔‘‘

’’صرف سائرہ......! میرا مطلب ہے کہ آپ اپنے شوہر کا نام ساتھ نہیں لگاتیں؟‘‘

سلمٰی نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

سائرہ ایک دم بولی۔ "سائرہ منصور!"

"اوہ......! اچھا نام ہے۔" اسی اثنا میں بابا چائے کیتلی میں ڈال کر لے آیا۔ "چائے تیار ہے جی!"

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کسی دن ہمارے گھر آئیں، مجھے خوشی ہوگی۔" سلمیٰ اٹھتی ہوئی بولی۔

"ہاں ضرور آؤں گی۔"

سلمیٰ کیتلی لے کر چلی گئی۔ جب اس نے اظہر حسین کو بتایا کہ وہ منصور کی بیوی ہے تو اظہر حسین چونکا۔

اس کا مطلب ہے کہ منصور جو پچیس لاکھ روپے اپنے دوست کا نام لے کر مانگ رہا تھا، دراصل وہ ایک بہانہ تھا، یہ اپنے لئے پیسہ مانگ رہا تھا اور بزنس کرنے کے لئے جو اس نے مسئلہ کھڑا کر رکھا ہے، وہ بھی اس لئے ہے کہ منصور اپنی ماں کے علم میں لائے بغیر شادی کر چکا ہے۔" اظہر حسین معنی خیز انداز میں سر ہلانے لگا اور پھر مسکرایا۔ "اب مزہ آئے گا اس کھیل میں!"

☆......☆......☆

زاہدہ بیگم نے چائے کا خالی کپ ایک طرف رکھا اور ابھی وہ اپنی جگہ سے اٹھنے ہی والی تھی کہ پھر اسی جگہ بیٹھ گئی۔ سامنے منصور کھڑا تھا۔

"آؤ منصور! میرے پاس بیٹھ جاؤ۔"

منصور اسی صوفے پر ایک طرف بیٹھ گیا۔ "مما! کیا آپ کے پاس میری بات سننے کا وقت ہے؟"

"اگر وہی بات ہے تو پلیز مجھے مت بتاؤ۔"

"اس کا مطلب ہے کہ میں چپ چاپ یہاں سے چلا جاؤں؟" منصور بولا۔

"میں نے یہ نہیں کہا کہ تم چلے جاؤ۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم مجھ سے وہ بات نہ کرو جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات ہم کر سکتے ہیں۔"

"میں آپ سے یہ بات کروں کہ مجھے پانچ سو روپے چاہئیں۔ میں نے گاڑی میں پٹرول ڈلوانا ہے، ایک برگر کھانا ہے۔ مسٹر اظہر حسین کی صحت کیسی ہے......؟"

"تم بہت فضول بولنے لگے ہو۔" زاہدہ بیگم اکتا کر بولی۔

"مجھے اپنے باپ کے پیسوں سے حصہ چاہئے۔" منصور نے دوٹوک الفاظ میں کہا۔

"عدالت میں چلے جاؤ، کوئی پیسہ نہیں ملے گا۔" زاہدہ بیگم کا لہجہ سرد تھا۔

"کل سے میں آفس جا رہا ہوں، اپنے باپ کی سیٹ پر بیٹھنے کے لئے!" منصور کھڑا ہو گیا

"منصور! اپنے کالج جانے کی فکر کرو۔ اپنے فیوچر کو تباہ مت کرو۔" زاہدہ بیگم کا لہجہ تیز ہو گیا اور وہ اٹھ کر چلی گئی۔ منصور لاچار اس جگہ کھڑا رہا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن دس بجے منصور تیار ہو کر آفس چلا گیا۔ اس کو تیار ہو کر جاتا ہوا زاہدہ بیگم نے دیکھ لیا تھا۔ اسے شک تھا کہ وہ صبح آفس کے لئے ضرور نکلے گا، اس لئے وہ تیار ہو کر اپنے کمرے میں کھڑکی کے ساتھ لگ کر بیٹھی اس پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ جب منصور گھر سے نکلا تو وہ بھی کچھ دیر کے بعد اپنی گاڑی میں سوار ہو کر اس کے پیچھے چل پڑی۔

منصور آفس پہنچا تو سب نے اس کو سلام کیا۔ اظہر حسین کو زاہدہ بیگم پہلے یہ اطلاع کر چکی تھی اس لئے وہ پہلے سے ہی آفس میں موجود تھا۔ منصور کا اس کے ساتھ سامنا لابی میں ہوا تھا۔

"ہیلو منصور......! کیسے ہو؟"

"اچھا ہوں۔" منصور کہتا ہوا تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ اس کے عقب میں اظہر حسین معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

جونہی منصور اپنے باپ کے کمرے میں داخل ہوا، وہ ٹھٹک کر اسی جگہ رک گیا۔ اس کی

حیران کن نگاہیں سامنے جمی ہوئی تھیں۔ایک خوش پوش نوجوان بڑی میز کے پیچھے اس کے باپ کی کرسی پر براجمان تھا۔

''کیا آپ مسٹر منصور ہیں؟'' وہ نوجوان اس کو دیکھتے ہی بولا۔

''آپ کون ہیں؟'' منصور حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''مائی نیم از عرفان حسین!'' اس نے مصافحے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

منصور نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے کی بجائے سوال کیا۔

''آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

''کام کر رہا ہوں۔'' عرفان نے کہا۔

''کیوں......؟'' منصور کو حیرت ہوئی۔

''کام کیوں کیا جاتا ہے؟'' وہ مسکرایا۔

''آپ یہاں کیوں کام کر رہے ہیں؟''

اسی اثنا میں دروازہ کھلا اور اظہر حسین کے ساتھ زاہدہ بیگم اندر آ گئی۔

''یہ میرا بیٹا ہے عرفان حسین......! ابھی اس نے بزنس کی ڈگری لی ہے، دو سال امریکا جیسے ملک کی ایک بڑی فرم میں جاب کی ہے، کام کا تجربہ ہے اس لئے اس کمپنی کو عرفان چلائے گا۔'' اظہر حسین نے آتے ہی بتایا۔

''یہ میرے ڈیڈ کی کرسی ہے، یہاں کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔'' منصور نے کہا۔

''اس بات پر اعتراض ہے تو میں اس کرسی کو اٹھوا کر محفوظ جگہ پر رکھوا دیتا ہوں، عرفان اس کرسی پر نہیں بیٹھے گا۔'' اظہر حسین اطمینان سے بولا۔

''مسٹر اظہر حسین......! آپ ہمارے بزنس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، دیکھا مما آپ نے کس ہوشیاری سے یہ اپنے بیٹے کو میری ڈیڈ کے کمرے تک لے آئے ہیں؟'' منصور چراغ پا ہو گیا۔

''منصور! تم تمیز سے بات نہیں کر سکتے؟'' زاہدہ بیگم نے الٹا اسے ہی ڈانٹ دیا۔

''یہ تمیز دار بچہ اپنی جگہ حق بجانب ہے، تعلیم چھوڑ کر بزنس کو سنبھالنے کی فکر تو ہوگی ہی،

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اب یہ ذمہ داری محسوس کرنے لگا ہے۔کل یہ اکیلا تھا، اب یہ دو ہو گئے ہیں۔کل کو تین بھی ہوں گے۔'' اظہر حسین پرسکون انداز میں بولا۔

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟'' منصور کو اس کی بات سن کر حیرت ہوئی۔

''منصور بیٹا......! جب انسان عملی زندگی میں آتا ہے تو وہ پیسہ کمانے کے بارے میں سوچتا ہے لیکن افسوس کہ تم نے مجھے بھی اعتماد میں نہیں لیا۔میرا تم سے پرانا تعلق ہے، اس دوری کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔'' اظہر حسین کا لہجہ شیریں تھا۔

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں، مجھے آپ کی یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی؟'' منصور کی حیرت اپنی جگہ قائم تھی۔

''بیٹا! بہتر ہے کہ تم خود ہی بتا دو۔'' اظہر حسین نے ایک نظر زاہدہ بیگم کی طرف دیکھا جو اس کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

منصور پوری طرح سے اظہر حسین کی طرف گھوم گیا۔''بہتر ہے کہ آپ جو کہنا چاہتے ہیں، وہ خود کہہ دیں۔''

کچھ توقف کے بعد اظہر حسین نے زاہدہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا ''زاہدہ بیگم! کیا منصور نے آپ کے علم میں لا کر شادی کی ہے؟

''شادی......؟'' زاہدہ بیگم کے ساتھ ساتھ منصور بھی چونکا۔

''شادی......! منصور کی شادی کی بات کر رہا ہوں۔'' اظہر حسین نے گویا وضاحت کی۔

''کیا منصور! تم نے شادی کر لی ہے؟'' زاہدہ بیگم نے حیرت زدہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ کس کی شادی کی بات کر رہے ہیں آپ......؟'' منصور نے کہا۔

''میں آپ کی اس بیوی کی بات کر رہا ہوں جو اس وقت آپ کے فارم ہاؤس میں موجود ہے جس کا نام سائرہ منصور ہے اور تین ماہ قبل آپ نے اس سے شادی کی ہے۔'' اظہر حسین نے یہ بتا کر منصور کو ماں کی نظروں میں گرانے کی کوشش کی۔

''کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟''

"تم نے شادی کر لی ہے؟" زاہدہ بیگم کی حیرت آسمان کی بلندی کو چھو رہی تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"میں نے شادی نہیں کی۔"

"اس میں چھپانے کی کیا بات ہے منصور! میں یہ بات تمہاری بھلائی کے لئے کہہ رہا ہوں، جو بات تم اپنی ماں سے نہیں کہہ سکتے تھے، دیکھو میں نے وہ کہہ دی۔ اب چھپانے کی بھلا کیا ضرورت ہے؟" اظہر حسین نے دوستانہ لہجے میں کہا اور پھر زاہدہ بیگم کی طرف متوجہ ہوا۔

"آپ کیوں خفا ہو رہی ہیں، منصور نے شادی ہی تو کی ہے۔"

"یہ آپ مجھ پر کیا الزام لگا رہے ہیں؟" منصور آگے بڑھا۔

"منصور! اب مجھے تم اپنا دوست مان لو، میں تمہاری مشکل آسان کر رہا ہوں۔" اظہر حسین نے نرمی سے کہا۔

"آپ میری مشکل آسان کر رہے ہیں یا میرے لئے مشکل کھڑی کر رہے ہیں؟" منصور بولا۔

"تو کیا بات نہ کروں......؟ حقیقت بتانے سے مشکل کھڑی ہو رہی ہے، آخر کبھی تو اس بات کو کھلنا تھا۔" اظہر حسین بڑی نرمی اور شفیق لہجے میں بول رہا تھا۔

"آپ مجھے ماں کی نظروں سے کیوں گرا رہے ہیں؟" منصور چیخا۔

"منصور......! تم تمیز سے بات نہیں کر سکتے؟" زاہدہ بیگم بولی۔

"یہ شخص مجھ پر الزام لگا رہا ہے، اپنے بیٹے کو ہمارے بزنس پر قبضہ کرنے کے لئے میرے باپ کی کرسی پر اسے بٹھا رہا ہے اور اب بھی میں تمیز سے بات کروں؟" منصور کا لہجہ درشت تھا۔

"خبردار جو تم نے اب ایک لفظ بھی کہا۔ ایک جھوٹ کو چھپانے کے لئے تم اپنے آپ کو میری نظروں سے خود گرا رہے ہو، میں سب سمجھ گئی ہوں۔" زاہدہ بیگم کو غصہ آ گیا تھا۔

"آپ ابھی کچھ نہیں سمجھی ہیں۔"

"میں اس سے زیادہ اور کچھ سمجھنا بھی نہیں چاہتی ہوں۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ویسے اگر آپ چاہیں تو آپ ابھی اپنے فارم ہاؤس میں جا کر اپنی بہو سے مل سکتی ہیں۔" اظہر حسین کو جیسے ہی بات کرنے کا موقع ملا، اس نے جلتی پر تیل چھڑکا۔

"آپ نے کیا ایک ہی رٹ لگائی ہوئی ہے۔" منصور نے اظہر حسین کی طرف آنکھیں نکال کر دیکھا۔

"منصور تم نے میری اجازت کے بغیر مجھ سے پوچھے بغیر شادی کر لی؟ اتنے بڑے ہو گئے ہو کہ ماں سے بات کرنا بھی تم نے گوارا نہیں کیا، اسی لئے مجھ سے جائیداد مانگ رہے ہو، اسی لئے تقسیم کی بات کر رہے ہو، اسی لئے میرے سامنے کھڑے ہو گئے ہو؟" زاہدہ بیگم کو یہ سن کر واقعی بہت تکلیف ہوئی تھی۔

"تم نے مجھے دُکھ دیا ہے۔"

"مما......!" منصور نے کہنا چاہا۔

"خبردار جو مجھے تم نے مما کہا۔ اب تمہیں میرے گھر میں قدم رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، تمہارے لئے میرے گھر کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ باپ کی جائیداد میں حصہ چاہیے تو عدالت چلے جاؤ لیکن اب مجھ سے بات مت کرنا۔" زاہدہ بیگم چیخی اور پھر اس نے انٹرکام پر باہر رابطہ کیا اور بولی۔

"میں فارم ہاؤس کے تمام اخراجات بند کرنے کا حکم دیتی ہوں۔ کوئی پیسہ فارم ہاؤس پر خرچ نہیں ہوگا۔ وہاں پر موجود بابا کی تنخواہ کے علاوہ ہر خرچا بند......!" زاہدہ بیگم نے حکم دے کر انٹرکام بند کیا اور اظہر حسین سے بولی۔ "پلیز اسے کہہ دیں کہ یہ یہاں سے چلا جائے۔"

"آپ غصے میں کیوں آ گئی ہیں، بیٹھ کر مسئلہ حل کر لیتے ہیں۔" اظہر حسین کا میٹھا لہجہ منصور کو زخموں پر نمک پاشی کے مترادف لگ رہا تھا۔ "یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے، منصور نے شادی ہی تو کی ہے۔"

منصور کی نگاہیں اظہر حسین پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ وہ اس کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اظہر حسین کو کیسے پتہ چلا کہ اس نے فارم ہاؤس میں سائرہ کو رکھا ہے، وہ اس کا نام تک جانتا تھا۔ اظہر حسین کی باتوں کے سامنے منصور کی سچائی دب گئی تھی۔ زاہدہ بیگم کچھ بھی

سننے کے لئے تیار نہیں تھی اس لئے منصور نے خاموشی اختیار کرلی۔

"پلیز اسے بولیں کہ یہ یہاں سے چلا جائے۔" زاہدہ بیگم نے منہ دوسری طرف کر لیا تھا۔

"مجھے آپ بولنے کا موقع دیں گی مما......؟" منصور نے اس بار نرمی سے آخری کوشش کی۔

"چلے جاؤ منصور! گیٹ آؤٹ!" زاہدہ بیگم کچھ سننے کے لئے تیار نہیں تھی۔ وہ سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ عرفان جلدی سے پانی کا گلاس لے کر اس کی طرف بڑھا۔

منصور نے اظہر حسین کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر مکارانہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ منصور نے سوچا کہ اظہر حسین اپنی چال میں کامیاب ہو گیا ہے، اس نے اس کی ماں کی زندگی میں داخل ہو کر بڑے آرام سے اپنے بیٹے کو اس کرسی پر بٹھا دیا جس پر اس کا باپ بیٹھا کرتا تھا اور اب جانے اس نے کیسے یہ معلوم کرلیا کہ سائرہ فارم ہاؤس میں موجود ہے اور اس نے شادی کی کہانی گھڑ کر اس کی ماں کے اعتماد کو ایسی ٹھیس پہنچائی کہ وہ کوئی بات سننے پر رضامند نہیں تھی۔

منصور نے ایک نظر اپنی ماں کی طرف دیکھا اور پھر اس نے اظہر حسین پر اپنی نگاہیں جماتے ہوئے قریب ہو کر آہستہ سے کہا۔ "جو آگ آپ نے لگائی ہے، جس طرح سے مجھے میری ماں، میرے گھر اور میرے بزنس سے مجھے دور کیا ہے، میں آپ کو معاف نہیں کروں گا، جو بھی مجھ سے ہو سکا، وہ کروں گا اور ایک دن حقیقت سامنے لا کر رہوں گا۔"

منصور کی بات سن کر اظہر حسین بے نیازی سے مسکرایا اور اپنے بیٹے کی طرف دیکھا جو ایک طرف کھڑا صورتحال سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

......

منصور اس کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ بوجھل قدموں سے چلتا، لفٹ کے پاس پہنچا۔ اس کا دل بہت آزردہ تھا۔ کرب اس کے چہرے سے مترشح تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس سے اظہر حسین نے سب کچھ چھین لیا ہے۔ وہ تہی دست ہو گیا ہے۔ فارم ہاؤس کے اخراجات بھی بند ہو گئے تھے۔ وہ اس بلڈنگ سے باہر آ گیا اور چوراہے پر کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ وہ کدھر جائے؟

☆......☆......☆

منصور جب فارم ہاؤس پہنچا تو بابا اس کے پیچھے چلتا ہوا بولا۔ "آفس سے فنانس منیجر ندیم صاحب کا فون آیا تھا۔"

منصور رک گیا۔ "کیا کہہ رہے تھے وہ؟"

"وہ کہہ رہے تھے کہ بیگم صاحبہ کے حکم سے اب اس فارم ہاؤس کے تمام اخراجات بند کر دیئے گئے ہیں۔ بس میرے روٹی پانی کا خرچہ ملے گا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ایسا اچانک کیسے ہو گیا۔"

"بس ہو گیا ہوگا۔ کوئی نہ کوئی فیصلے ہوتے ہی رہتے ہیں، آپ کو فکر کی ضرورت نہیں ہے۔" منصور گردن ہلا کر آگے بڑھا۔

"صاحب......راشن صرف دو دن کا ہے۔" بابا نے بتایا۔

''او کے..... آپ جاؤ۔'' منصور نے کہا اور اندر چلا گیا۔ سائرہ ان کی باتیں سن رہی تھی۔ جونہی منصور اندر آیا تھا وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی تھی۔ یہ بات سن کر اس کے دل میں ہلچل مچ گئی تھی۔ وہ مضطرب ہو کر سوچنے لگی تھی کہ ایسا آخر کیوں کر ہوا۔

منصور کو دیکھ کر سائرہ نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ بکھیری اور بولی۔ ''اچھا ہوا کہ آپ آ گئے۔ میں تو بور ہی ہو گئی تھی۔''

منصور نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ وہ پریشان تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ بات کہاں سے شروع کرے۔ سائرہ اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ خود مضطرب تھی کہ جو بات اس نے سنی ہے، اس کی تفصیل پتہ چلے۔ منصور کی طرف دیکھنے کے بعد اس نے پہلو بدلا۔

''کیا بات ہے۔ آپ پریشان ہیں؟'' جب منصور کی خاموشی نے طوالت اختیار کی تو اس نے پوچھ ہی لیا۔

منصور چونکا۔ ''میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیسے کہوں۔''

''کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' اور اتنی پریشانی والی بات ہے کیا؟'' سائرہ نے سوالیہ نگاہیں اس پر مرکوز کر دیں۔

''سائرہ میں نے سوچا کچھ اور تھا لیکن میری سوچ کے برعکس ہو کچھ اور گیا ہے۔ بخدا اس میں میری نیت کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ میں تو چاہتا تھا کہ میں تم کو اپنا کر اپنی دنیا آباد کر لوں لیکن... ''منصور اتنا کہہ کر چپ ہو گیا۔

''لیکن..... کیا.....؟'' سائرہ نے پوچھا۔

''سوری سائرہ میں ان حالات میں تم کو اپنا نہیں سکتا۔ میرے پاس اب کچھ نہیں رہا ہے۔ میرا گھر مجھ سے چھن گیا ہے۔ مما مجھ سے ناراض ہو گئی ہیں۔ میرے بزنس پر کسی اور نے قبضہ جما لیا ہے۔ اس فارم ہاؤس کے اخراجات بند کر دیئے گئے ہیں۔ میرے سر پر اپنی چھت نہیں رہی ہے، اس لئے میں تمہیں بھی چھت دینے سے قاصر ہوں۔'' منصور نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

افسردگی سے کہا۔

''ہوا کیا ہے؟'' سائرہ نے تشویش سے کہا۔'' میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''بس تمہارے لئے اتنا جاننا بہت ہے کہ مجھے مما نے بے دخل کر دیا ہے۔ ہم کو اب یہ فارم ہاؤس چھوڑنا ہے اور اس گیٹ سے باہر نکل کر اپنے اپنے راستے پر چلے جانا ہے۔ ہم ایک دوسرے کی مدد نہیں کر سکتے ہیں۔'' منصور دکھ سے بولا۔ ''ہمارا تقدیر میں ملنا بس اتنا ہی تھا۔ اب ہمارے راستے جدا ہو گئے ہیں۔''

اس کی بات سن کر سائرہ چونکی۔ سونے کا انڈا دینے والی مرغی اس کے ہاتھ سے نکل رہی تھی۔ اس نے سوال کیا۔

''آپ کا مما سے جھگڑا ہوا ہے؟ کس بات پر جھگڑا ہوا ہے۔''

''مسٹر اظہر حسین کی چال کامیاب ہو گئی ہے۔ اس نے ہم ماں بیٹے کو الگ کر دیا ہے۔ وہ مجھے دودھ میں پڑی مکھی کی طرح نکال دینے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ مجھے افسوس ہے سائرہ کہ اب ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ایک بات بتاؤ...... یہاں کوئی آیا تھا؟'' منصور نے بتاتے ہوئے اچانک پوچھا۔

''نہیں کوئی نہیں آیا تھا۔'' سائرہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''پھر اظہر حسین کو کیسے پتہ چلا کہ تم یہاں ہو اور میں نے تم سے...... شادی کر لی ہے۔'' منصور نے پوچھا۔

اس کی بات سن کر سائرہ کو وہ عورت یاد آ گئی جس کو اس نے کہا تھا کہ وہ منصور کی بیوی ہے۔ سائرہ بولی۔ ''یہاں تو کوئی نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے کوئی چال چلی ہو اور وہ اپنی چال میں کامیاب ہو گیا۔''

''لیکن کوئی اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتا ہے۔ اس نے دیکھا ہو گا تو یہ بات کہی ہے۔'' منصور سوچنے لگا۔ جب ہم اس فارم ہاؤس میں آ رہے تھے تو اظہر حسین نے دیکھ لیا ہو گا اور پھر اس نے کہانی گھڑ لی ہو گی۔ منصور اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا۔

"میرے پاس کار ہے۔ جو پانچ سال پرانی ہے۔ دو لاکھ روپے کے لگ بھگ بک جائے گی۔ تم وہ کار لے جاؤ۔ اس کو بیچ دو اور جہاں جانا چاہو، چلی جاؤ۔ ہم ایک نہیں ہو سکتے۔ ہمارا ساتھ یہاں تک کا ہی تھا۔ بس میں تمہارے لئے یہی کر سکتا ہوں۔"

"ہم ایک کیوں نہیں ہو سکتے؟ کیا وجہ ہے۔" سائرہ نے جلدی سے کہا۔

"کیونکہ میرے پاس نہ چھت ہے اور نہ پیسہ؟" اس وقت میں تمہارے سامنے کھڑا ہوں اور میری جیب میں ڈیڑھ سو روپے ہیں۔" منصور نے بتایا۔

"آپ بزنس جائیداد کے وارث ہیں۔ یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ سب کچھ آپ کا ہے۔" سائرہ نے کہا۔

"میرے نام کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کا بیٹا میرے باپ کی کرسی کو سنبھال چکا ہے۔" منصور نے چلا کر کہا اور بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

"آپ کا حق کوئی نہیں چھین سکتا۔" سائرہ نے جیسے اس کو اکسایا۔

"میں اپنی ماں سے لڑ نہیں سکتا۔ وہ میری ماں ہیں۔" منصور نے کہا۔ "میں اپنی ماں کے معاملے میں بے بس ہوں۔"

"پھر آپ کیا کریں گے؟" سائرہ نے پوچھا۔

"اپنا پیٹ پالنے کے لئے محنت مزدوری کروں گا۔ کہیں بھی رہ لوں گا اور مسٹر اظہر حسین کا اصل چہرہ اپنی ماں کو دکھاؤں گا۔" منصور بولا۔

"کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ اس طرف وقت صرف کرنے کی بجائے اپنا حصہ لینے کے لئے کوشش کریں۔" سائرہ نے تجویز دی۔

"میں نے سوچ لیا ہے کہ میں اپنا حصہ اپنی ماں سے لڑ کر نہیں لوں گا۔ اظہر حسین کا چہرہ دکھا کر اسے ماں کی نظروں سے گراؤں گا اور ہمارے درمیان جو خلیج پیدا ہوئی ہے، وہ اسی طرح ختم کروں گا۔" منصور نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"اس میں خاصا وقت بیت جائے گا۔" سائرہ پریشانی سے بولی اور سوچنے لگی کہ منصور ایسا کیوں سوچ رہا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چاہے کتنا ہی وقت بیت جائے۔ مجھے خاموشی سے جنگ لڑنی ہے۔" منصور ایک طرف بیٹھ گیا۔

"میرا کیا ہوگا۔ مجھے آپ نے زندگی کی راہ دکھائی تھی۔ میں اس گھر میں واپس جانا نہیں چاہتی۔" سائرہ فکرمند ہوگئی۔ "کچھ بھی کرنے سے پہلے آپ میرا گلا دبا دیں تاکہ میرا تو کوئی انتظام ہو سکے۔"

"حالات کے آگے میں مجبور ہوں۔ خدا نے چاہا تو ہم پھر ملیں گے ورنہ خدا حافظ۔" منصور نے کہا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" سائرہ نے سب کچھ ہاتھ سے نکلتا ہوا دیکھا تو بولی۔ "میں اسی جگہ رہوں گی۔"

"اس فارم ہاؤس میں دو دن کا راشن ہے۔ وہ ختم ہو جائے گا اور اس کے بعد یہاں چولہا نہیں جلے گا۔" منصور نے کہا۔

"آپ کچھ بھی کریں، میں اب کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں اسی جگہ رہوں گی اور یہی میری چھت ہے۔" سائرہ یہ جگہ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

"پاگل مت بنو اور میری کار لے جاؤ۔ اسے بیچ کر جہاں جانا چاہو چلی جاؤ۔ میں مجبور ہوں ورنہ تمہیں کہیں نہ جانے دیتا۔" منصور کو دکھ ہو رہا تھا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ مجھے جینے کا حوصلہ دے کر آپ پھر اندھیروں کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ میرے دل میں اپنی محبت کا پھول کھلا کر مجھے کہہ رہے ہیں کہ واپس لوٹ جاؤ۔" سائرہ نے کہا اور تیزی سے اس جگہ سے چلی گئی۔ وہ کمرے میں جا کر غصے سے کبھی دائیں اور کبھی بائیں ٹہلنے لگی۔ ان کا منصوبہ ناکام ہو رہا تھا۔ جبکہ منصور باہر بے بس کھڑا رہا۔ وہ کرب میں مبتلا تھا۔

☆......☆......☆

عارف اور سمعیہ ایک دوسرے کو اپنی زندگی میں شامل کر کے بہت خوش تھے۔ عارف

نے جو گھر کرائے پر لیا تھا وہ بڑا نہیں تھا لیکن خوبصورت تھا اور دونوں کے گزارے کے لئے کافی تھا۔ عارف نے ضرورت کی تمام چیزیں اس گھر میں سجا دی تھیں۔ سمعیہ نے عارف سے شادی کر کے بہت بڑا قدم اٹھا لیا تھا لیکن وہ خوش اور مطمئن تھی۔

دونوں کی شادی کو تین دن ہو گئے تھے۔ ان تین دنوں میں سمعیہ نے عارف کو ایک اچھا شوہر ہی نہیں بلکہ اچھا دوست بھی پایا تھا۔ عارف نے ایک کیمیکل کی ایجنسی لے لی تھی۔ اس کمپنی کے ساتھ اس کی کئی دنوں سے بات چل رہی تھی جو کامیاب ہو گئی تھی۔ اس نے ایک بلڈنگ کے دوسرے فلور پر دفتر بھی کرائے پر لے لیا تھا۔ اس کام کی دیکھ بھال کے لئے اس نے اپنے ساتھ پڑھنے والے دوست کے بھائی کو منیجر رکھ لیا تھا، جو اس کام کا تجربہ بھی رکھتا تھا اور ایماندار بھی تھا۔

شادی کے بعد پہلی بار وہ باقاعدہ اپنے آفس جا رہا تھا۔ وہ ناشتے سے فارغ ہو کر تیار ہوا اور سمعیہ سے بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم اپنے بھائی کو اپنی شادی کی خبر دے دو۔“

اس بات کو سن کر سمعیہ چونکی۔ ”بھائی مجھے یہاں سے لے گیا تو؟ بہتر ہے کہ میں چپ رہوں۔“

”اب کسی کی جرأت نہیں ہے۔ تم فون پر بات کرو اور یہ مت بتانا کہ تم کہاں رہتی ہو۔ تمہارا شوہر کون ہے؟“ عارف نے کہا۔

”اطلاع دینی ضروری نہیں ہے۔ بس ٹھیک ہے۔ میں اپنے فیصلے پر خوش ہوں۔“ سمعیہ نے کہا۔

”اطلاع دے دو۔“ پھر کچھ دنوں کے بعد پھر بات کر لینا اور رفتہ رفتہ ان کا ذہن اس طرف مائل ہو جائے گا۔“ عارف بولا۔

”ان کا ذہن اس طرف مائل نہیں ہوگا۔ میں ان کو جانتی ہوں۔ وہ جو دکھائی دیتے ہیں وہ نہیں ہیں۔“ سمعیہ نے کہا۔

عارف نے جیب سے موبائل فون نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا۔ ”اس موبائل فون سے بات کرو اور اس کے بعد یہ موبائل فون بند کر کے دراز میں رکھ دینا۔ تم اپنے بھائی سے اسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نمبر پر رابطہ کیا کرنا۔ موبائل فون بند ہو جانے پر وہ تم سے رابطہ نہیں کر سکے گا۔ ایک بار بات کر لو۔“

”آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے ان سے بات کرنی چاہئے۔“ سمعیہ نے عارف کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”ہاں میں یہی سمجھتا ہوں۔“ عارف نے اثبات میں سر ہلایا۔

”میں بھابھی سے بات کرتی ہوں۔“ سمعیہ سوچ کر بولی۔ ”تم اپنے بھائی سے بات کرو۔ بھابھی سے وہ خود بات کر لیں گے۔“ عارف نے کہا اور سمعیہ نے موبائل فون سے اویس حبیب کا نمبر ملایا۔

کچھ دیر کے بعد رابطہ ہوا اور اس کی آواز ابھری۔

”ہیلو...... السلام علیکم......“

”کہاں ہو؟“ ایک دم وہ اس کی آواز سنتے ہی چونکا۔ ”کہاں سے بول رہی ہو تم؟“

”جہاں بھی ہوں خیریت سے ہوں۔“ سمعیہ نے جواب دیا۔

”کہاں ہو تم؟ میں تلاش کر کے پاگل ہو گیا ہوں۔ ہم کتنے پریشان ہیں، تم کو اس کا اندازہ ہے؟“ اویس حبیب نے تیز لہجے میں کہا۔

”میں نے آپ کو ایک اطلاع دینی تھی۔“ سمعیہ نے اس کی بے چینی کو نظرانداز کر کے بولی۔ اس کے لہجے میں متانت تھی۔

”کیسی اطلاع دینی ہے؟“ اویس حبیب نے جلدی سے پوچھا۔

سمعیہ نے بتایا۔ ”میں نے شادی کر لی ہے۔“

”کیا......؟ کیا بکواس کر رہی ہو تم۔ تمہاری شادی میں کر رہا ہوں۔“ یہ خبر اویس حبیب کے لئے حیران کن تھی۔ وہ بری طرح چونک پڑا تھا۔

”آپ میری شادی اس سے کرنا چاہتے ہیں جو پہلے سے شادی شدہ ہے۔“ سمعیہ نے کہا۔

”اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ وہ دولت مند لوگ ہیں۔ وہ تم کو پسند کرتا ہے۔ تم اس

کے ساتھ خوش رہوگی۔'' اویس حبیب بولا۔

''میں اب بہت خوش ہوں۔ میں نے اپنی پسند کی شادی کر لی ہے اب آپ میری تلاش مت کریں۔'' سمعیہ نے کہا۔

''کون ہے وہ...... جس سے تم نے شادی کر لی ہے؟ دیکھو سمعیہ تم مجھ سے جھوٹ مت بولو۔'' وہ جوش سے بولا۔

''میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔ میں نے شادی کر لی ہے۔ میں ان کے ساتھ خوش ہوں۔'' سمعیہ نے کہا۔

اویس حبیب چراغ پا ہوگیا۔ ''تمہاری اس بے وقوفی سے پانچ کروڑ روپے کی ڈیل ختم ہو جائے گی۔''

''آپ نے میری قیمت لگائی تھی بھائی؟'' سمعیہ کو سن کر دکھ ہوا۔

''میں بزنس کرنا چاہتا تھا، میری بزنس ڈیل ہوئی تھی۔ تمہاری شادی سے راشد میرے ساتھ سرمایہ کاری کرنے پر رضامند ہوا تھا۔ تم نے سب کچھ ختم کر دیا۔ کون ہے وہ جس سے تم نے شادی کی ہے......'' اویس حبیب چیخ رہا تھا۔

''نہیں بتاؤں گی۔'' سمعیہ نے کہا۔

''تم بتاؤ اس وقت کہاں ہو؟'' اویس حبیب چیخا۔

سمعیہ سے برداشت نہیں ہوا اور اس نے فون کاٹ دیا۔ اویس حبیب نے غصے میں بتا دیا تھا کہ راشد سے وہ اس لئے شادی کر رہا تھا کیونکہ وہ اس کے ساتھ کوئی بزنس کرنا چاہتا تھا۔ سمعیہ کی شادی راشد سے ہو جانے پر وہ پانچ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کرنے کے لئے تیار تھا۔ سمعیہ کو اس حقیقت کے منکشف ہونے سے بہت دکھ ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اس نے موبائل فون بیڈ پر رکھ دیا تھا۔ عارف نے موبائل فون اٹھایا اور اسے آف کر کے ایک طرف دراز میں رکھ دیا۔

''کیا کہا تمہارے بھائی نے۔'' عارف نے پوچھا۔ اویس حبیب کی چیختی ہوئی آواز کو عارف بھی سن رہا تھا۔ پھر بھی اس نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اچھا ہوا کہ میں نے آپ سے شادی کر لی ورنہ جانے میں کہاں بھٹک رہی ہوتی۔ میرا بھائی میری شادی کی آڑ میں بزنس کر رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی سے بھی میری شادی کرنے پر رضامند ہو سکتا تھا۔ اسے کوئی بھاری بزنس ڈیل چاہئے تھی بس۔'' سمعیہ نے کہا۔ ''وہ میرا بھائی نہیں ہے۔''

''گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تم میری بیوی ہو اور اپنے گھر میں اپنی چھت تلے رہ رہی ہو۔ بھول جاؤ۔ میں آفس جا رہا ہوں۔'' عارف نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کو حوصلہ دیا۔ ''اپنے یہ آنسو پونچھ لو۔''

''میں ٹھیک ہوں، آپ آفس جائیں۔'' سمعیہ نے اپنے ہاتھ سے اپنی آنکھوں کو صاف کیا۔

عارف اپنے آفس جانے سے قبل سیدھا اپنی ماں کی قبر پر چلا گیا۔ اس نے فاتحہ پڑھی اور پھر ماں اور باپ کے قدموں کی طرف بیٹھ کر بولا۔ ''میں نے شادی کر لی ہے، سمعیہ سے...... آپ اس سے مل چکی ہیں۔ آپ کا سب سے چھوٹا بیٹا ہوں لیکن شادی کے بندھن میں پہلے بندھ گیا ہوں۔ کسی بھائی کو اپنی خوشی میں شریک نہیں کر سکا۔ حالات نے مجھے سمعیہ سے شادی کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ہر انسان کو کوئی نہ کوئی ڈھال تو درکار رہتی ہی ہے۔ بس جس دن دلنواز اور اس کے بیٹوں کو انتقام کا نشانہ بنا دیا، اس دن گھر لوٹ جاؤں گا۔'' عارف کہہ کر چپ ہو گیا اور پھر اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

اویس حبیب نے بار بار اس نمبر کو ملایا جس سے سمعیہ نے اس کو کال کی تھی۔ وہ نمبر بند تھا۔ اویس حبیب نے غصے میں موبائل فون ایک طرف رکھ دیا۔ اس کا چہرہ الجھن سے بھرا ہوا تھا۔ غصہ اس کے ماتھے پر شکنوں کی طرح عیاں تھا۔ نادرہ اس کے پاس کھڑی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ سمعیہ نے شادی کر لی ہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا سمعیہ لاہور نہیں گئی؟ کیا وہ سچ کہہ رہی ہے؟''

"کیا کہا سمعیہ نے؟" نادرہ نے پوچھا۔

"کہتی ہے کہ اس نے شادی کر لی ہے۔" اویس حبیب بولا۔ "اتنا بڑا قدم اٹھا لیا اس نے اور مجھ سے بات تک نہیں کی۔"

"کس سے شادی کر لی ہے اس نے؟" نادرہ نے سوال کیا۔ "اور ایسا سمعیہ نے اچانک کیسے کر لیا؟"

"یہ نہیں بتایا اس نے۔ تم سے کبھی اس نے بات کی تھی کہ وہ کسی کو پسند کرتی ہے۔" اویس حبیب نے پوچھا۔

نادرہ نے سوچا اور پھر بولی۔ "ایک بار ایسے ہی بات کی تھی کہ وہ اپنی پسند سے شادی کرنا چاہتی ہے۔"

"اس لڑکے کے بارے میں بتایا تھا اس نے؟" اویس حبیب نے پوچھا۔ "کیا تم جانتی ہو اس لڑکے کے بارے میں۔"

"سمعیہ نے یہ بات مجھ سے سرسری انداز میں کی تھی۔" نادرہ نے کہا۔ "میں نے پوچھا ہی نہیں تھا۔"

"اویس حبیب نے اپنی ہتھیلی پر مکا مارا اور دانت پیس کر بولا۔ "مل جائے اس کو گولی سے اڑا دوں گا۔"

"اپنی بہن کے شوہر سے آپ یہ سلوک کریں گے۔" نادرہ نے ایک دم کہا۔

"اور کیا کروں...... اس بہن کا خیال کروں جس نے میری پروا نہیں کی۔ جانتی ہو راشد پانچ کروڑ روپے کی سرمایہ کاری کرنے کے لئے تیار تھا۔ میری زمین پر جو میرے نام ہے۔ سرمایہ کاری اس کی تھی۔ پھر اس کا سرمایہ بھی میرا ہو جاتا۔ بس اس نے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ سمعیہ کو پسند کرتا ہے اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" اویس حبیب کا غصہ عروج پر تھا۔

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ سمعیہ جھوٹ بول رہی ہو۔ اس نے شادی کی ہی نہ ہو۔" نادرہ نے کہا۔

اس کی بات سنتے ہی اویس حبیب نے اس کی طرف دیکھا۔ "وہ جھوٹ کیوں بولے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گی؟"

"اس لئے تاکہ آپ اس کا پیچھا چھوڑ دیں۔ اس کی تلاش ترک کر دیں اور وہ آزادی سے گھوم سکے۔" نادرہ نے اویس حبیب کی سوچ کو یہ کہہ کر اس لئے بدل دیا کیونکہ وہ خود چاہتی تھی کہ سمعیہ کو وہ اس امید پر تلاش کرے کہ اس نے اس سے جھوٹ بولا تھا تاکہ وہ بھی جان سکے کہ کیا سمعیہ سچ کہہ رہی تھی۔ وہ دربدر ہونے کی بجائے گھر کی ہوگئی تھی۔ وہ اپنے دل کی تسلی چاہتی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ وہ جھوٹ بول سکتی ہے۔" اویس حبیب سوچنے لگا۔ "ایسا ممکن ہوسکتا ہے۔"

"اس لئے بہتر ہے کہ آپ غصے کی بجائے ہوش سے کام لیں اور اس کی تلاش جاری رکھیں۔" نادرہ نے کہا۔

"آج شام کو راشد سے اس کا نکاح ہے۔" اویس حبیب بڑبڑایا۔ "میں اس کو کیا جواب دوں گا۔"

"راشد سے آپ کچھ دن کی مہلت مانگ لیں۔ کوئی مجبوری بیان کر دیں اور جتنی جلدی ہوسکتا ہے اس کو تلاش کر لیں۔ ہو سکے تو کچھ آدمی لاہور میں بھی اس کی تلاش پر لگا دیں۔" نادرہ نے تجویز دی

"لاہور میں کیوں؟"

"وہ اکثر کہتی تھی کہ وہ لاہور آباد ہونا چاہتی ہے۔ وہ لاہور شہر کو پسند کرتی تھی۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لاہور چلی گئی ہو۔" نادرہ نے باتوں باتوں میں کہہ دیا۔

"یہ باتیں تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی تھیں؟ تمہاری خاموشی ہم پر یہ وقت لے آئی ہے۔" اویس حبیب نے اس کی طرف آنکھیں نکال کر دیکھا۔

"مجھے کیا پتہ تھا کہ سمعیہ اور آپ کیا سوچ رہے ہیں۔" نادرہ جلدی سے بولی۔ "مجھے کسی بات کا پتہ ہوتا تو میں بتاتی"

"لاہور شہر میں بھی میرے آدمی ہیں۔ میں جلد سمعیہ کو تلاش کر لوں گا۔ وہ اتنی جلدی

شادی نہیں کر سکتی۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔‘‘ اولیس حبیب بولا۔ ’’میں سمعیہ کو تلاش کر کے ہی دم لوں گا۔‘‘

☆......☆......☆

نوشین ہسپتال سے گھر منتقل ہو گئی تھی اور اس نے شوٹنگ میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ وہ کام میں مصروف ضرور ہو گئی تھی لیکن اس کا دل اور دماغ اپنے اس پلاٹ کے ہاتھ سے نکل جانے کے غم میں مبتلا رہتا تھا۔ وہ اداس اور چپ رہتی تھی۔ جونہی اس کا کام ختم ہوتا تھا، وہ اسی کے بارے میں سوچنے لگتی تھی۔ اس کو عارف یاد آنے لگتا تھا۔ اس کا خون کھولنے لگتا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس جگہ سے چلی جائے اور سڑکوں پر نکل کر عارف کو تلاش کر کے اس کی شہ رگ کاٹ کر اپنا قیمتی پلاٹ اس سے چھین لے۔

نوشین کی سوچ اور دھیان پلاٹ اور عارف کی طرف رہتا تھا اس لئے اس کی کام کی طرف توجہ کم ہو گئی تھی۔ وہ بار بار ری ٹیک دینے لگی تھی۔ ایک گھنٹے کا کام ڈھائی گھنٹوں میں ختم ہونے لگا تھا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے بھی پریشان تھے۔ اس کا ڈائریکٹر اس کو سمجھانے کی کوشش کرتا تھا، وہ ایک بڑی سٹار تھی۔ اس کے نخرے بھی تھے، اس لئے کوئی اس سے کھل کر بات نہیں کرتا تھا۔

رات کو ایک بجے جب وہ اپنی شوٹنگ مکمل کرانے کے بعد واپس جانے کے لئے اپنی کار کی طرف بڑھی تو اس کی کار کے پاس ہی جہانگیر کھڑا تھا۔ وہ اس کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ نوشین کی ماں بھی اس کے ساتھ تھی۔

اس نے جہانگیر کو دیکھا تو نوشین سے بولی۔ ’’ایک تو یہ مصیبت ہمارا پیچھا نہیں چھوڑتی۔‘‘

’’ماں تم گھر چلو میں آتی ہوں۔‘‘ نوشین بولی۔

’’کہاں جا رہی ہے تو؟‘‘ اس کی ماں ایک دم چونکی۔

’’عارف کو یہی تلاش کر سکتا ہے۔ میں اسے کہانی سنا کر گھر پہنچتی ہوں۔‘‘ نوشین نے کہا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اور مسکراتی ہوئی جہانگیر کی طرف بڑھی۔

’’آپ کا انتظار کر رہا تھا۔‘‘ جہانگیر اس کی ایک مسکراہٹ پر مرنے والا آدمی تھا۔ نوشین کو خود بخود اپنی طرف آتا دیکھ کر اس کا سینہ اور بھی چوڑا ہو گیا تھا۔

’’آج میں آپ کو یاد کر رہی تھی۔‘‘ نوشین نے کہا۔ ’’میری قسمت...... کہ آپ سے میری ملاقات بھی ہو گئی۔‘‘

’’ایسی ہماری قسمت کہاں کہ آپ مجھے یاد کریں۔‘‘ جہانگیر خوش ہوتے ہوئے چونکا۔

’’آپ مجھے خوش کرنے کے لئے ایسا کہہ رہی ہیں۔‘‘

’’کہیں جانا ہے کیا؟‘‘ نوشین نے ایک نظر اس کی پجیرو کی طرف دیکھ کر ایک ادا سے کہا۔

’’ہم تو آپ کا دیدار کرنے کے لئے آئے تھے۔‘‘ جہانگیر بولا۔ ’’آپ حکم کریں، کہاں چلنا ہے۔‘‘

’’کہیں جانے کی بجائے گاڑی میں بیٹھ کر باتیں کریں۔‘‘ نوشین نے کہا۔ ’’تھوڑی دیر بیٹھ جاتے ہیں۔‘‘

’’زہے نصیب۔‘‘ جہانگیر بولا۔

نوشین نے اپنی ماں کو مخاطب کیا۔ ’’ماں تم گاڑی میں بیٹھو، میں ابھی آتی ہوں۔‘‘

نوشین اس کے ساتھ پجیرو میں بیٹھ گئی۔ جہانگیر کا ڈرائیور باہر ایک طرف کھڑا ہو گیا تھا جبکہ جہانگیر کے گن مین کچھ فاصلے پر موجود تھے۔

’’آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ میں آپ کو کیوں یاد کر رہی تھی۔‘‘ نوشین نے اپنے بالوں کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔

’’آپ مجھے کیوں یاد کر رہی تھیں؟‘‘ جہانگیر نے پوچھا۔

’’کیونکہ مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ میں پریشان ہوں۔ میرے ساتھ دھوکا اور فریب ہوا ہے۔‘‘ نوشین نے وقت ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

’’کون ہے وہ جس نے آپ سے دھوکا اور فریب کیا ہے۔‘‘ جہانگیر فوراً سنجیدگی سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ معدوم ہوگئی تھی اور وہ اس کی بات سنتے ہی مرنے مارنے پر تیار ہوگیا تھا۔

''میں آپ کو پریشان کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن میرا آپ کے سوا ہے ہی کون؟'' نوشین نے کہا۔ ''بہت سوچ بچار کے بعد آپ سے بات کر رہی ہوں۔''

''آپ اس کا نام لو بس۔'' جہانگیر نے کہا۔

''اس کا نام عارف ہے۔ اس نے مجھے دو کروڑ کا دھوکا دیا ہے۔ میرے ساتھ پروڈکشن ہاؤس کھولنے کے لئے معاہدہ کیا اور جب میں نے اس کو پیسہ دیا تو وہ میری جمع پونجی لے کر فرار ہوگیا۔'' نوشین نے اس موقع پر اداکاری کرتے ہوئے آنکھوں سے آنسو بھی بہا دیئے۔

''آپ نے اس شخص پر اتنا اعتماد کر لیا۔'' جہانگیر کو سن کر حیرت ہوئی۔ ''اس شخص کو دو کروڑ روپے دے دیئے۔''

''میری آنکھوں کے آگے پٹی بندھ گئی تھی۔ مجھے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میری سوچ جیسے ختم ہوگئی تھی۔ جانے میں کیسے اس کی باتوں میں آ گئی اور سارا پیسہ اس پر لٹا دیا۔''

نوشین نے بتایا۔ ''وہ پیسہ بھی میرا نہیں تھا۔ میرے ایک پروڈیوسر ہیں میرے کہنے پر انہوں نے وہ سرمایہ کاری کی تھی۔ میں بہت پریشان ہوں۔''

''کہاں رہتا ہے وہ اور کون ہے؟ ابھی اس کو تمہارے قدموں میں ڈال دیتا ہوں۔'' جہانگیر بولا۔

''وہ مجھے فریب دینے کے بعد غائب ہوگیا ہے۔ اسے تلاش کرنا ہے اور پائی پائی وصول کرنی ہے۔ میرا یہ کام آپ کر سکتے ہیں تو میں ساری زندگی آپ کی غلام بن کر رہوں گی۔'' نوشین نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک اس کو ڈھونڈ نہ لوں گا، جو بات آج میں تم سے کہنے کے لئے آیا تھا، وہ نہیں کہوں گا۔'' جہانگیر جوش سے بولا۔

اس کی بات سن کر نوشین کو یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ وہ اس سے آج ضرور شادی کی بات کرنے آیا ہوگا۔ فی الحال اس کو عارف چاہئے تھا۔ اس سے چھٹکارا کیسے پانا ہے، وہ بعد میں

سوچے گی۔''

''آپ میرے ساتھ میرے گھر چلیں۔ اس دن کی تقریب کی تصویروں میں اس کی تصویر ہے۔ میں آپ کو وہ تصویر دکھاتی ہوں۔'' نوشین بولی۔

''تم کسی طرح سے مجھے ایک بار اس کا چہرہ دکھا دو۔ اس کے بعد اس کو زمین سے بھی نکال کر تمہارے قدموں میں نہ ڈال دیا تو میرا نام جہانگیر نہیں۔'' جہانگیر کا جوش دیکھنے والا تھا۔

نوشین نے عارف کی تلاش کے لئے جہانگیر کو تیار کر لیا تھا۔ نوشین اس کی پجیرو میں بیٹھ کر اپنے گھر پہنچی اور وہ البم اٹھا لائی جس میں اس کی سالگرہ کی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ ایک تصویر میں عارف اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ جہانگیر نے وہ تصویر اس البم سے نکال لی اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

عارف کا کاروبار چلنے لگا تھا۔ جس فلور پر اس نے آفس لیا تھا۔ اس کے برابر والا آفس راشد کا تھا۔ عارف نے جان بوجھ کر وہ آفس لیا تھا۔ عارف اس کے آنے جانے پر نظر رکھتا تھا۔ اس آفس میں بیٹھ کر راشد گارمنٹس کی امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

دوپہر کے بعد جب راشد اپنے آفس گیا تو عارف نے اپنے چپراسی سے ایک تحریر لکھوائی اور اسے کہا کہ وہ راشد کو دے آئے۔ ملازم وہ تحریر لے کر راشد کے پاس چلا گیا اور کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔

کاغذ پر تحریر تھا۔ ''میرے نئے آفس کی خوشی میں اگر آپ ابھی کچھ وقت نکال کر میرے ساتھ ایک کپ چائے کا پئیں تو مجھے خوشی ہوگی۔''

راشد نے اس تحریر کو ایک دوبار پڑھا۔ اس کے پاس وقت تھا اور پھر نئے تعلقات بنانے کا بھی اسے شوق رہتا تھا تاکہ بڑے بزنس مینوں کی لسٹ میں اضافہ ہوتا رہے۔ راشد کو اتنا تو پتہ تھا کہ اس کے برابر میں کوئی نیا آفس کھلا ہے۔ راشد نے عارف کے ملازم سے کہا وہ

تھوڑی دیر کے بعد آتا ہے۔ ملازم چلا گیا۔

عارف اپنے کمرے میں بیٹھا اس کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے کمرے کے سامنے کی دیوار پر ایک شیشہ لگا تھا جس سے وہ باہر سب کچھ دیکھ سکتا تھا لیکن باہر سے اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس کی نگاہیں بار بار اس شیشے سے پار جا رہی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد راشد اندر آیا۔ ملازم کو پہلے ہی ہدایت تھی وہ اسے عارف کے کمرے کی طرف لے آیا۔ جونہی راشد اس کمرے میں داخل ہوا، اس کی نگاہ عارف پر پڑی۔ اس کے قدم دروازے میں ہی رک گئے۔

عارف نے بھی اس کی طرف دیکھا۔ عارف کا خون کھولنے لگا تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ابھی راشد کا گریبان پکڑ کر اس پر مکوں کی بارش کر دے لیکن وہ اس جنگ کو اپنے دماغ سے لڑنا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے آپ کو ٹھنڈا رکھا۔

"آؤ مسٹر راشد......"

راشد نے دروازہ بند کر دیا اور اس کے کمرے کا جائزہ لیا۔ "تم نے یہاں ملازمت کر لی ہے؟"

"تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اس ڈسٹری بیوشن کمپنی کا میں مالک ہوں۔" عارف نے اطمینان سے جواب دیا۔

وہ اس کی بات سن کر استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

"تم اس سیٹ اپ کے مالک ہو؟ کوئی نیا خواب دیکھ رہے ہو؟"

"تجھے حقیقت دکھا رہا ہوں۔" عارف نے کہا۔

"میں نے تجھے کہا تھا کہ ایک دن تیرے برابر کھڑا ہو جاؤں گا۔ ابھی دولت میں تو تمہاری برابری نہیں کر سکا لیکن دیکھ میں نے تیرے آفس کے برابر اپنا آفس بنا لیا ہے۔"

"اس سے کیا ہوگا۔" راشد نے لاپرواہی سے کہہ کر خود ہی کرسی سنبھال لی اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

ویسے اس ڈسٹری بیوشن کو لینے کے لئے تم نے پیسے کس سے مانگے ہیں۔ کہاں سے آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیسہ تمہارے پاس۔"

"وہ راستہ بتا دیا تو تم اپنا کشکول لے کر وہاں پہنچ جاؤ گے۔ سنا ہے کہ تم دوسری شادی کر رہے ہو اور بڑی خاموشی سے کر رہے ہو؟" عارف نے کہہ کر اس کا جائزہ لیا۔ اس نے ایک دم بات کا رخ بدل دیا تھا۔

اس کے منہ سے یہ بات سن کر راشد ایک لمحے کے لئے چونکا کیونکہ اس بات کا کسی کو بھی علم نہیں تھا۔ یہ ایسی بات تھی جو اس نے انتہائی خفیہ رکھی تھی اور عارف کے منہ سے یہ بات سن کر اس کو حیرت کا دھچکا لگا تھا۔

"ایسی بات کا تم کو ہی پتہ ہوگا۔" راشد نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو نہیں پتہ کہ میں دوسری شادی کر رہا ہوں۔"

"تمہارا چہرہ تمہارے اندر کا سچ بتا چکا ہے۔" اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز تھی۔

"کوئی اور بات نہیں ملی تو مجھ پر ایسا گھٹیا وار کر دیا۔" راشد نے سر جھٹکا۔ "عجیب بات کہہ دی ہے تم نے۔"

"سنا ہے کہ جس سے تم دوسری شادی کر رہے ہو وہ اویس حبیب کی بہن ہے۔" عارف نے بلا تامل کہا۔

اس بات نے راشد کو واضح طور پر چونکا دیا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ اس کے بارے میں اتنا جانتا ہے۔ اس بات کی ہوا تو اس نے کسی کو بھی نہیں لگنے دی تھی۔

راشد اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"تجھے یہ سب کیسے پتہ ہے؟" راشد اس سے یہ سوال کرنے پر مجبور ہو گیا۔ سنجیدگی اس کے چہرے پر واضح تھی۔

"اب بھی کہو کہ یہ تم پر گھٹیا الزام ہے۔ میں تو وہ دن بھی بتا سکتا ہوں جو تم نے اویس حبیب کے ساتھ طے کیا تھا اور اب شادی کا دن بدل گیا ہے...... بلکہ وہ دن میں تم کو نہیں تمہاری پہلی بیوی کو بتاؤں گا۔"

"تمہاری یہی اوقات ہے۔ تم جیسے لوگ دائیں بائیں سے ہم جیسے بڑے لوگوں کی باتوں کے کھوج میں لگے رہتے ہیں اور پھر چند پیسوں کے لئے اپنا ہاتھ کسی بھکاری کی طرح آگے بڑھا کر چند دن عیش میں گزارنے کے خواب لے کر ایک طرف چل دیتے ہیں۔" راشد کو غصہ آ گیا۔ "کتنے لوگوں کو بلیک میل کر کے اس سیٹ اپ کو بنایا ہے اور کتنے لوگ تمہاری لسٹ میں ہیں جن کو تم نے ابھی بلیک میل کرنا ہے۔"

"لیکن تم نے تو یہ بات اپنے دائیں بائیں کسی کو پتہ نہیں چلنے دی تھی۔ پھر میں نے یہ کیسے معلوم کر لیا؟ یہ بھی سن لو کہ تم اس کی بہن سے شادی نہیں کر سکو گے۔ تم دونوں کی بزنس ڈیل دھری کی دھری رہ جائے گی۔" عارف بولا۔

"اویس حبیب تم کو فریب دے رہا ہے۔ اس کی بہن اس کا گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔"

بزنس ڈیل کی بات پر وہ ایک بار پھر چونکا۔ "تم اور کیا کیا جانتے ہو؟"

"اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں لیکن بتاؤں گا نہیں بلکہ وارننگ دوں گا۔ تم اپنا انتظام کر لو۔ میرے انتقام کا پہلا شکار تم ہو اور اس کے بعد تمہارا باپ ہے۔" عارف نے دانت پیسے۔

"شٹ اپ...... تم میرا کیا بگاڑ سکتے ہو؟" وہ بولا۔

"یہ تو تمہیں تب پتہ چلے گا جب تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ ہوا کیا ہے۔" عارف نے کہا۔

"تم کو میری طاقت کا اندازہ نہیں ہے شاید۔" راشد کو غصہ آ گیا۔ اس کے دماغ میں اس کی باتیں گھوم رہی تھیں۔ اس بات نے اس کو شدید بے چین کر دیا تھا کہ اویس حبیب کی بہن گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔

"اور تم میرے دماغ سے لاعلم ہو کہ وہ تمہارے لئے کیا سوچے بیٹھا ہے۔" عارف نے جواب دینے میں تامل نہیں کیا۔

"ویسے تم میرے دفتر میں کرنے کیا آئے تھے؟"

راشد نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا وہ کاغذ کا ٹکڑا جو اس نے گول کیا ہوا تھا اس کی طرف اچھال دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں سمجھا تھا کہ کسی معقول آدمی نے مجھے چائے پر بلایا ہے۔"

عارف نے وہ کاغذ کھولا اور پھر پڑھنے کے بعد اپنے چپڑاسی کو اندر بلا کر پوچھا۔ "یہ تم نے لکھا تھا؟"

"جی سر......" چپڑاسی کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا۔

"میرا یہ ملازم بہت اچھا آدمی ہے۔ بہت معقول آدمی ہے۔ اپنے جیب خرچ سے کسی نہ کسی کو چائے اور کھانے پر بلاتا رہتا ہے۔ تم کو اس نے دعوت دی تھی۔ تم اس کے ساتھ انجوائے کر سکتے ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لے جاؤ بھئی اپنے مہمان کو۔" عارف نے مسکرا کر کہا۔

چپڑاسی حیرانی سے کبھی عارف کا اور کبھی راشد کا منہ دیکھ رہا تھا۔

راشد قہر آلود نگاہوں کو عارف کے چہرے پر جمائے کھڑا تھا۔ اس کا دل غصے سے بھر گیا۔ اس نے مزید کچھ کہنے کی بجائے رخ پھیرا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ عارف معنی خیز انداز میں مسکرا دیا۔

☆......☆......☆

سائرہ اپنے کمرے میں بند تھی اور سوچ رہی تھی کہ جو کچھ اس نے سوچا تھا اس کے برعکس ہو گیا تھا۔ اس کی دانست میں تو یہ تھا کہ منصور اپنے حق کے لئے اپنی ماں کے سامنے کھڑا ہو جائے گا اور دولت کے انبار سے کچھ ضرور اپنے نام کروا لے گا۔ جس سے اس کا مقصد حل ہو جائے گا لیکن منصور نے تو ایک نئی کہانی سنا دی تھی۔

سائرہ نے ابھی تک اپنی آنٹی سے رابطہ نہیں کیا تھا۔ وہ ابھی سوچ رہی تھی جبکہ منصور فارم ہاؤس سے باہر چلا گیا تھا اور بہت دیر ادھر ادھر گھومنے کے بعد زہر کے گھونٹ پی کر واپس آ گیا تھا۔

شام ہو چکی تھی۔ منصور سیدھا کمرے میں چلا گیا۔ اس نے بابا سے سائرہ کے بارے میں پوچھ لیا تھا۔ بابا نے بتایا تھا کہ سائرہ کمرے سے باہر نہیں نکلی ہے۔

منصور ایک طرف بیٹھ کر سوچنے لگا کہ سائرہ کو اس کی بات سن کر یقیناً دکھ ہوا ہوگا۔ اس کا کوئی سہارا نہیں تھا۔ وہ کسی امید پر اس فارم ہاؤس میں مقیم تھی۔ منصور کو سائرہ پر ترس آنے لگا تھا لیکن وہ بے بس اور لاچار تھا۔ وہ تہی دست کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔

بیٹھے بیٹھے منصور اٹھا اور سائرہ کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس کے کمرے کا دروازہ آدھا کھلا تھا، اندر اندھیرا تھا۔ ابھی وہ دروازے پر دستک دینے ہی والا تھا کہ اس کو بالکونی کی طرف سے موبائل فون کی بیل بجنے کی آواز آئی۔

منصور اس طرف بڑھا۔ بالکونی میں سائرہ کھڑی تھی۔ اس نے فون آن کر کے کان کو لگا لیا اور بولی۔

”میں کب سے آپ کو فون کر رہی ہوں کہاں تھی آپ کہ میرا فون ہی نہیں سن رہی تھیں۔ میری مس کال دیکھ کر آپ نے مجھے فون کر تو لیا لیکن آپ جانتی ہیں کہ میں کتنی پریشان ہوں...... ہاں بہت پریشانی کی بات ہے...... سارا کھیل بگڑ گیا ہے...... آنٹی سنو منصور کو اس کی ماں نے گھر سے نکال دیا ہے۔ جائیداد سے بے دخل کر دیا ہے، جہاں میں رہ رہی ہوں اس جگہ کا خرچہ پانی بند ہو گیا ہے۔ جس امیر زادے کو میں نے دولت کے لئے مٹھی میں لیا تھا، جھوٹی کہانی کے ذریعے اس کو اپنی طرف مائل کیا تھا۔ اب وہ کنگال ہو گیا ہے۔ میں کیا کروں۔ وہ کہہ رہا ہے میں یہاں سے چلی جاؤں...... ہاں کیا کروں...... کہیں مت جاؤں ٹکی رہوں یہاں...... اس سے کیا ہو گا وہ کنگال ہو گیا ہے اور کنگال ہمارے کس کام کا...... اچھا...... اچھا...... میں اسے اس بات پر اکساؤں کہ وہ اپنی ماں پر مقدمہ دائر کر دے...... ٹھیک ہے...... ٹھیک ہے، میں ایسا ہی کرتی ہوں۔ دیکھ لیتی ہوں...... اچھا اس جگہ سے نہیں نکلوں گی...... ٹھیک ہے پھر بات کروں گی۔“ سائرہ نے بات مکمل کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

منصور دم بخود ایک طرف کھڑا سب کچھ سن رہا تھا۔ ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ اس کو اندازہ نہیں تھا کہ سائرہ اس کے ساتھ فریب کر رہی ہے۔ وہ اس کی دولت حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ کسی شریف گھرانے سے تعلق نہیں رکھتی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منصور سوچتا ہوا اس جگہ سے چلا گیا۔ اس نے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر دیا۔ سائرہ کی حقیقت اس پر منکشف ہو گئی تھی۔ جو بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی وہ اس کے سامنے آ گئی تھی۔

سائرہ مجھ سے دھوکا کر رہی تھی۔ اس نے مجھ سے جھوٹ بولا، مجھے اپنے فریب میں لیا، وہ میری دولت کے پیچھے ہے۔“ منصور بڑبڑانے لگا۔ اسی اثنا میں اس کے دروازے پر دستک ہوئی۔ منصور چونکا۔ اس نے ایک نظر دروازے کی طرف دیکھا۔ اپنے چہرے کو ہاتھ سے صاف کیا اور جو غصہ اور تکلیف اس کے چہرے پر تھی اس کو اس نے معدوم کیا اور دروازہ کھول دیا۔

سامنے معصومیت کا پیکر بنی سائرہ کھڑی تھی۔ منصور نے اس اداکارہ کا چہرہ غور سے دیکھا اور بولا۔

”کیا بات ہے سائرہ؟“

سائرہ کمرے میں آ گئی۔ اس نے کہا۔ ”میں نے بہت سوچا کہ کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ کونسا راستہ ہے میرے پاس کہیں جانے کے لئے۔ اپنے اسی گھر چلی جاؤں جہاں حریص نگاہیں میرے تعاقب میں رہتی ہیں۔“

”میں ایسا تو نہیں چاہتا لیکن میری مجبوری ہے۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں اپنا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکتا۔“ منصور نے سنجیدگی سے کہہ کر سائرہ کی طرف دیکھا۔

”میں نے فیصلہ کیا ہے۔“

”کیا فیصلہ کیا ہے تم نے؟“

”میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں نے اپنی زندگی آپ کے نام کر دی ہے۔ مجھے جہاں آپ لے جانا چاہیں، لے جائیں۔ بھوکی آپ کے ساتھ رہ لوں گی۔ جس حال میں رکھیں گے مجھے منظور ہوگا۔“ سائرہ نے اتنا کہہ کر اپنی آنکھوں سے آنسو بہائے۔

”میرے ساتھ تم کیوں اپنی زندگی کو تکلیف دے رہی ہو۔ میں اس حال میں تمہیں اپنے ساتھ کہاں لے جا سکتا ہوں۔“

"کچھ بھی سہی۔اب میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"پھر میں کیا کروں تم ہی بتاؤ؟" منصور اس کے دل کی بات باہر نکلوانا چاہتا تھا۔

"میں کیا بتا سکتی ہوں۔آپ کی جگہ میں ہوتی تو شاید اپنے حق کے لئے کھڑی ہو جاتی لیکن آپ کو میں ایسا نہیں کہہ سکتی۔"

"اپنی ماں کے سامنے کھڑا ہو جاؤں؟"

"جس ماں نے بیٹے کو بے دخل کرنے میں دیر نہیں لگائی،اس ماں کے سامنے کھڑے ہو جانے میں کیا حرج ہے۔آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ آپ کا سوتیلا باپ سب کچھ سمیٹ کر لے جائے گا۔آپ اپنی ماں کے سامنے نہیں، دراصل اپنے اس سوتیلے باپ کے سامنے کھڑے ہو رہے ہیں۔"

"تمہارا خیال ہے کہ مجھے اپنے حق کے لئے لڑنا چاہئے؟" منصور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔اس کا شاطر ذہن پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"یہ آپ کی مرضی ہے۔میری اور آپ کی زندگی کا سوال ہے۔"

"لیکن ایک فیصلہ میں بھی کر چکا ہوں۔"

"وہ کیا ہے؟"

"میں ایک پائی کے لئے بھی نہیں لڑوں گا اور یہ شہر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔اپنی محنت سے کماؤں گا۔"

"اس طرح نقصان آپ کا ہی ہے۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔"

"آپ کا سوتیلا باپ سب کچھ سمیٹ لے گا۔"

"میں کیا کر سکتا ہوں۔میرے پاس لڑنے کے لئے وسائل نہیں ہیں۔" منصور اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"تو کیا آپ سب کچھ یونہی چھوڑ دیں گے؟"

"ہاں......خود محنت کروں گا اور کماؤں گا۔تم میرے ساتھ چلنا چاہو تو چلو۔ہم کسی اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شہر چلے جائیں گے۔وہاں زندگی کا آغاز کریں گے۔میں محنت مزدوری کروں گا۔" منصور بولا۔"بس اتنا دیکھ لو کہ میرے پاس رہنے کے لئے کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔"

اس کی بات سن کر سائرہ ایک لمحے کے لئے سکتے میں آ گئی۔منصور اس طرح ہمت ہار دے گا،اس کے تصور میں بھی نہیں تھا۔وہ تو اس کو اکسانے کے لئے آئی تھی۔

"میں نے آپ کے کہنے پر اپنا گھر چھوڑا تھا۔اس شہر سے جانا چاہتی تھی آپ کی وجہ سے اس شہر کو چھوڑ کر کہیں نہیں گئی۔اب میں کہیں نہیں جاؤں گی۔اسی چھت کے نیچے رہوں گی اور یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ مجھے آپ تحفظ دیں۔" سائرہ اتنا کہہ کر چلی گئی۔

اب کوئی ابہام نہیں رہا تھا کہ سائرہ کی سوچ کیا ہے۔وہ اس جگہ سے جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔منصور نے سوچا کہ اچھا ہوا وقت سے پہلے سائرہ کی حقیقت اس کے سامنے آ گئی۔سائرہ کو اس فارم ہاؤس سے نکالنا تھا۔اس سے نجات حاصل کرنی تھی۔وہ اس کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر نہیں نکال سکتا تھا۔وہ اس کو پیٹ نہیں سکتا تھا۔اس سے صاف الفاظ میں بات نہیں کر سکتا تھا۔ایسی لڑکیاں جس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں،ان کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں۔سائرہ کو اس طرح سے وہ اپنے سے الگ کرنا چاہتا تھا کہ کام بھی ہو جائے اور کسی کو خبر بھی نہ ہو۔منصور اندر سے بزدل تھا۔

منصور سوچتا رہا لیکن وہ کسی بھی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا۔سوچتے سوچتے اس نے اپنی کار باہر نکالی اور فارم سے چلا گیا۔

○○○

......

شہر کی ایک سڑک کے کنارے اس نے کار کھڑی کی اور پیدل ہی چل پڑا۔ اس کی سوچوں میں سائرہ تھی۔ اسے اس سے کس طرح سے نجات حاصل کرنی ہے، اس کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔ جونہی وہ سڑک عبور کرنے کے لئے بڑھا، اچانک ایک کار اس سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ منصور نے کار کی طرف دیکھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان عارف کی نگاہ منصور پر پڑی۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پیچھے گاڑیوں کی قطار لگ گئی تھی۔ ہارن بجنے لگے تھے۔ عارف نے منصور کو اشارہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ بیٹھ جائے۔ منصور اس کی برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا اور عارف نے کار آگے بڑھا دی۔

☆......☆......☆

عارف نے کار آگے لے جا کر سڑک کے ایک طرف کھڑی کر دی۔ منصور پریشان تھا لیکن ایک عرصے کے بعد اچانک عارف کو دیکھ کر وہ خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گیا تھا۔ عارف نے اس کی طرف دیکھا۔

''آج اچانک تمہیں اپنے ساتھ دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ ایک تم ہی میرے دوست تھے، کیا حال ہے؟''

''حال اچھا نہیں ہے۔'' منصور نے سر اٹھا کر پہلی بار عارف کی طرف دیکھا۔ منصور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اپنے دل کی حالت کو زیادہ دیر تک چھپا نہیں سکتا تھا۔

''کیوں کیا ہوا؟ تم کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہو؟'' عارف نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

''پریشانی کو چھوڑو۔ یہ باتیں شاید اب میری زندگی کا حصہ بن گئی ہیں۔'' منصور نے سر جھٹکا۔

''مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔ کیا پریشانی ہے؟'' عارف نے استفسار کیا۔ ''تم میرے دوست ہو۔''

''لیکن افسوس کہ میں تم سے دوستی نہیں نبھا سکا۔'' منصور تاسف سے بولا۔ ''اس کا مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔''

''تم نے ہر قدم پر اپنی دوستی کا ثبوت دیا ہے۔'' عارف نے جلدی سے کہا۔ ''تم ایسا مت سوچو۔''

''کہاں ثبوت دیا ہے۔ ثبوت دیا ہوتا تو تمہیں کاروبار کرنے کے لئے پیسہ نہ اپنی مما سے لے دیتا۔'' منصور کو اس بات پر ندامت ابھی تک تھی۔ ''تم نے پہلی بار مجھ سے کچھ مانگا اور میں وہ بھی تمہیں نہ دے سکا۔''

''منصور اس میں تمہاری غلطی نہیں تھی۔ تم بے اختیار تھے۔ اب دیکھو میرا اپنا بزنس ہے۔ یہ گاڑی بھی میری ہے۔'' عارف نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

منصور اس کی بات سن کر چونکا۔ اس نے کار کو اندر سے دیکھا اور بولا۔ ''ہاں تم سے پوچھنا تو یاد ہی نہیں رہا کہ یہ کار تمہاری ہے کیا؟''

''یہ کار میری ہے اور میں بزنس بھی کر رہا ہوں۔ میرے بارے میں باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ تم اپنے بارے میں بتاؤ کہ تمہیں کیا پریشانی ہے؟'' عارف گھوم کر پھر اسی بات پر آ گیا۔

منصور نے عارف کو سب کچھ بتا دیا۔ عارف اس کی ہر بات غور سے سنتا رہا۔ منصور نے اس سے قبل اس کو کبھی یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کے باپ کا قتل کیسے ہوا تھا۔ وہ حقیقت بھی اس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عارف پر آج منکشف کر دی تھی۔

عارف کو سب کچھ سننے کے بعد حیرت ہوئی اور جب منصور چپ ہوا تو عارف نے کہا۔

"مجھے یہ گہری چال لگی ہے، جس طرح سے اظہر حسین نے تمہیں آفس سے نکال کر تمہاری جگہ اپنے بیٹے کو بٹھا دیا ہے اور ایک ماں کے دل میں بھی بیٹے کے لئے خلیج پیدا کر دی ہے۔ یہ سب ایک سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ لیکن سب سے پہلے تمہیں سائرہ سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔"

"بتاؤ میں کیا کروں۔ جس لڑکی کے لئے میرے دل میں ہمدردی پیدا ہوئی تھی اور جسے میں اپنانا چاہتا تھا، وہ بھی فریبی نکلی۔" منصور نے کہا۔ "مجھے تو اس کی اس دھوکے بازی کی وجہ سے ہر لڑکی سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔"

"ایسی لڑکیاں آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑا کرتیں۔ یہ لڑکیاں بدنامی کا باعث بھی بن جاتی ہیں۔ ان کو اپنی عزت کا تو خیال نہیں ہوتا ہے، یہ دوسروں کی عزت کو بھی خاطر میں نہیں لاتی ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ سائرہ تمہارے فارم ہاؤس سے ہی نہ نکلے بلکہ تمہاری زندگی سے ہی نکل جائے۔" عارف نے کہا۔

منصور بولا۔ "کچھ کرو۔ مجھے اس لڑکی سے نجات دلا دو۔ میں ذہنی طور پر بہت پریشان ہوں۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں تمہیں اس سے نجات دلاتا ہوں۔ تم پر کوئی داغ نہیں لگنے دوں گا۔" عارف سوچتے ہوئے بولا۔

"مجھے اظہر حسین اور اس کا بیٹا بھی میری ماں کی زندگی سے دور نظر آنے چاہئیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو عارف میں تمہارے قدموں میں دولت کے انبار لگا دوں گا۔" منصور تیز لہجے میں بولا۔

"مجھے تمہاری دولت میں سے ایک پیسہ بھی نہیں چاہیئے۔ میں جو کچھ بھی کروں گا اپنے دوست کے لئے کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ میرا دوست معصوم ہے۔ تم ایک کام کرو۔ واپس فارم ہاؤس میں چلے جاؤ۔ تم اس کو احساس دلاؤ کہ تم اپنی ماں کے خلاف قدم اٹھانے والے ہو اور ایک بار پھر اس کو اپنے اعتماد کی مٹھی میں لے لو۔" عارف نے کہا۔ "اس کے دل میں ایسا

اعتماد پیدا کر دو کہ وہ ذرہ برابر شک نہ کرے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"جیسا تم کہتے ہو ویسا کر دیتا ہوں۔ بس مجھے ان سب سے چھٹکارا چاہیئے۔" منصور نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم مجھے اپنا موبائل نمبر دے دو اور میرا رابطہ نمبر لے لو۔ دیکھنا کہ میں کیسا جال بچھاتا ہوں۔" عارف نے کہا اور دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے اپنے موبائل نمبر دے دیئے۔

عارف نے اس کو کچھ اور بھی ہدایات دیں، اس کے بعد منصور اس کی کار سے باہر نکلا اور جہاں اس نے اپنی کار کھڑی کی تھی وہاں چلا گیا۔ کار میں بیٹھ کر اس کا رخ فارم ہاؤس کی طرف کر دیا۔

☆......☆......☆

عارف کچھ دیر تک کار میں بیٹھا سوچتا رہا۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سائرہ کے ساتھ وہ کسی اور کو بھی نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی کار گھمائی اور اس عمارت کے سامنے لے آیا، جہاں اس کا آفس تھا۔ اس وقت اس عمارت کے دفاتر بند ہو چکے تھے۔

وہ اوپر گیا۔ اس نے راشد کے دفتر کی طرف دیکھا جو بند تھا۔ وہ نیچے آیا اور عمارت کے چوکیدار کے پاس چلا گیا۔

"خان ایک بات بتاؤ۔" اس نے پوچھا۔

"جی حکم کریں سرکار۔" خان مستعدی سے بولا۔

"یہ راشد کا دفتر کب تک بند ہو جاتا ہے؟" عارف نے پوچھا۔

"ایک گھنٹہ پہلے بند ہوا تھا۔"

"مجھے اس سے ضروری کام تھا۔ تم یہاں کے پرانے چوکیدار ہو۔ اس کے بارے میں بھی جانتے ہو۔ موبائل اس کا بند ہے۔ اس وقت کہاں مل سکتا ہے۔ تم بتا سکتے ہو؟" عارف نے پوچھا۔

’’راشد صاحب کا ڈرائیور میرے پاس اٹھتا بیٹھتا ہے۔ وہ ایک دن بتا رہا تھا کہ رات آٹھ بجے وہ جم چلے جاتے ہیں۔ یہ ان کا روزانہ کا معمول ہے۔‘‘ چوکیدار نے بتایا۔

عارف یہی جاننا چاہتا تھا کیونکہ اس نے اکثر راشد کے ڈرائیور کو اس کے پاس بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔

’’کون سا جم ہے جہاں وہ جاتے ہیں؟‘‘ عارف نے پوچھا۔

’’اس کا تو پتہ نہیں ہے جناب۔‘‘ اس نے نفی میں گردن ہلائی۔

’’پھر کیسے پتہ چلے گا؟‘‘ عارف سوچنے لگا، اس کا انداز چوکیدار سے کچھ اگلوانے کا تھا۔

’’کل ڈرائیور سے پوچھ کر بتا سکتا ہوں۔ ویسے کل پوچھ کر کیا بتانا آپ تو کل ان سے مل ہی لیں گے۔‘‘ وہ بولا۔

’’نہیں تم اس سے اس جم کے بارے میں پوچھنا۔ لیکن میرا ذکر نہ کرنا کیونکہ میں راشد کو سرپرائز دینا چاہتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ راشد کے لئے وہ جگہ بہت موزوں ہے۔‘‘ عارف نے کہا۔

’’ٹھیک ہے جی آپ کا نہیں بتاؤں گا۔‘‘ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

’’دیکھو بھول نہ جانا اور میرا ذکر نہیں کرنا، تم نے ابھی کھانا کھایا کہ نہیں؟‘‘ عارف نے ایک دم پوچھا۔

’’کھانا ابھی نہیں کھایا، میرا بھائی آئے گا تو ایک ساتھ کھائیں گے۔‘‘

’’کیا کھاؤ گے؟‘‘

’’جو دال روٹی مل جائے گی وہی کھائیں گے۔‘‘ وہ مسکرایا۔

’’آج تم گوشت روٹی کھاؤ اور مزے اڑاؤ۔‘‘ عارف نے یہ کہہ کر ہزار کا نوٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔

چوکیدار نے ہزار کا نوٹ دیکھا تو منہ میں پانی بھر آیا، لیکن وہ بولا۔ ’’آپ کا شکریہ جناب اس کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘

’’مجھے ایک خوشی ملی ہے۔ اس خوشی میں تمہیں شامل کر رہا ہوں۔‘‘ عارف نے نوٹ اس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کو تھما دیا۔ چوکیدار نے ہزار کا نوٹ جیب میں ڈال لیا۔ پیسہ چیز ہی ایسی ہے کہ جس کے پاس جاتا ہے وہ خوش ہو جاتا ہے۔

’’دیکھو میری بات بھول نہ جانا۔‘‘ عارف نے ایک بار پھر یاد دلایا۔

’’آپ بے فکر ہو جائیں جناب، میں معلوم کر لوں گا۔‘‘ اس بار چوکیدار نے پہلے سے زیادہ پرجوش انداز میں کہا۔ اس کے لہجے میں ہزار کے نوٹ کی تپش بھی شامل تھی اور چہرہ خوشی سے گلنار تھا۔

☆......☆......☆

منصور فارم ہاؤس واپس پہنچ گیا تھا۔

سائرہ اس وقت اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ منصور نے اس کو مخاطب کر کے روک لیا۔ منصور کی غیر موجودگی میں سائرہ کو اس کی آنٹی کی طرف سے مزید ہدایات مل گئی تھیں۔ وہ کسی بھی صورت اس فارم ہاؤس کو چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ آنٹی نے اسے سمجھایا تھا کہ ایک دو دن دیکھنے کے بعد اگر منصور اپنی ماں کے خلاف کھڑا نہ ہو تو وہ ہتھکنڈا استعمال کرے جو منصور کے لئے خطرناک ہی نہیں بلکہ اس کی عزت کو داغ دار کر دیتا۔ منصور پر جو انہوں نے محنت کی تھی اور جو پیسہ اس کے گھر کی نوکرانی پر خرچ کیا تھا، وہ رائیگاں جانے دینا نہیں چاہتی تھی۔

منصور کے سامنے ایک بار پھر سائرہ نے اپنے چہرے پر معصومیت سجا لی تھی۔ ایسی معصومیت کہ کوئی بھی دھوکا کھا جائے۔ اس نے اداس سی آواز میں کہا۔

’’جی۔‘‘

’’میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔‘‘ منصور نے اس کا شاطر چہرہ دیکھا۔

’’بولیں۔‘‘ سائرہ نے اپنے چہرے پر اداسی کا لیبل سجائے رکھا۔ منصور نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور سوچا کہ یہ لڑکی کس قدر چال باز اور دوغلی ہے۔ منصور کو اس سے نفرت ہونے لگی تھی۔

''یہاں بیٹھو۔'' منصور اتنا کہہ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ سائرہ اس صوفے کے دوسرے کونے پر براجمان ہوگئی۔ اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔

''تم سے بات کرنے کے بعد میں ایسے ہی باہر نکل گیا۔ مجھے اپنے رویے پر افسوس ہوا کہ میں نے کیوں تمہیں یہ کہہ دیا کہ تم چلی جاؤ۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔''

منصور نے اپنے لہجے میں ندامت کا عنصر شامل کیا۔

منصور کی بات سن کر سائرہ دل ہی دل میں چونکی۔ اسے لگا کہ منصور کی واپسی ہو رہی ہے۔ وہ چپ رہی اور اس کے مزید بولنے کا انتظار کرنے لگی۔ منصور نے اپنی بات کا سلسلہ جوڑا۔

''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔'' منصور اتنا کہہ کر جان بوجھ کر چپ ہوگیا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس بات کو سن کر سائرہ کے اندر کی بے چینی آشکارا ہوتی ہے کہ نہیں۔

جب اس نے اپنی خاموشی کو کچھ طول دیا تو سائرہ نے پوچھا۔

''کیا فیصلہ کیا ہے آپ نے؟'' منصور بولا۔

''تم ٹھیک کہتی ہو کہ جس ماں نے بیٹے کو گھر سے باہر نکال دیا۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی پروا نہیں کی، اس ماں سے اپنا حصہ مانگنے کے لئے مجھے پیچھے نہیں ہٹنا چاہئے ورنہ اظہر حسین سب کچھ سمیٹ کر لے جائے گا۔''

''یہی میں چاہتی ہوں۔'' منصور کی بات سن کر سائرہ اتنی پرجوش ہوگئی کہ اس نے ایک دم کہہ دیا اور جونہی اس کے منہ سے یہ جملہ نکلا اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے جلدی سے کہا۔

''میرا مطلب ہے کہ یہی بہتر ہوگا۔ وہ شخص سب کچھ سمیٹ کر چلا جائے گا اور آپ کو وراثت میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔''

''میں تم کو اپنی زندگی سے دور نہیں کر سکتا۔ تم میری زندگی میں آ چکی ہو اور اب دوری مجھ سے برداشت نہیں ہوگی۔'' منصور متانت سے بولا۔

''میں بھی ایک فیصلہ کر چکی تھی۔'' سائرہ نے اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ کیا فیصلہ تھا۔'' منصور نے پوچھا۔

''شاید آج رات میں اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتی۔ مجھے یہ گوارا نہیں تھا کہ میں آپ سے دور جاؤں۔'' سائرہ نے کچھ توقف کے بعد کہا۔ ''اس لئے میں نے اپنی زندگی کو ختم کرنے کا سوچ لیا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ میں نے ٹھیک وقت پر فیصلہ کیا اور تم اب ایسا قدم نہیں اٹھاؤ گی جو ہم دونوں کی زندگیوں کو برباد کر دے۔'' منصور جلدی سے بولا۔

''جب آپ مجھے اپنے سے دور نہیں کر رہے ہیں تو پھر میں ایسا کیوں کروں گی۔''

سائرہ نے منصور کی طرف دیکھا۔

''اگر تم چلی جاتیں یا کوئی ایسا قدم اٹھا لیتیں تو میں ساری زندگی اپنے آپ کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔'' منصور نے اپنے لہجے میں شدت پیدا کی۔ ''مجھے تم سے شدید محبت ہے۔''

''کیا اب میں مطمئن ہو جاؤں کہ آپ مجھے اپنے سے دور نہیں کریں گی۔'' سائرہ نے ایک بار پھر تصدیق چاہی۔

''اتنا یقین کر لو جتنا تمہیں اپنے آپ پر ہے۔'' منصور پر اعتماد لہجے میں بولا۔

''مجھے اپنے سے کہیں زیادہ آپ پر اعتماد ہے۔''

''میں یہ اعتماد کبھی نہیں ٹوٹنے دوں گا۔''

''ویسے میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟'' سائرہ نے پوچھا۔ ''مجھے بتانا چاہیں گے آپ؟''

''میں وکیل کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ وہی میرے حق کے لئے لڑ سکتا ہے۔''

''وکیل کی فیس کہاں سے ادا ہوگی۔'' سائرہ نے سوال کیا۔

''میں اپنی کار فروخت کر دوں گا۔''

''کار بیچ دی تو آنا جانا کیسے ہوگا؟''

''میرے پاس یہی ایک چیز ہے۔ یہ کار میرے نام ہے۔ جو پیسے ملیں گے اس سے

"وکیل کی فیس ادا ہو جائے گی۔ جب تک اپنی ماں سے اپنا حق لے نہ لوں گا، چین سے نہیں بیٹھوں گا۔" منصور نے کہا۔

سائرہ اس کی بات سن کر خوش ہو گئی۔ "کیا یہ آپ کا پکا فیصلہ ہے۔ پھر ماں کی ممتا تو غالب نہ آ جائے گی؟"

"جو ماں مجھے حق سے محروم کر رہی ہے وہ اب یاد نہیں آئے گی۔" منصور جان گیا تھا کہ سائرہ اپنی تسلی چاہتی ہے اور وہ اس کے دل و دماغ میں اپنی بات کا یقین ایسے بٹھا دینا چاہتا تھا کہ وہ ایک لمحے کے لئے بھی کسی شک اور ابہام میں مبتلا نہ ہو۔

"مجھے ڈر بھی لگتا ہے کہ ایک بیٹا، ماں کے سامنے کھڑا نہ ہو تو اچھا ہے، لیکن آپ کا حق پھر کیسے ملے گا آپ کو۔" سائرہ نے چالاکی سے کہا۔

"سچ تو یہ ہے کہ تمہاری باتوں نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ جو میں سوچ نہیں سکتا تھا تم نے وہ سوچ مجھے دی ہے۔ تمہاری معصومیت نے مجھے جھنجھوڑ دیا ہے۔ تم اندازہ نہیں کر سکتی ہو کہ میرے دل میں اس وقت تمہارے لئے کیا جذبات ہیں۔" منصور اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

سائرہ سر جھکائے اس کی باتیں سنتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ منصور اس کی گرفت میں ہے۔ اس کو ہوش آ چکا ہے جبکہ منصور جو کہہ رہا تھا وہ بھی اپنی جگہ سچ تھا۔

"میری زندگی پر آپ کا قرض ہے۔ آپ نے ہی مجھے جینے کا حوصلہ دیا تھا۔" سائرہ نے کہا۔ "میں آپ کی بھلائی چاہتی ہوں۔"

"تمہارا شکریہ سائرہ۔"

"یہ بات کہہ کر آپ غیروں والی بات کر رہے ہیں۔" سائرہ ہولے سے مسکرائی۔

"تم نے کھانا کھا لیا۔"

"نہیں۔"

"تم اپنے کمرے میں جاؤ، کھانا وہیں بھجوا دیتا ہوں۔"

"آپ کھانا میرے ساتھ نہیں کھائیں گے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کھاؤں گا...... بہت جلد کھاؤں گا لیکن اس وقت جب ہم ایک پلیٹ میں کھانے کے لئے بندھن میں بندھ جائیں گے۔" منصور کی بات سن کر سائرہ سرشار ہو گئی اور شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ کمرے میں جا کر جھومی اور لہرا کر مسکراتے ہوتے بستر پر گر گئی۔ وہ بہت خوش تھی۔ وہ ہوا میں اڑ رہی تھی۔

منصور کچھ دیر بیٹھا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ عارف اسے صحیح وقت پر مل گیا۔ ورنہ وہ اس سے چھٹکارا پانے کے بارے میں شاید سوچتا ہی رہ جاتا۔ اب اسے عارف کی چال کا انتظار تھا۔ اس نے اس کے کہنے کے مطابق اپنا کام کر دیا تھا۔

☆......☆......☆

غصے، جنون اور اظہر حسین کی باتوں میں آ کر زاہدہ بیگم نے منصور کو گھر سے نکال تو دیا تھا لیکن اس کی ممتا اس کو مضطرب کر رہی تھی۔ جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس نے سوچا کہ وہ منصور کے ساتھ اطمینان سے بیٹھ کر بات کر سکتی تھی۔ اسے کچھ کہنے کا موقع دے کر وہ اصل حقیقت کو جان سکتی تھی اور پھر اس کی روشنی میں وہ کوئی فیصلہ کرتی۔

زاہدہ بیگم یہ بھی سوچ رہی تھی کہ آخر منصور کو ایسی کیا مجبوری تھی کہ اس نے چپ چاپ شادی کر لی۔ اس نے اس کے علم میں لانے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

زاہدہ بیگم دو دن سے اداس اور چپ چپ تھی۔ وہ بنگلہ اسے خالی اور ویران دکھائی دینے لگا تھا۔

اظہر حسین اپنے بیٹے عرفان کو کرسی پر بٹھانے کے بعد بہت پرسکون ہو گیا تھا۔ اس کا دل خوش تھا اور عرفان سجا سجایا بزنس پا کر باپ سے بھی زیادہ خوش تھا۔

شام کو جب اظہر حسین، زاہدہ بیگم کی طرف آیا تو زاہدہ بیگم اداس تھی۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ اظہر حسین نے اس کی طرف دیکھا اور پہلی ہی نظر میں جان گیا کہ وہ پریشان ہے۔ زاہدہ بیگم کو بیٹے کی یاد ستانے لگی تھی۔ اظہر حسین نے معنی خیز انداز میں سوچا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد پوچھا۔ "کیا بات ہے، بہت اداس اور چپ چپ ہیں آپ؟"

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔" زاہدہ بیگم نے زبردستی مسکرا کر جواب دیا۔

"ایسی بات ہے تو میں نے پوچھا ہے۔"

"منصور کی یاد آ رہی ہے۔ میں اس پر کچھ زیادہ ہی غصہ ہو گئی تھی۔" زاہدہ بیگم زیادہ دیر اپنے دل کی بات کو مخفی نہیں رکھ سکی۔

"میں نے تو اس وقت آپ کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن آپ کا غصہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔" اظہر حسین نے شاطرانہ انداز میں کہا۔

"میں اس حقیقت کو جان کر اپنے آپ کو قابو نہیں رکھ سکی تھی۔" زاہدہ بیگم نے پہلو بدلا۔

"میرے تن بدن میں جیسے آگ لگ گئی تھی۔"

"بچے ایسا کر ہی لیتے ہیں۔ لیکن ......" اظہر حسین نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

زاہدہ بیگم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "لیکن کیا......؟ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

"خیر چھوڑیں مجھے اچھی سی چائے پلا دیں تو آپ کی نوازش ہو گی۔" اظہر حسین نے چنگاری کو ہوا دی۔

"پلیز جو آپ کہنا چاہتے تھے وہ کہیں......؟" زاہدہ بیگم کی بے چینی دو چند ہو گئی تھی۔

"اگر آپ بضد ہیں تو بتا دیتا ہوں۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ منصور پھنس گیا تھا۔" اظہر حسین نے تیر چھوڑا۔

"پھنس گیا تھا۔ کہاں پھنس گیا تھا؟"

"وہ...... باپ بننے والا تھا۔" اظہر حسین نے جیسے زاہدہ بیگم کے سینے میں نشتر اتار دیا۔

یہ بات سنتے ہی زاہدہ بیگم نے متحیر نگاہوں سے اظہر حسین کی طرف دیکھا۔ "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں......؟"

"میں وہی کہہ رہا ہوں جو مجھے پتہ چلا تھا۔ منصور اس لڑکی کے چکر میں پھنس کر اتنا آگے چلا گیا تھا کہ واپسی ممکن نہیں تھی۔ اسی کے لئے اس نے پچیس ہزار روپے مانگے تھے، اسی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے لئے وہ بزنس کرنا چاہتا تھا اور اسی کے لئے وہ آپ سے الجھا تھا۔"

اظہر حسین کی بات سن کر زاہدہ بیگم دم بخود ہو گئی تھی۔ جس بیٹے کی یاد اسے ستانے لگی تھی، وہ اب یہ سب سن کر نفرت اور غصے میں بدل گئی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ منصور ایسا بھی ہو سکتا ہے۔" زاہدہ بیگم بے یقینی کے انداز میں بولی۔

"آپ جانتی ہیں کہ اس گھر سے میرا تعلق بہت پرانا ہے۔ میں منصور کے مرحوم باپ کا دوست ہوں۔ منصور میری عزت کیا کرتا تھا۔ پھر اچانک ایسا کیا ہو گیا کہ اس نے میری عزت کرنا چھوڑ دی؟ وہ مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتا تھا۔ مجھے نظر انداز کرتا تھا...... آپ نے کبھی سوچا کہ ایسا کیوں ہوتا تھا؟" اظہر حسین نے کہا۔

"کیوں ہوتا تھا؟" زاہدہ بیگم نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی تک حیرت تھی۔

"کیونکہ منصور کے بارے میں مجھے پتہ چل گیا تھا کہ وہ غلط راہوں پر چل نکلا تھا۔ وہ جوا کھیلنے لگا تھا اور بڑی رقم ہار بھی گیا تھا۔"

"آپ کو یہ سب پتہ تھا؟"

"ہاں۔"

"پھر آپ نے کیا کیا؟"

"میں کیا کرتا؟"

"آپ نے مجھے اس کی ہوا بھی لگنے نہیں دی اور منصور کو بگڑنے دیا۔" زاہدہ بیگم کا لہجہ تیز ہو گیا تھا۔

"میں نے پہلے ہی سے کہا تھا کہ آپ پریشان نہ ہوں...... میں نے منصور کو تھانے سے چھڑوا لیا۔ اس کی جب جب میں نے دیے اور اس کو راہ راست پر لانے کی کوشش شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مجھ سے دور ہونے لگا۔" اظہر حسین نے بتایا۔ "میں سب کچھ دیکھتا رہا۔ میں نے سوچا کہ آپ کے ...... آپ سے پہلے وہ سدھر جائے"

"لیکن وہ تو مجھے دوری کی وجہ کچھ اور بتاتا تھا۔"

"وہ کیا وجہ تھی؟"

"وہ کہتا تھا کہ ....." زاہدہ بیگم ایک دم کہتے کہتے رُک گئی۔

"کیا کہتا تھا؟" اظہر حسین نے سوالیہ نگاہوں سے زاہدہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" زاہدہ بیگم کا لہجہ ڈھیلا ہو گیا۔

"میں جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے بتائیں کہ وہ کیا کہتا تھا۔"

"چھوڑیں اس بات کو۔"

"جب میں نے آپ کی بات مان کر آپ کو سب کچھ بتا دیا تو آپ بھی مجھے بتائیں کہ وہ میرے بارے میں کیا کہتا تھا تاکہ مجھے صفائی کا موقع مل جائے۔"

"وہ کہتا تھا کہ اس کے باپ کو قتل آپ نے کرایا ہے۔" زاہدہ بیگم نے اس کے مجبور کرنے پر راز کھول دیا۔

زاہدہ بیگم کی بات سن کر اظہر حسین معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "آپ نے اس کی بات پر یقین کر لیا......؟"

"میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"آپ منصور کو بتا دیتیں کہ اس کے باپ کا قاتل کون ہے۔ کس کے کہنے پر یہ سب ہوا تھا۔ کس کے حکم پر کس کی چاہ پر منصور کے باپ کو زہر کا ٹیکہ لگایا گیا تھا۔" اظہر حسین کا لہجہ سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا تھا۔ زاہدہ بیگم بے چین ہو گئی تھی۔ خوف سے کانپ گئی تھی۔ اظہر حسین کا لہجہ وحشت ناک ہو گیا تھا اور چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"مجھے اس وقت منصور پر غصہ آ رہا ہے۔" زاہدہ بیگم نے اس موضوع کو بدلنا چاہا۔

"بہتر ہے کہ آپ منصور کو بھول جائیں۔ بلکہ میرا مشورہ ہے کہ آپ اس کو اپنے دل سے ہی نکال دیں۔ اس قصے کو ختم کر دیں۔ ہم اپنی زندگی جئیں گے۔" اظہر حسین ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

زاہدہ بیگم نے کچھ اظہر حسین کی طرف دیکھا اور بولی۔ "میں اپنے کمرے میں جا رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔"

زاہدہ بیگم اپنے کمرے میں چلی گئی اور اظہر حسین اس جگہ کھڑا غصے سے اپنے دانتوں کو ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر دباتا رہا۔

☆......☆......☆

راشد مسلسل عارف کی نگاہوں میں تھا۔ آفس سے جانے کے بعد وہ کہاں جاتا ہے، کس جم میں وقت گزارتا ہے اس کے علم میں تھا۔ وہ جم اکیلا ہی جاتا تھا۔ گاڑی خود ڈرائیو کرتا تھا اور گاڑی اس جم سے ملحق ایک پلازے کے تہہ خانے میں کھڑی کرتا تھا۔ اس تہہ خانے کا چوکیدار گیٹ پر موجود ہوتا تھا۔ عارف نے سب کچھ دیکھ لیا تھا اور اس نے منصوبہ بندی کر لی تھی۔

اس کے بعد اس نے منصور کو فون کیا۔ جب دوسری طرف سے منصور نے فون آن کیا تو عارف نے اس سے پوچھا۔ "کیا ویسا ہی ہو رہا ہے جیسا میں نے کہا تھا؟"

"ہاں..... میں نے ایک بار پھر اس کی ہمدردی حاصل کر لی ہے اور اسے یقین دلا دیا ہے کہ میں اس کو کھونا نہیں چاہتا۔" منصور نے بتایا۔

"ٹھیک کر رہے ہو۔ اس سے تمہاری نجات کا میں نے بندوبست کر لیا ہے۔ تم دیکھنا کہ اس سے تمہاری جان کیسے چھوٹتی ہے۔" عارف نے کہا۔

"یہ بہت خطرناک لڑکی ہے۔ بہت چالاک ہے اور مجھے اپنے فریب میں لا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہے۔ مجھے اس لڑکی سے نفرت ہو گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب یہ میری نگاہوں سے دور ہو جائے۔" منصور مضطرب تھا۔ "اس کی موجودگی میرے لئے ذہنی کوفت بننے لگی ہے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم ویسا ہی کرنا جیسا میں کہوں گا۔"

"مجھے بتاؤ کیا کرنا ہے؟"

"یہ میں تم سے ملاقات کے بعد بتاؤں گا اور ہاں تمہارا ملازم کیا مخلص آدمی ہے؟"

"ہاں وہ ایک اچھا آدمی ہے اور کئی سالوں سے ہمارے ساتھ ہے۔" منصور نے بتایا۔

''اس کو بھی کچھ سمجھانا پڑے گا۔تب ہی یہ کھیل ہم اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں۔میں تم سے ملاقات کرتا ہوں۔'' عارف نے فون بند کر دیا اور معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔راشد کے لئے نفرت اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

☆......☆......☆

راشد اپنی نگاہیں اویس حبیب کے چہرے پر مرکوز کئے اس کو ایسے گھور رہا تھا جیسے ملازم سے غلطی ہو جانے پر اس کا مالک اس کو کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتا ہے۔اس کے سامنے براجمان اویس حبیب کچھ سوچ رہا تھا۔

''تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔'' کچھ دیر کے بعد راشد نے اس کو بدستور گھورتے ہوئے کہا۔اس کا لہجہ خشک تھا۔

اویس حبیب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔''تمہارے سوال کا جواب میرے پاس ہوتا تو میں جواب دینے میں دیر نہ لگاتا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ تم نہیں جانتے سمعیہ کہاں ہے۔'' راشد نے کہا۔

''تمہیں شک ہے کہ میں نے سمعیہ کو کہیں خود غائب کر دیا ہے؟''

''پھر وہ کہاں چلی گئی جبکہ تمہارا بڑا اثر ورسوخ ہے۔ہر جگہ تمہارے آدمی کتوں کی طرح پھرتے ہیں اور تم ایک لڑکی کو تلاش نہیں کر سکے۔'' راشد کا لہجہ تیز ہو گیا۔

''راشد اپنا لہجہ دھیما رکھو۔آواز میری بھی بلند ہو سکتی ہے۔'' اویس حبیب نے درشتگی سے اسے خبردار کیا۔

''تم میرے سامنے کیسے بول سکتے ہو۔کیسے اپنی آواز بلند کر سکتے ہو تم۔پچاس لاکھ روپے میں نے تمہارے بزنس میں انویسٹ کئے ہیں۔تمہاری ڈوبتی ہوئی کشتی کو بغیر کسی منافع کے میں نے سہارا دیا ہے۔'' راشد نے بلا تامل کہا۔

اس کی بات سن کر اویس حبیب چپ ہو گیا اور وہ اپنے لہجے کو قابو کرتے ہوئے بولا۔

''پھر بھی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم میرے ساتھ اس طرح بات کرو۔میں خود پریشان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔''

''مجھے تمہارے چہرے سے لگتا نہیں ہے کہ تم پریشان ہو۔'' راشد نے کہا۔

''تو کیا اپنا گریبان چاک کر کے سڑکوں پر نکل جاؤں۔مٹی اپنے سر پر ڈال لوں۔تب لگے گا کہ میں پریشان ہوں۔'' اس بار اویس حبیب کا لہجہ تیز ہو گیا تھا۔

''مجھے لگتا ہے کہ تم میرے ساتھ فریب کر رہے ہو۔میرے پچاس لاکھ روپے ہڑپ کرنا چاہتے ہو۔'' راشد نے اس کی بات کی کوئی پروا نہیں کی۔

''تم اس پچاس لاکھ روپے کے علاوہ بھی میرے ساتھ سرمایہ کاری کرنے والے تھے، فریب کرنا ہوتا تو اس وقت کرتا جب تم کروڑوں کی سرمایہ کاری کر دیتے۔آخر پچاس لاکھ روپے ہی کیوں؟''

''پھر کیا وجہ ہے کہ وہ لڑکی تم سے تلاش نہیں ہو رہی ہے؟''

''میں کوشش کر رہا ہوں۔''

''اویس تم ایک بات بتاؤ۔'' راشد نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا بات؟''

''کیا سمعیہ کو پتہ تھا کہ تم میری اس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟'' راشد نے سوال کیا۔

''تم نے اسے بتایا تھا۔''

''بتانا تو تھا ہی۔'' اویس حبیب نے جواب دیا

''اس کے علاوہ کس کو پتہ تھا کہ ہماری شادی ہو رہی ہے؟ اور کس کو بتایا تھا تم نے......؟'' راشد بولا۔

''اس کے علاوہ میری بیوی جانتی تھی کہ سمعیہ کی شادی تم سے ہو رہی ہے۔'' اویس حبیب سوچ رہا تھا کہ راشد سب کچھ کیوں پوچھ رہا ہے۔

''یاد کرو ان دونوں کے علاوہ تم نے چوتھے آدمی سے بھی شادی کی بات کی تھی۔'' راشد بولا۔

''اور کوئی نہیں جانتا تھا۔میں نے کسی سے بات نہیں کی تھی۔'' اویس حبیب نے سوچنے

کے بعد کہا۔

''اگر مجھے کوئی چوتھا آدمی یہ بتاتا ہے کہ میری شادی سمعیہ نام کی لڑکی سے ہونے والی ہے تو میں کیا سمجھوں۔'' راشد نے کہہ کر اپنی نگاہیں اس کے چہرے پر جمادیں۔

''کیا مطلب ہے؟'' اویس حبیب چونکا۔

''مجھے یہ بات کسی اور نے بھی بتائی تھی۔'' راشد بولا۔ ''اس کے منہ سے یہ باتیں سن کر میں پریشان ہو گیا تھا۔''

''کون ہے وہ؟'' اویس حبیب نے جلدی سے پوچھا۔

''تم اس کو نہیں جانتے ہو گے۔'' راشد اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔ وہ مضطرب تھا اور کچھ سوچ بھی رہا تھا۔

''شاید میں اسے جان جاؤں ۔تم مجھے بتاؤ کہ وہ کون ہے جو ہماری یہ باتیں جانتا ہے اور اس نے تمہیں کیا کہا ہے؟''

''اس نے مجھے سب کچھ بتایا ہے کہ میری شادی کس سے ہونے والی ہے اور اب اس سے نہیں ہوگی۔ وہ تمہاری بہن ہے۔ میں اس کی باتیں سن کر حیران رہ گیا تھا۔'' راشد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کی بات سن کر اویس حبیب کو حیرت ہونے لگی تھی۔ ''وہ کون ہے جو یہ سب جانتا ہے۔ کیا نام ہے اس کا؟''

''تمہارے گھر کا ہی کوئی بھیدی لگتا ہے، لیکن اس سے تمہارا بھلا کیا تعلق؟'' راشد نے خود ہی اپنی بات کو رد کر دیا۔

''کیا تم مجھے اس کا نام بتاؤ گے۔'' اویس حبیب کی بے چینی بہت بڑھ گئی تھی۔

راشد نے سر مارتے ہوئے کہا۔ ''اس کا نام عارف ہے۔''

''عارف حمید......؟'' اویس حبیب نے چونک کر اس کا پورا نام دہرایا۔ وہ اس بات کا انتظار کر رہا تھا کہ وہ اس بات کی تصدیق کر دے۔

''تم جانتے ہو اسے؟'' اس کے منہ سے عارف کا پورا نام سن کر وہ ایک دم چونکا اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سوالیہ نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''کہاں ملا تھا وہ تمہیں؟ مجھے اس کا پتہ بتاؤ۔'' اویس حبیب بے چین ہو گیا۔

''تم اسے کیسے جانتے ہو؟''

''میرا کچھ قرض ہے اس پر۔ مجھے وہ وصول کرنا ہے۔'' اویس حبیب کے لہجے میں بدستور بے تابی تھی۔

''کیسا قرض۔ میں جاننا چاہتا ہوں۔ کیونکہ دشمن وہ میرا بھی ہے۔'' راشد نے کہا۔

''کچھ معاملہ میرا بھی ہے۔''

''مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کہاں مل سکتا ہے۔ مجھے اس کی شدید تلاش تھی۔'' اویس حبیب اپنی جگہ سے اٹھا۔

''اگر ایسی بات ہے تو میں تمہیں اس تک لے جاتا ہوں، لیکن ایک وعدہ کرو کہ اس عارف کو تم ایسا مزہ چکھاؤ گے کہ وہ زندگی کی بھیک مانگنے کے لئے میرے پیروں میں گر جائے۔'' راشد دانت پیس کر بولا۔ ''تم کچھ ایسی منصوبہ بندی کرو کہ وہ مجھے مدد کے لئے پکارنے پر مجبور ہو جائے۔''

''میں اس کا اس سے بھی برا حال کروں گا۔ تم مجھے اس کے پاس لے جاؤ۔'' اویس حبیب نے غصے سے ہاتھ میز پر مارا۔

''وہ میری نگاہوں میں ہے۔ آج مجھے کچھ ضروری کام ہے۔ کل میں تمہیں اس کے پاس لے جاؤں گا۔''

''اگر وہ بھاگ گیا تو؟''

''وہ بھاگ نہیں سکتا۔ کیونکہ اس نے بزنس شروع کیا ہوا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ اس کے پاس پیسہ کہاں سے آیا؟''

''مجھے مل جائے پھر وہ خود بتائے گا کہ اس کے پاس پیسہ کہاں سے آیا تھا۔'' اویس حبیب کی آنکھوں میں وحشت اتر آئی تھی۔ ''شکار اگر جال میں ہے تو ٹھیک ہے، میں کل تک انتظار کر لیتا ہوں۔''

"وہ جال میں ہی نہیں بلکہ میری مٹھی میں بھی ہے۔" راشد نے بڑے یقین سے کہا۔

☆......☆......☆

سمعیہ نے اپنی نگاہیں اٹھا کر عارف کی طرف دیکھا اور پیار بھرے انداز میں پوچھا۔

"آپ میری طرف کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"دیکھ رہا ہوں کہ ہم کتنی جلدی ایک ہو گئے۔ میں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔" عارف نے کہا۔

"آپ کی سوچ کیا ابھی اسی جگہ رکی ہوئی ہے۔" سمعیہ بولی۔

"کیا تم ایسا نہیں سوچتی ہو......؟" عارف نے پوچھا۔

"مجھے ایسا سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔" سمعیہ آہستہ سے مسکرائی۔

"کیوں؟" عارف بھی زیرلب مسکرایا۔

"کیونکہ میرا دل مطمئن ہے اور مجھے اپنے فیصلے پر کوئی پچھتاوا اور پریشانی نہیں ہے۔" سمعیہ نے کہا۔ "مجھے لگتا ہے جیسے میں بیگار کیمپ سے بھاگ کر آزادی کی طرف آ گئی ہوں۔"

"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میری شادی اس طرح ہو گی۔ قسمت کا کھیل عجیب ہوتا ہے۔"

"جو جیسے مقدر میں لکھا ہوتا ہے ویسا ہی ہوتا ہے۔"

کچھ توقف کے بعد عارف نے کہا۔ "میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا سمعیہ۔ کیونکہ تم میری بیوی اور میری زندگی کی ہم سفر ہو۔ تم سے شادی کرنے کی دو وجہ تھیں۔"

"وہ وجہ کیا تھیں؟" سمعیہ نے پوچھا۔

"جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو میرے دل میں ایسی ہلچل مچی تھی جیسے صحرا کی زمین بارش کے قطرے گرنے سے سیراب ہو جائے۔ میرے دل میں تم بس گئی تھیں۔ میری سوچوں میں تمہارا ہی راج تھا۔"

سمعیہ اس کی بات سن کر مسکرائی۔ "آپ نے یہ بات شادی سے پہلے مجھے نہیں بتائی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تب بات کرنے کا موقع ہی کب ملا تھا۔"

"موقع تراش لیتے۔"

"حالات نے ایسا موقع ہی نہیں دیا۔"

"اور دوسری وجہ کیا تھی......؟" سمعیہ نے جاننا چاہا۔

"دوسری وجہ تمہارا بھائی تھا۔" عارف بولا۔

"میں نہیں سمجھی؟" سمعیہ کو حیرت ہو رہی تھی۔

"میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ ساری دنیا سے چھپا سکتا ہوں لیکن تم سے نہیں کیونکہ تم میری ہم قدم ہو۔ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ تم میری زندگی کا حصہ ہو۔"

عارف نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں جاننا چاہتی ہوں۔" سمعیہ پھر بولی۔

اس کے بعد عارف نے اپنی زندگی کے وہ اوراق پڑھنے شروع کر دیئے جو راشد سے شروع ہو کر اس کی شادی تک منتج ہوتے تھے۔ اس کے باپ کا انتقال کیسے ہوا، راشد کے ماں، باپ نے کیا کہا اور پھر ماں اسے کیسے چھوڑ کر چلی گئی۔ اولیں حبیب سے کیسے ملاقات ہوئی اور اس کے بعد اس نے اپنی زندگی بدلنے کے لئے کیا کیا...... عارف نے کچھ بھی مخفی نہیں رکھا۔ سب کچھ اس نے سمعیہ کو بتا دیا۔

سمعیہ اس کی بات غور سے سنتی رہی۔ اس کو حیرت ہو رہی تھی۔ عارف کے ماں باپ کی جدائی پر افسوس بھی ہو رہا تھا۔ جب عارف سب کچھ بتا کر چپ ہو گیا تو بھی سمعیہ اس کی طرف دیکھتی رہی۔ کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ عارف نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا تھا۔ اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا۔ ماں اور باپ کی یاد اور دلنواز کی باتوں نے اس کے جذبات کو پھر چھیڑ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پانی اتر آیا تھا، جو اس نے پلکوں سے آگے نہیں بہنے دیا تھا۔

"تم کچھ کہو گی نہیں؟" کچھ دیر کے بعد عارف نے پوچھا۔

"کیا کہوں؟" سمعیہ نے آہستہ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"جو تمہارے دل میں ہے وہ کہو۔ کچھ بھی کہو۔ کوئی بھی بات۔" عارف نے کہا۔

"ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔" سمعیہ کچھ سوچنے کے بعد بولی۔

"پوچھو" عارف نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"مجھے دیکھ کر جو محبت میرے لئے آپ کے دل میں جاگی تھی، اسے کب جڑ سے اُکھاڑ کر آپ نے مجھے ڈھال کے طور پر استعمال کرنے کے لئے سوچا۔ کب میں آپ کے کام کی چیز بنی اور کب مجھے آپ نے دل سے نکالا ...؟ میں یہ جاننا چاہتی ہوں۔" سمعیہ نے پوچھا۔

"میں نے تم سے محبت کی تھی، کوئی کھیل نہیں کھیلا تھا کہ اسے اکھاڑ کر پھینک دیتا۔" عارف بولا۔

"پھر میں آپ کے کام کی چیز کیسے بن گئی؟"

"میں نے تم کو استعمال نہیں کیا۔" عارف بولا۔

وہ طنزیہ مسکرائی۔ "جس شخص سے بچ رہے تھے اس کی بہن کو ڈھال بنا کر آپ نے استعمال ہی تو کیا ہے۔"

"ایسا نہیں ہے۔"

"تو پھر......؟"

"سچ یہ ہے کہ میں نے تمہاری محبت اپنے دل سے نکالی ہی نہیں۔ تمہاری محبت میرے دل میں آج بھی ہے اور پہلے سے زیادہ ہے۔ میں نے ایسا ضرور سوچا تھا کہ تم سے شادی کر لوں گا تو تمہارا بھائی جو میرا دشمن بنا ہوا ہے وہ اپنی بہن کی خاطر میرے راستے سے ہٹ جائے گا۔" عارف نے کہا۔

"کاش آپ یہ نہ سوچتے اور مجھ سے شادی مجھ سے محبت کی وجہ سے ہی کرتے۔" سمعیہ کو اس کی یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔

"میں مانتا ہوں کہ میں نے ایسا سوچا، لیکن تم سے محبت کم نہیں ہوئی۔" عارف زور دے کر بولا۔

"محبت کے انبار میں جب مفاد کا ایک ذرہ آ جائے تو وہ محبت پر بھاری ہو جاتا ہے۔" سمعیہ نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"لیکن میں نے ایسا ہونے نہیں دیا۔" عارف نے نفی میں گردن ہلائی۔

"فراڈ اور فریب سے حاصل کئے ہوئے پیسے سے یہ بنیاد کھڑی کر کے آپ نے مجھے اس محل میں بٹھا دیا، کیا مجھے آپ حلال نہیں کھلا سکتے تھے۔"

"یہ میرا انتقام ہے۔ میں نے یہ سب اپنے انتقام میں کیا تھا۔ مجھے ایک مقام کی ضرورت تھی۔ ان سے لڑنے کے لئے مجھے طاقت چاہئے تھی۔" عارف نے کہا۔

"اور آپ نے اس کے لئے ناجائز راستہ اختیار کر لیا؟" سمعیہ بولی۔

"جس پلاٹ کو میں نے نوشین سے لے کر فروخت کر کے پیسہ حاصل کیا، وہ بھی تو اس نے ناجائز ہی اپنے نام کروایا ہوا تھا۔" عارف کھڑا ہو گیا۔

"لیکن مجھے یہ اچھا نہیں لگا۔"

"مجھے سچ کی سزا یہ مت دو کہ تم ناراض ہو جاؤ۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ دلنواز سے اپنا انتقام لے کر وہ پیسہ جو میں نے نوشین سے حاصل کیا وہ ضرورت مندوں میں بانٹ دوں گا۔"

"کیا آپ انتقام کا خیال اپنے دل سے نکال نہیں سکتے؟"

"ان کی وجہ سے میرا باپ اور پھر میری ماں مجھ سے جدا ہوئی ہے۔" عارف تڑپ کر بولا۔ "میرے باپ کو ہمارے ہی گھر میں انہوں نے بے عزت کیا تھا۔ میری ماں کے سر سے اس کے بیٹے نے چھت چھیننے کی کوشش کی تھی۔ کیا ان کو چھوڑ دوں۔"

"خدا تو سب دیکھ رہا ہے۔"

"تم مجھے اتنا اختیار دے دو کہ میں ان سے اپنا انتقام خود لے سکوں۔" عارف بولا۔

"میرے پاس کیا اختیار ہے؟" سمعیہ نے کہا۔

"پلیز مجھے اس کے لئے مجبور مت کرو۔ دیکھو میں نے کچھ نہیں چھپایا۔ سب کچھ بتا دیا ہے۔ مجھے اپنا کام کر لینے دو۔"

"اور اگر آپ کو کچھ ہو گیا تو؟" سمعیہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"مجھے کچھ نہیں ہوگا۔ میں اپنا کام کرنا جانتا ہوں جو کروں گا خود کو ایسے بچا کر کروں گا

کہ میرے کچھ کرنے کا شک بھی نہیں گزرے گا۔ پلیز اپنا دل صاف کر لو۔"

عارف اٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "میں نے دلنواز اور اس کے بیٹے کو عرش سے زمین پر لا کر یہ احساس دلانا ہے کہ اس زمین پر بسنے والا غریب بھی عزت رکھتا ہے۔ اس کے سینے میں بھی دل دھڑکتا ہے، وہ بھی عزت کا مستحق ہوتا ہے۔"

سمعیہ چپ رہی۔ وہ سوچتی رہی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے عارف کی ماں کا چہرہ آ گیا۔ کس اپنائیت سے اس نے سمعیہ سے باتیں کی تھیں۔ کیسا مسکراتا چہرہ تھا اور باتوں میں کیسی سادگی تھی۔ ان کے دل میں عارف کے لئے کتنی محبت تھی۔ سمعیہ سوچنے لگی۔

چند لمحوں اس نے عارف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر اس انتقام میں میرے عارف کو کچھ ہوا تو میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔" سمعیہ اتنا کہہ کر وہاں سے چلی گئی جبکہ عارف کھڑا رہا۔

○○○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

......

شام کے سائے رفتہ رفتہ پھیل رہے تھے۔ منصور کے فارم ہاؤس سے کچھ فاصلے پر ایک کار رکی۔ اس کے اندر سے عارف نکلا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا اور فارم ہاؤس کی طرف چل پڑا۔ جونہی وہ فارم ہاؤس کے گیٹ کے پاس پہنچا تو اسی اثنا میں کار کا دروازہ ایک بار پھر کھلا اور ایک نوجوان جس نے جینز کے ساتھ جیکٹ زیب تن کی ہوئی تھی، باہر نکل کر عارف کے پاس پہنچ گیا۔

عارف نے گیٹ کو تھوڑا سا اندر کی جانب دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ دونوں اندر چلے گئے اور گیٹ بند کر دیا۔ اندر خاموشی تھی۔ کسی نے کشادہ گیراج کی کوئی لائٹ بھی نہیں جلائی تھی۔

عارف نے نوجوان کو اشارہ کیا۔ وہ نوجوان فارم ہاؤس کا گیٹ پورا کھول کر کار کی طرف چلا گیا جبکہ عارف مین دروازے سے اندر چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد اس نوجوان نے کار گیراج میں کھڑی کر دی۔ اس نے کار کو یہاں تک لاتے ہوئے اس کی ہیڈ لائٹس روشن نہیں کی تھیں پھر اس نے گیٹ بند کیا اور وہ بھی مین دروازے سے اندر چلا گیا۔ دونوں نے اس سارے عمل میں اپنے قدموں کی خفیف آواز بھی پیدا نہیں ہونے دی تھی۔

جونہی عارف اندر گیا تھا تو منصور ایک طرف سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا اور اس کو بتایا کہ سائرہ اوپر اپنے کمرے میں ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ اس کمرے کی لوکیشن

کیا ہے۔ یہ بتا کر منصور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ یہ ہدایت عارف نے ہی اس کو دی
تھی تا کہ اس کے ساتھ آنے والے نوجوان کو یہ علم نہ ہو سکے کہ کوئی مرد بھی یہاں موجود
ہے۔ وہ منصور کو اس سے مخفی رکھنا چاہتا تھا۔

جب نوجوان اس جگہ پہنچا تو عارف نے اس کو اشارہ کیا اور دونوں نے نقاب اپنے
اپنے چہرے پر چڑھا لئے۔ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلے گئے۔ کمرے کے ایک
دروازے کے باہر کوڑا وغیرہ ڈالنے والی باسکٹ رکھی ہوئی تھی جو منصور نے اس لئے رکھی تھی
کہ عارف کو پہچاننے کی آسانی رہے کہ سائرہ اس کمرے میں ہے۔ مقصد یہ تھا کہ وقت
ضائع نہ ہو اور کام جلدی ہو جائے۔

عارف نے وہ ٹوکری ایک طرف رکھ دی اور اپنے ساتھی کو ہوشیار رہنے کا اشارہ
کرتے ہوئے دروازے پر دستک دی۔

سائرہ کمرے میں موجود تھی۔ اس نے ہلکا میک اپ کیا ہوا تھا۔ وقت مقررہ سے قبل
منصور نے سائرہ سے کہا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں جائے، وہ بھی کچھ دیر کے بعد وہاں آ رہا
ہے۔ اس کی بات سن کر سائرہ آہستہ سے مسکرائی تھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

جونہی دروازے پر دستک ہوئی، سائرہ جان گئی کہ یہ منصور ہے۔

''دروازہ کھلا ہے۔'' سائرہ یہ کہتی ہوئی سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ دوسری
طرف تھا۔ کمرے میں زیرو پاور کا بلب روشن تھا۔

کمرے کا دروازہ کھلا اور عارف اندر آ گیا۔ اس نے سائرہ کی طرف دیکھا۔ اس کا
چہرہ دوسری طرف تھا۔ عارف چلتا ہوا اس کے پیچھے کھڑا ہو گیا جبکہ نوجوان ساتھی
دروازے پر ہی رک گیا تھا۔

''آ گئے منصور......؟'' کچھ دیر کے بعد سائرہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''میں منصور نہیں ہوں۔'' عارف نے اپنا لہجہ بدل کر کہا۔ اس کی آواز سنتے ہی
سائرہ ایک دم چونکی اور اس نے گردن گھما کر اپنے عقب میں دیکھا۔ ایک نقاب پوش کو
اپنے پیچھے کھڑا دیکھ کر وہ ڈر کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی اور وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بار بار دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''کون ہو تم......؟'' سائرہ نے خوف زدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔ ''اس گھر کے اندر
کیسے آئے ہو تم......؟''

''تمہارے دوست کو نیچے رسیوں سے باندھ دیا ہے، میں تمہاری تلاش میں تھا۔
آخر تم مجھے مل ہی گئیں۔'' عارف اسی انداز میں بولا۔

''کون ہو تم...... کون ہو؟'' سائرہ چلائی اور اس کی نگاہ دروازے پر کھڑے
دوسرے نقاب پوش پر بھی تھی جس سے اس کا خوف مزید بڑھ گیا تھا۔

''یہ بھی پتہ چل جائے گا کہ میں کون ہوں۔'' عارف بولا۔

تم وقت ضائع کر رہے ہو راشد!'' اچانک دروازے پر کھڑا نوجوان بولا۔ اس کا
لہجہ تیز تھا۔

ایک دم عارف اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ''میرا نام کیوں لے رہے ہو؟''

''تم جلدی کرو اور باتوں میں وقت ضائع مت کرو۔'' وہ نوجوان منصوبہ بندی کے
تحت اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''بولتے ہوئے سوچ لیا کرو تم!'' عارف نے اس کو ڈانٹا۔ دونوں ہی ڈرامہ کر رہے
تھے۔

''چلو چھوڑو اس بات کو اور اپنا کام کرو، تمہارا نام منہ سے غلطی سے نکل گیا تھا۔''
اس کے ساتھی نے نادم ہوتے ہوئے کہا۔

''سمجھ میں نہیں آتا تم کو کب سمجھ آئے گی؟'' عارف یہ کہتا ہوا ایک بار پھر گھوما۔

دونوں ایک ساتھ سائرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ اپنی جگہ گھبرائی ہوئی پریشان
براجمان تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ دنوں کون ہیں اور کیوں اس کی تلاش میں
تھے۔ وہ مدد کے لئے بھی نہیں پکار سکتی تھی کیوں کہ وہ بتا چکا تھا کہ اس نے منصور کو نیچے
باندھ دیا ہے۔ اگر منصور کو انہوں نے قابو کر لیا تھا تو اس فارم ہاؤس کے خدمت گار بابا کو تو
انہوں نے سب سے پہلے قابو کیا ہوگا۔

"تم کون ہو......؟" ایک بار پھر سائرہ نے پوچھا۔

"یہ جاننا ضروری نہیں ہے، جب تم میرا چہرہ دیکھو گی تو بتا دوں گا کہ میں کون ہوں اور کیوں تمہاری تلاش میں تھا۔" عارف اس کی طرف بڑھا۔ "بس اتنا جان لو کہ جب سے تم کو دیکھا تھا، تمہارا دیوانہ ہو کر پاگلوں کی طرح تلاش کر رہا تھا۔"

"مجھے جانے دو۔" سائرہ چیخی۔

"کیسے جانے دوں۔ تمہاری تلاش میں کہاں کہاں نہیں گیا میں۔ تمہیں میرے ساتھ جانا ہوگا۔ تم کو ایک نظر دیکھا اور پھر تمہارے عشق میں پاگل ہو گیا، تمہیں ہر جگہ تلاش کیا اور تم اس عاشق کے ساتھ یہاں چھپ کر بیٹھی ہوئی ہو، دولت میرے پاس بھی ہے، شہر کا بڑا بزنس مین ہوں۔" عارف بولا۔

"تم پھر وقت ضائع کر رہے ہو۔ ہم کوئی پیشہ ور یہ کام کرنے والے نہیں ہیں، تمہارے اس عشق کی وجہ سے میں نے بھی نقاب پہنا ہوا ہے، جلدی کرو۔" نوجوان نے پھر مداخلت کی۔ وہ عارف کی دی ہوئی ہدایت کے مطابق کام کر رہا تھا۔

"نکالو۔" عارف نے نوجوان سے کہا۔

اس نوجوان نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکالی اور پھر رومال نکال کر اس پر شیشی میں موجود کوئی چیز اس پر ڈالی اور عارف کی طرف وہ رومال بڑھا دیا۔

سائرہ سمجھ گئی کہ وہ دونوں اس کو بے ہوش کرنا چاہتے ہیں۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بھاگی۔ نوجوان نے اس کو پکڑنا چاہا لیکن سائرہ نے اتنی زور سے اس کو دھکا دیا کہ وہ ایک طرف گر گیا اور سائرہ کمرے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف دوڑی۔

وہ دونوں اس کے پیچھے بھاگے۔ سائرہ تیزی سے سیڑھیاں نیچے اترنے لگی۔ وہ پکار بھی رہی تھی۔ "منصور...... منصور......!"

منصور ایک طرف چھپ کر کھڑا تھا۔ اس نے سائرہ کو اس طرح سے بھاگتے ہوئے دیکھا تو پریشان ہو گیا۔ اس کے پیچھے عارف اور نوجوان بھی آ گئے تھے۔

سائرہ کا رخ مین دروازے کی طرف تھا۔ منصور نے دروازہ لاک کیا ہوا تھا۔ سائرہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دروازے کو عجلت سے کھولنے لگی۔ اسی اثنا میں عارف اس کے سر پر پہنچ گیا اور اس نے پیچھے سے اس کے منہ پر رومال رکھ دیا۔

اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے سائرہ نے مزاحمت کی لیکن عارف کی گرفت مضبوط تھی۔ کچھ دیر کے بعد سائرہ اس کے ہاتھوں میں بے ہوش ہو کر جھول گئی۔ منصور اپنی جگہ جما ہوا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ عارف نے اس کو منع کیا تھا کہ وہ اس کے ساتھی کے سامنے نہیں آئے گا۔

عارف اور اس کے ساتھی نے سائرہ کو اٹھایا اور اپنی کار کی ڈگی میں لٹا دیا۔ اس کے بعد دونوں نے اپنے اپنے نقاب اتارے اور گیٹ کھول کر کار باہر نکال لی۔ نوجوان نے گیٹ بند کر دیا۔ کار تیزی سے دوڑنے لگی۔

عارف کار چلاتا ہوا سیدھا اس پلازے کے تہ خانے میں آ گیا جو کار پارکنگ میں بنایا ہوا تھا۔ اس وقت بھی وہاں بہت سی کاریں موجود تھیں۔ چھت پر لگی ٹیوب لائٹس کہیں کہیں روشن تھیں، پوری طرح سے وہ جگہ روشن نہیں تھی، گیٹ پر چوکیدار مستعد کھڑا تھا۔

عارف نے کار ایک طرف کھڑی کر دی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ راشد کی کار وہاں موجود ہے۔ عارف نے نوجوان کو اس کار کی طرف اشارہ کیا۔ نوجوان باہر نکلا اور اس کار کی ڈگی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ اس وقت اس جگہ کوئی موجود نہیں تھا۔ اس نے اپنی جیب سے تار نکالا اور کار کی ڈگی کے قفل میں ڈال کر گھمانے لگا، کچھ دیر کے بعد کار کی ڈگی کھل گئی۔ اس نے عارف کی جانب دیکھ کر اشارہ کیا اور کار کے پاس چلا گیا۔

کار سے باہر نکل کر عارف نے اچھی طرح سے اطمینان کیا کہ کوئی موجود تو نہیں ہے پھر دونوں اپنی کار کی ڈگی کی طرف بڑھے اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی کار کی ڈگی اٹھاتے، ایک کار تیزی سے اندر آئی۔ دونوں اس کو دیکھ کر آپس میں باتیں کرنے لگے۔

کار ایک طرف کھڑی کرنے کے بعد اس کے اندر سے ایک آدمی ٹریک سوٹ میں باہر نکلا اور تیزی سے چلتا ہوا باہر چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی دونوں نے سائرہ کو پکڑ کر اپنی کار کی ڈگی سے نکال کر راشد کی کار کی ڈگی میں ڈالا اور ڈگی کو بالکل بند نہیں کیا۔ دونوں پھر اپنی کار کے پاس کھڑے ہوگئے۔ عارف نے جیب سے کچھ نوٹ نکال کر نوجوان کی طرف بڑھا دیئے۔

''تمہارا کام ختم، تم جاؤ۔''

اس نے نوٹ پکڑ کر جیب میں ڈالے اور بولا۔'' آئندہ بھی کوئی کام ہو تو یاد کرنا۔''

''ہاں تم جاؤ۔'' عارف کہہ کر اپنی کار میں بیٹھ گیا اور وہ نوجوان تیزی سے اس تہہ خانے سے باہر نکل گیا۔

عارف نے گھڑی پر وقت دیکھا۔ راشد کے آنے کا وقت ہو چکا تھا۔ کچھ دیر اسی طرح گزر گئی اور پھر راشد اسے آتا ہوا دکھائی دیا۔ راشد نے اپنی کار کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھتے ہی کار اس جگہ سے نکال کر باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی عارف نے اپنا موبائل فون نکالا۔ اس موبائل فون کی سم کارڈ اس کے نام پر نہیں تھی۔ اس نے ایک نمبر ملایا اور موبائل فون اپنے کان کو لگا لیا۔

☆......☆.....☆

راشد کی کار سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کی کار کی ڈگی میں ایک لڑکی بے ہوش پڑی ہوئی ہے۔ وہ مزے سے کار چلاتا ہوا جا رہا تھا۔ ایک سڑک پر پولیس وین کھڑی تھی۔ ایک سپاہی نے راشد کو کار روکنے کا اشارہ کیا۔ راشد نے کار ایک طرف کر کے روک دی۔

پولیس نے کار کا نمبر دیکھا اور ایک سپاہی نے راشد کے پاس جا کر کہا۔'' آپ باہر آ جائیں۔''

''کیوں......؟'' راشد نے پوچھا۔

آپ کی کار کی تلاشی لینی ہے۔'' سپاہی نے کہا۔

''میری کار میں کیا ہے جو آپ نے تلاشی لینی ہے؟'' راشد کو حیرت ہوئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''مجھے جلدی ہے، مجھے جانے دو۔''

''ایک منٹ آپ باہر آئیں گے؟'' سپاہی کوشش کر رہا تھا کہ اس کا لہجہ درشت نہ ہو اور وہ تمیز کے دائرے میں ہی رہ کر اس سے بات کرے۔

راشد کار سے باہر نکل آیا۔ پولیس اس کی کار کی تلاشی لینے لگی اور کار کی ڈگی کھول دی جو مقفل نہیں تھی۔

''ادھر آ جائیں۔'' اس سپاہی نے اپنے ساتھیوں کو متوجہ کیا۔ سب اس کی طرف بڑھے اور انہوں نے ایک لڑکی کو اس کی کار کی ڈگی میں دیکھا تو جلدی سے ایک سپاہی نے لڑکی کے ناک کے پاس اپنا ہاتھ لے کر اس کی چلتی ہوئی سانس محسوس کرنے کی کوشش کی۔

راشد ان سے الگ ایک طرف کھڑا تھا۔ وہ حیران تھا کہ یہ سب اس کی کار کی ڈگی میں کیا دیکھ رہے ہیں۔

''یہ لڑکی کون ہے؟'' ایک سپاہی نے راشد سے درشت لہجے میں پوچھا۔ اس کی بات سن کر راشد کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ تیزی سے ڈگی کی طرف بڑھا۔ جونہی اس کی نگاہ اس کی کار کی ڈگی میں موجود ایک لڑکی پر پڑی، اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''یہ......لڑکی......'' راشد کے منہ سے نکلا۔

''لڑکی اغواء کر کے لے جا رہے تھے، کون ہے یہ لڑکی......؟'' پولیس والا اب اپنے اصل روپ میں آ گیا تھا۔

''میں نہیں جانتا۔'' راشد نے نفی میں گردن ہلائی۔ وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔

''کار تمہاری ہے......؟'' پولیس والے نے پوچھا۔

''کار تو میری ہے۔'' راشد نے جواب دیا۔

''کار تم ہی چلا رہے تھے؟'' وہ اس کو گھور کر بولا۔

''ہاں!'' راشد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی حیرت اس کے چہرے پر براجمان تھی۔

''اس کے باوجود کہہ رہے ہو کہ میں نہیں جانتا کہ یہ لڑکی کون ہے؟'' پولیس والا

گر جا۔ راشد کے منہ سے کوئی بات نہیں نکل رہی تھی۔ وہ گھبرا گیا تھا۔ پولیس نے اس کی کار اپنے قبضے میں لی اور اس کو اپنی وین میں سوار کرالیا۔ لوگ اس جگہ جمع ہو گئے تھے۔ کچھ دیر بعد پولیس وین چل دی۔ اس کی کار کو ایک پولیس والا چلا کر لے گیا۔

ان سے کچھ ہی فاصلے پر عارف اپنی کار میں موجود سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ راشد کا پیچھا کر کے اس جگہ تک پہنچا تھا۔ پولیس کو اس نے ہی اطلاع دی تھی کہ فلاں نمبر کی کار کی ڈگی میں ایک لڑکی کو اغواء کر کے لے جایا جا رہا ہے۔ اس اطلاع کو وائرلیس پر پورے شہر میں پھیلا دیا گیا تھا اور راشد کیونکہ اس بات سے بے خبر تھا اس لئے وہ آسانی کے ساتھ پولیس کے ہتھے چڑھ گیا۔

☆......☆......☆

پولیس اسٹیشن میں راشد بہت پریشان تھا۔ سائرہ کو اسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ وہاں ڈاکٹر نے اس کو ہوش میں لانے کے لئے علاج شروع کر دیا تھا جبکہ راشد سے پوچھ گچھ شروع ہو چکی تھی۔

جو تھانیدار راشد کو پولیس اسٹیشن تک لایا تھا، وہ رشوت لینے میں مشہور تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ ایک راشی تھانیدار ہے، پیسے کو دیکھ کر وہ ایسے پگھل جاتا ہے جیسے موم دھوپ کی تپش میں پگھل جاتی ہے۔ اس نے راشد اور اس کی کار سے یہ اندازہ تو لگا لیا تھا کہ وہ کسی بڑے گھر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس تھانیدار کا نام نذیر جٹ تھا۔ وہ رشوت لینے کا کام اس ہوشیاری سے کرتا تھا کہ بدنام ہونے کے باوجود وہ کوئی نشان نہیں چھوڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اب تک گرفت میں نہیں آیا تھا۔

''یہ لڑکی کون ہے؟'' نذیر جٹ نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے پریشان راشد سے پوچھا۔ وہ دل ہی دل میں حساب بھی لگا رہا تھا کہ اس سے اگر وہ ڈیل کرے تو کتنے میں ہونی چاہئے۔

''مجھے علم نہیں ہے، میں خود حیران ہوں کہ یہ لڑکی میری ڈگی میں کیسے آئی۔'' راشد

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کہا۔

نذیر جٹ اس کی بات سن کر مسکرایا۔ ''اتنے بھولے نظر تو نہیں آتے جتنے بن رہے ہو، سیدھی بات کرو۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں، میں ایک بڑے بزنس مین کا بیٹا ہوں۔'' راشد نے اپنا تعارف کرانا چاہا۔

نذیر جٹ نے جلدی سے بات کاٹ دی۔ ''بڑے بزنس مین کے بیٹے......! امیر لوگوں کی اولادیں ہی تو ایسے چونچلے کرتی ہیں، اس لئے تم مجھے سچ بتا دو، اس میں ہم دونوں کا بھلا ہو سکتا ہے۔''

''میں ان امیرزادوں میں سے نہیں ہوں۔'' راشد اس کا اشارہ سمجھ نہیں سکا تھا۔

''اسی لئے تو لڑکی ڈگی سے برآمد ہوئی ہے کیونکہ تم ویسے نہیں ہو۔'' نذیر جٹ تمسخر سے ہنسا۔ ''تم لڑکی کو اس کی مرضی کے خلاف لے جا رہے تھے۔''

''میں اپنے وکیل سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' راشد بولا۔

''اس کی ابھی اجازت نہیں ہے۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ ابھی لڑکی کا بیان لینا ہے۔'' نذیر جٹ نے کہا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ راشد کو حوالات میں بند کر دیں۔

نذیر جٹ دیکھنا چاہتا تھا کہ لڑکی کیا بیان دیتی ہے اور اس کے بعد اس کی مٹھی کتنی گرم ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس نے راشد کو فی الحال کسی سے رابطہ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

سائرہ کو ہوش آ گیا تھا۔ اس نے بیان دیا کہ وہ اپنے گھر میں تھی کہ دو نقاب پوش آئے اور اس کے منہ پر رومال رکھ کر اسے بے ہوش کر دیا۔ بے ہوشی سے پہلے دونوں میں سے ایک نے دوسرے کا نام راشد لیا تھا۔

نذیر جٹ پہلے ہی راشد سے اس کا نام پوچھ چکا تھا۔ یہ بات تو ثابت ہو گئی تھی کہ

اس کو اغواء کرنے والا وہی ہے۔ اس کے بعد نذیر جٹ نے سائرہ کو اجازت دی کہ وہ اپنے گھر والوں کو یہاں بلا سکتی ہے۔

ایک گھنٹے کے بعد سائرہ کی آنٹی پروین جب اسپتال میں پہنچی تو نذیر جٹ اس کو دیکھتے ہی چونک پڑا۔ پروین بھی نذیر جٹ کو دیکھ ٹھٹک گئی تھی۔

ایک سال قبل جب پروین کی رہائش شیخوپورہ میں تھی تو نذیر جٹ اس جگہ ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا۔ ایک بار اس کی ملاقات پروین سے ہوئی تھی اور وہ اس کے حسن کا دیوانہ ہو گیا تھا۔ پروین نے جتنا نذیر جٹ سے کام لینا تھا، وہ لیا اور پھر وہ شہر چھوڑ کر اس شہر میں آ گئی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ نذیر جٹ اس شہر میں تعینات ہو جائے گا اور یوں اچانک اس سے سامنا بھی ہو جائے گا جس سے وہ جان چھڑا کر بھاگی تھی۔ وہ ایک بار پھر سامنے موجود تھا۔

نذیر کا دل ابھی تک اس عشق کا ڈھواں دے رہا تھا۔ پروین کو دیکھتے ہی اس کے دل کے تار ایک بار پھر بجے، پروین شاطر عورت تھی۔ اس نے نذیر کی خیریت اس طرح پوچھی جیسے اس کا خیال ایک پل کے لئے بھی دل سے نہیں نکالا تھا۔ اس کے بعد وہ سائرہ کے پاس گئی۔ نذیر جٹ ایک بار پھر پروین کو اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھ کر خوشگوار حیرت میں مبتلا تھا۔

سائرہ نے اختصار سے سب کچھ پروین کے گوش گزار کر دیا۔ اس کی بات سن کے اسے راشد پر اتنا غصہ آیا کہ جس نے اس کے عشق میں مبتلا ہو کر ان کا بنا ہوا کھیل بگاڑ دیا۔ وہ جلدی سے نذیر کے پاس چلی گئی۔

''میری بیٹی کو اغواء کرنے کی کوشش کی گئی ہے، میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کون ہے۔''

''تمہارے سامنے نذیر جٹ موجود ہے، ایسی دفعہ لگاؤں گا کہ بغیر ضمانت ایک سال کے لئے سیدھا اندر چلا جائے گا، اس کی تم فکر نہیں کرو لیکن تم کہاں چلی گئی تھیں؟'' نذیر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پروین کو اس پر شدید غصہ تھا جس نے سائرہ کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ کچھ نوجوان سائرہ کے حسن کے دیوانے ہیں لیکن سائرہ کو اس وقت اغواء کرنا جبکہ سائرہ نے فون پر ساری صورتحال سے آگاہ کر کے بتایا تھا کہ منصور اپنی ماں کے خلاف جائداد کے لئے کیس کرنے کا سوچ رہا ہے۔ اغواء کرنے والے نے سارا بنا ہوا کھیل عین وقت پر خراب کر دیا تھا۔

اس وقت پروین کے لئے نذیر جٹ سے بڑھ کر کوئی ہمدرد نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ نذیر جٹ اس کے ایک حکم کے آگے دولت کا بڑے سے بڑا انبار لگا سکتا ہے۔ وہ راشد کو کسی قیمت پر معاف نہیں کر سکتی تھی۔

اس نے اپنی مخصوص مسکراہٹ اس پر نچھاور کرتے ہوئے کہا۔ ''میں نے وہ شہر کیا چھوڑا، آپ بھی غائب ہو گئے۔''

''بہت خوب! شہر تم نے چھوڑا اور الزام مجھ کو دے رہی ہو، میں نے تمہاری تلاش کہاں کہاں نہیں کی۔'' نذیر جلدی سے بولا۔

''تلاش کرتے تو میں مل نہ جاتی۔'' پروین نے ایک ادا سے کہا۔

''مجھے تو ایسے لگ رہا تھا کہ تم مجھ سے جان چھڑا کر بھاگی ہو۔'' نذیر نے اس کی طرف ترچھی نگاہوں سے دیکھا۔

''یہ آپ نے کیا سوچ لیا، میری مجبوری تھی کہ مجھے وہ شہر چھوڑنا پڑا۔'' پروین نے جلدی سے کہا۔

''کیا مجبوری تھی کہ تم کو وہ شہر چھوڑنا پڑا؟'' نذیر نے پوچھا۔ ''وہ بھی میرے ہوتے ہوئے!''

''یہ باتیں ہم بعد میں کریں گے۔ اب میں کہیں نہیں جا رہی۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ مجھے مل گئے۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں جس نے میری بیٹی کو اغوا کرنے کی کوشش کی تھی۔'' پروین نے بات بدلی۔

''ابھی چلو۔'' نذیر نے کہا اور دونوں تھانے چلے گئے۔ نذیر کی ایسی حالت تھی جیسے

کسی کو اپنی کھوئی ہوئی قیمتی چیز مل گئی ہو۔

جب حوالات میں بند راشد کو پروین نے دیکھا تو وہ اسے دیکھتی ہی رہی اور سوچنے لگی کہ شکل وصورت سے امیر زادہ دکھائی دینے والا یہ ہے کون، جس نے سائرہ کو اغوا کرنے کی کوشش کی پھر اس نے سوچنا بند کر دیا۔ منصور کے لئے دونوں نے محنت کی تھی۔ اس کے بارے میں وہ جانتی تھی کہ وہ کیا ہے جبکہ اس کے بارے میں جان کر وہ وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔

پروین اس کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ ''آپ کی بیوی موجود ہے کہ چھوڑ دیا ہے؟''

''تجھے میں نے کہا تھا کہ تیرے لئے سب کو چھوڑ سکتا ہوں۔'' نذیر جٹ نے کہا۔

''چھوڑا نہیں ابھی......؟'' پروین بولی۔

''چھوڑ دیا ہے، اب تمہارے انتظار میں اپنے سونے گھر کی دہلیز کو دیکھتا رہتا ہوں۔'' نذیر جٹ نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں جما دیں۔ ''تم آج بھی اتنی ہی حسین ہو جتنی کہ پہلے تھیں۔''

پروین ایک ادا سے مسکرائی۔ ''اس کا کیا کرنا ہے......؟''

''جو تم کہو۔''

''اس کم بخت کو ایسا اندر کرو کہ یہ باہر نہ نکل سکے ورنہ یہ میری بیٹی کی زندگی میں زہر گھولتا رہے گا۔''

''تم جانتی ہو اس کو، یہ کون ہے؟'' نذیر نے پوچھا۔

''مجھے کیا پتہ ہے کہ یہ کون ہے، میں اس کو پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔'' پروین نے جواب دیا۔

''تیری بھانجی کو پتہ ہوگا۔'' نذیر نے کہا۔

''بہت ہیں ایسے جو ہمارا تعاقب کرتے رہتے ہیں اور پھر کسی بھوکے بھیڑیئے کی طرح بھاگتے ہیں ہمارے پیچھے!'' پروین لاپرواہی سے بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''بولو کوئی دفعہ لگاؤں کہ اس کے گھر والوں کو بلا کر مک مکا کرلوں؟'' نذیر نے پروین کی رائے لی۔

''مک مکا کرنا ہے تو پروین کو بھول جانا۔'' پروین نے تنک کر کہا۔

نذیر اس کی بات سن کر مسکرانے لگا۔ ''پروین کو تو نہیں بھول سکتا، تمہارے لئے تو گولی سے اڑا سکتا ہوں، کسی کو بھی!'' اس نے اتنا کہہ کر محرر کو بلا لیا اور سائرہ کا بیان لکھنے کے بعد اس نے کیس تیار کیا اور ناقابل ضمانت دفعہ لگا کر راشد کا ٹھکانہ حوالات بنا دیا۔

☆......☆......☆

عارف نے ساری معلومات حاصل کر لی تھی کہ راشد کے ساتھ نذیر جٹ نے کیا سلوک کیا ہے۔ راشد کے وارثوں کو بھی نذیر جٹ نے تب ہی اطلاع دی تھی جب سارا کام ہو چکا تھا۔

دلنواز احمد تھانے میں کسی دیوانے کی طرح نذیر جٹ کے پیچھے تھا۔ اگر پروین کا معاملہ نہ ہوتا تو نذیر جٹ اپنی جیب گرم کر کے راشد کو کب کا چھوڑ چکا ہوتا لیکن وہ اس کے عشق میں پاگل تھا۔ وہ پروین کو بھولا نہیں تھا، اس کے لئے اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی اور اس کے انتظار میں بیٹھ گیا تھا۔

دلنواز احمد نے ساری زندگی اپنے آپ کو اتنا مجبور اور لاچار محسوس نہیں کیا تھا جتنا کہ وہ نذیر جٹ کے سامنے ہو گیا تھا۔ وہ اس کو خاطر میں ہی نہیں لا رہا تھا۔ دلنواز احمد کا وکیل بھی ساتھ تھا۔ جو دفعات نذیر نے لگائی تھیں، اسے پڑھ کر وکیل بھی دنگ رہ گیا تھا۔

نذیر جٹ نے صاف کہہ دیا تھا کہ اب جو بھی آپ لوگوں کو کرنا ہے، وہ عدالت میں ہی ہوگا۔ دلنواز احمد کے وکیل نے ساری صورتحال کا جائزہ لے کر اسے یہی مشورہ دیا تھا کہ اب ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ عدالت میں اس کیس کی پیروی کریں۔ راشد حیران تھا کہ اس کے ساتھ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔

☆......☆......☆

پروین اپنے ساتھ سائرہ کو لے کر گھر لے آئی تھی۔ دونوں بہت پریشان تھیں۔ منصور کا نمبر بند تھا، اس سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔

"تم ایسا کرو کہ وہاں چلی جاؤ۔" پروین نے مشورہ دیا۔

"فارم ہاؤس میں؟" سائرہ نے پوچھا۔

"ہاں ......! اور منصور کو بتانا کہ تمہیں اغواء کرنے والے گرفتار ہو گئے ہیں اور تم پولیس کو بیان دینے کے بعد آ گئی ہو۔" پروین نے کہا۔

"مجھے اغواء کرنے والے نے کہا تھا کہ اس نے منصور کو باندھ دیا ہے۔" سائرہ سوچنے لگی۔

"کیا اس نے منصور کا نام لیا تھا؟" وہ چونکی۔

"نہیں ......! اس نے کہا تھا کہ تیرے عاشق کو باندھ دیا ہے اور اس نے مجھے یہ بھی کہا تھا وہ مجھے پسند کرتا ہے۔ میرے پیچھے جانے کب سے ہے۔" سائرہ نے بتایا۔

"ویسے یہ ہے کون ......؟" پروین نے پوچھا۔

"میں اسے جانتی نہیں ہوں۔"

"سچی بات ہے ......؟"

"تم سے جھوٹ بولوں گی۔"

"تم اب وقت ضائع نہ کرو اور میرے ساتھ چلو، میں تمہیں وہاں تک چھوڑ آتی ہوں، منصور کو تیار رکھنا کہ وہ اپنی ماں پر کیس کر دے اور جائداد لے کر ہی دم لے۔" پروین اس کو تاکید بھی کر رہی تھی۔ دونوں باہر نکلے اور کار میں بیٹھ کر فارم ہاؤس کی طرف چل پڑے۔

سارے راستے دونوں باتیں کرتی رہیں۔ اس موقع پر نذیر کا مل جانا اس کے لئے پریشانی کا باعث تھا کہ وہ اب اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ وہ اس سے شادی کرنے کے لئے مضطرب تھا۔ وہ اس سے شادی کر کے ہی رہے گا۔ یہ بات بھی تھی کہ اگر وہ نہ ملتا اور اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ان دونوں کے لئے کئی مسائل کھڑے ہو سکتے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب ان کی گاڑی منصور کے فارم ہاؤس کے سامنے پہنچی تو سائرہ نے باہر نکل کر بیل بجائی۔ پروین نے کار فارم ہاؤس سے کچھ فاصلے پر کھڑی کی تھی اور اس کی نگاہیں سائرہ پر تھیں۔ سائرہ نے ایک بار پھر بیل بجائی پھر دوسری اور تیسری بار بھی......! اس نے بیل پر اپنے ہاتھ کا اتنا وزن ڈالا کہ شاید گھر کا کوئی کونہ ہو جہاں اس کی تیز آواز نہ گئی ہو لیکن گیٹ نہیں کھلا۔

سائرہ نے گیٹ کے ایک رخنے سے اندر جھانکا، صرف گیراج کی روشنی جل رہی تھی اس کے علاوہ ہر کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا لگتا تھا۔

"کیا ہوا......؟" پروین بھی اس کے پاس آ گئی اور پریشانی کے انداز میں پوچھا۔

"کوئی گیٹ ہی نہیں کھول رہا ہے، بالکل خاموشی ہے۔" سائرہ پریشان ہو گئی۔

"ایسا لگتا ہے جیسے کوئی موجود ہی نہیں ہے۔"

"مجھے بھی لگتا ہے کہ اندر کوئی ہے نہیں۔"

"منصور کہاں جا سکتا ہے، اگر وہ کہیں چلا بھی گیا ہو گا تو بابا تو اسی جگہ رہتا ہے۔" سائرہ نے کہا۔

"کہیں وہ دونوں تمہاری تلاش میں نہ نکل پڑے ہوں۔" پروین نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ "منصور تمہارے پیچھے چلا گیا ہو۔"

"لیکن منصور کو انہوں نے باندھ دیا تھا۔"

اسی اثناء میں ایک کار ان کے پاس آ کر رک گئی۔ تیز ہیڈ لائٹس کی وجہ سے دونوں کے لئے یہ دیکھنا مشکل ہو گیا تھا کہ اس کار میں کون بیٹھا ہوا ہے۔ دونوں کی توجہ اس کار کی طرف مبذول ہو گئی تھی۔

پروین گھبرا گئی تھی کہ اگر کار میں منصور ہوا تو وہ اسے دیکھ لے گا اور اس کے ذہن میں پہلا سوال یہی ابھرے گا کہ میرا سائرہ کے ساتھ کیا رشتہ ہے۔ پروین جلدی سے اس بات کا جواب سوچنے لگی تھی۔ کار کی ہیڈ لائٹس بند ہوئی تو دونوں دیکھنے کے قابل ہوئیں۔

کار کے اندر سے ایک ساٹھ سال کی عمر کا آدمی باہر نکلا جو شکل وصورت سے پٹھان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دکھائی دیتا تھا اور اس کے ساتھ ہی عارف نمودار ہوا۔ پروین اور سائرہ دونوں کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

"آپ کو ملنا ہے کسی سے......؟" عارف نے پاس جا کر پروین کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ اس نے ایک نظر سائرہ کو بھی دیکھا تھا۔

"جی..... !" پروین نے فقط اتنا ہی کہا۔

"کس سے ملنا ہے آپ کو؟" عارف نے پوچھا۔

"آپ کہاں رہتے ہیں؟" پروین نے سوال کیا۔

"یہ میرا فارم ہاؤس ہے۔" عارف نے جواب دے کر پٹھان کو اشارہ کیا کہ وہ گیٹ کھولے۔ وہ گیٹ کھولنے لگا۔

"یہ آپ کا فارم ہاؤس ہے، یہ تو منصور کا ہے۔" سائرہ اس کی بات سنتے ہی گھبرا کر بولی۔

"کون منصور......؟" عارف نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کس منصور کی بات کر رہی ہیں آپ......؟"

"منصور میرا منگیتر ہے۔" سائرہ نے بنا تردد ایسے اعتماد سے کہا جیسے واقعی وہ اس کا منگیتر ہو۔

"آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے، یہ فارم ہاؤس میرا ہے اور میں اس کو تب ہی کھولتا ہوں جب مجھے چند دن یہاں رہنا ہوتا ہے۔" عارف کہنے کے بعد گیٹ کی طرف بڑھا۔

عارف کی بات سن کر سائرہ اور پروین حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں جبکہ عارف دل ہی دل میں سائرہ کو اس کے پراعتماد لہجے کی داد دے رہا تھا۔ وہ کچھ حیران بھی تھا کہ کسی دلیری سے سائرہ اس واقعے کے بعد پھر منصور کی طرف لپکی تھی۔ وہ بلاشبہ اپنے شکار کو کسی بھی قیمت پر ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔

"یہ منصور کا ہی فارم ہاؤس ہے۔" سائرہ جلدی سے اس کی طرف بڑھ کر بولی۔

"آپ کون ہیں ......؟"

"اس فارم ہاؤس کے کاغذات میرے نام ہیں اور اگر آپ چاہیں تو میں وہ دکھا سکتا ہوں، منصور کون ہے، میں نہیں جانتا۔ پلیز میرا اور اپنا وقت ضائع مت کریں۔"

عارف اس سے بھی زیادہ شاطر اور پہاڑ کی مانند مضبوط لب و لہجے کا مالک تھا۔ اس کی بات سن کر ایک لمحے کے لیے سائرہ چپ ہو گئی تھی۔

"میں نے یہاں منصور کے ساتھ کئی دن تک رہائش رکھی تھی۔" سائرہ بھی ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھی۔ وہ اس فارم ہاؤس کو اچھی طرح سے جانتی تھی۔ اسے خود بھی حیرت ہو رہی تھی کہ چند گھنٹوں میں کیسی کایا پلٹ گئی ہے۔

"یہاں رہائش رکھی تھی؟ آپ اس کے ساتھ یہاں رہتی ہیں......؟ اس کا مطلب ہے کہ میرے فارم ہاؤس پر آپ رہتی رہی ہیں۔" عارف ایک دم سنجیدہ ہوا کہ پروین اور سائرہ اس کا لہجہ دیکھ ہی ڈر گئیں۔

عارف نے پٹھان چوکیدار کو آواز دی۔ "خان اندر دیکھو......کوئی ہے اور سامان اپنی جگہ پر موجود ہے، میری کچھ قیمتی چیزیں تھیں، وہ تو غائب نہیں ہیں؟" اس کے ساتھ ہی وہ سائرہ کی طرف گھوما۔ "آپ دونوں کہیں نہیں جائیں گی، مجھے پولیس کو بلانا پڑے گا۔"

عارف نے دونوں کو ٹھوس لہجے میں رکنے کے لئے کہا تھا۔ دونوں ایک دم گھبرا گئی تھیں۔

ایک دم اندر سے خان کی تیز آواز آئی۔ "الماری کے تالے ٹوٹے ہوئے ہیں اور سامان بھی بکھرا ہوا ہے۔"

"کیا......؟" عارف نے گھبرانے کی اداکاری کی اور ان کو بھول کر اندر کی طرف چلا گیا۔ اس صورتحال کو دیکھ کر پروین اور سائرہ دونوں ہی گھبرا گئی تھیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں سوال کئے کہ کیا واقعی ایسا ہے، منصور اس جگہ کا مالک نہیں تھا۔

پروین نے سوچا۔ اس سے پہلے کہ کوئی مصیبت آئے، اس نے سائرہ کو اشارہ کیا اور دونوں اپنی کار میں بیٹھ کر اس جگہ سے نکل رہی تھیں کہ عارف بھاگتا ہوں گیٹ پر آیا اور چیخا۔ "رکو......رکو......!"

پروین کار بھگا کر وہاں سے نکل گئی۔ عارف نے جاتی ہوئی کار کو مسکرا کر دیکھا اور بولا۔ ''منصور! ان سے تو تم کو نجات مل گئی ہے، اب تمہیں تمہارا حق دلانا ہے۔''

☆......☆......☆

پروین نے کار کی رفتار غیر معمولی تیز کی ہوئی تھی۔ دونوں کے چہروں پر گھبراہٹ تھی۔ سائرہ نے پیچھے گردن گھما کر دیکھا اور بولی۔ ''آنٹی کار آہستہ کرلو، ہمارے پیچھے کوئی نہیں ہے۔''

''یہ کیا نئی مصیبت آ گئی ہے؟'' پروین نے الجھ کر کہا۔

''مجھے کیا پتہ!'' سائرہ خود پریشان تھی۔

''مجھے لگتا ہے کہ تم مجھے کسی دوسرے فارم ہاؤس کے سامنے لے گئی تھیں، تمہیں کوئی غلطی ہوئی ہے۔'' اس نے سائرہ کی طرف دیکھا۔

''نہیں میں بھول نہیں سکتی۔'' سائرہ پر یقین تھی۔

''یہ پھر کیسے ہو گیا، اس فارم ہاؤس کا مالک کوئی اور ہے، گھر کی الماریوں کے تالے ٹوٹے ہوئے ہیں، کیا منصور ہمارے ساتھ فریب کر رہا تھا؟'' پروین مخمصے میں مبتلا ہو گئی تھی۔

''مجھے لگتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا کام ہے جنہوں نے مجھے اغواء کرنے کی کوشش کی تھی۔'' سائرہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''چلو یہ ان کا کام ہے، منصور تم سے کہہ رہا تھا کہ یہ اس کا فارم ہاؤس ہے، کیا وہ بھی ہمارے ساتھ ڈرامہ کر رہا تھا......؟'' پروین پھر اسی بات پر آ گئی۔

''نہیں میں یہ نہیں مانتی کیونکہ مجھے اس کے چہرے کی سچائی نظر آ جاتی تھی پھر وہ ڈرامہ کیوں کرے گا، ہم اس کے بارے میں سب کچھ جانتے ہیں۔'' سائرہ نے پروین کی بات کو رد کر دیا۔

''پھر حقیقت کیا ہے......؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی ماں نے اس فارم ہاؤس پر قبضہ کر لیا ہو کیونکہ اس نے منصور کو بے دخل کر دیا تھا۔'' سائرہ سوچتے ہوئے بولی۔

پروین نے غصے سے اپنا ہاتھ کار کے اسٹیئرنگ پر مارا۔ ''کیا سوچا تھا اور کیا ہو گیا، سب کچھ ایک لمحے میں بدل گیا، یہ کیسے ہو گیا، منصور کی ماں میرے سامنے آ جائے تو میں اس کو گولی مار دوں۔''

''ہم اس کا پیچھا آسانی سے نہیں چھوڑیں گے، سب کچھ ایک بار مٹھی میں آ جائے گا۔''

''سب سے پہلے منصور کو تلاش کرنا ہوگا۔''

''میں منصور کو تلاش کر کے رہوں گی، میں چپ نہیں بیٹھوں گی۔ سونے کی چڑیا کو عین وقت پر ہم اڑتا ہوا نہیں دیکھ سکتے۔''

''مجھے نذیر جٹ کو بیوقوف بنانا پڑا تو میں اسے بناؤں گی لیکن اپنی کی ہوئی محنت پر پانی نہیں پھرنے دوں گی۔'' پروین کا غصہ بھی آسمان کو چھو رہا تھا۔ ''ایک طرح سے اچھا ہی ہوا کہ نذیر جٹ اس موقع پر مل گیا مجھے، اب کوئی اور چال کھیلنی پڑے گی لیکن اسے نہیں چھوڑوں گی۔'' پروین کا لہجہ خطرناک ہو گیا تھا اور یہ کہتے ہوئے اس کے اندر ایسا جوش بھر گیا تھا کہ اس نے دانت پیس لئے تھے اور غیر ارادی طور پر کار کی رفتار بھی بڑھ گئی تھی۔ اسی رفتار اور جوش میں جب پروین نے چوراہا عبور کرنا چاہا تو اس کی نظر دائیں طرف سے آنے والی تیز رفتار ٹرک پر نہیں پڑی۔

''آنٹی......!'' سائرہ اس ٹرک کو دیکھتے ہی خوف سے چیخی۔ پروین نے دیکھا تو اس نے ایک دم بریک لگایا حالانکہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کار سڑک کے عین درمیان میں رک گئی تھی۔ ٹرک اس کی کار سے ایک دھماکے کے ساتھ ٹکرایا اور کار دور جا پڑی۔

دونوں موقع پر ہی خون میں لت پت جان کی بازی ہار گئیں۔

☆......☆......☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلنواز احمد بہت پریشان تھا۔ اس سے بھی زیادہ اس کو نذیر جٹ پر غصہ آ رہا تھا جس نے ایف آئی آر کاٹنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی اور دفعات بھی ایسی لگا دیں کہ اس کی ضمانت ایک سال تک نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ پیسے سے سب کچھ خرید سکتا تھا، اس نے بڑے بڑے لوگوں کو پیسے کے آگے موم کی طرح پگھلا دیا تھا۔ ایک معمولی تھانیدار کی کیا حیثیت تھی لیکن وہی تھانیدار ان کے گلے کا کانٹا بن گیا تھا۔

دلنواز احمد اپنے وکیل سے مشورہ کر کے واپس جانے کے لئے اپنی کار میں بیٹھا تو ایک دم اس کی کار کے سامنے عارف آ گیا۔ اس وقت دلنواز احمد کار خود ڈرائیو کرنے والا تھا۔ اس نے اچانک عارف کو دیکھا تو چونکا۔

عارف اس کے پاس گیا اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ دلنواز احمد نے حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔

''کیوں بیٹھے ہو میری کار میں، مہنگی کار میں بیٹھنے کا اتنا ہی شوق ہے کیا؟'' دلنواز احمد بولا۔

''آپ کا بھتیجا ہوں، کیا آپ کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا؟'' عارف نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

''تم میرے کچھ نہیں لگتے، چلو نکلو میری گاڑی سے!'' دلنواز احمد نے روکھے اور درشت لہجے میں کہا۔

''راشد کا افسوس ہے کہ وہ جیل چلا گیا۔'' دلنواز احمد کی بات کا بُرا منانے کی بجائے عارف نے کہا۔

دلنواز احمد اس کی بات سن کر چونکا کیونکہ انہوں نے اس بات کو مخفی رکھا تھا۔ ''تم اپنے کام سے کام رکھو۔''

''راشد کو میں کئی دنوں سے دیکھ رہا تھا کہ وہ لڑکیوں کے پیچھے کچھ زیادہ ہی پاگل ہو گیا تھا۔'' عارف کو دلنواز احمد کے غصے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ ''اس کی دوستی بھی ایک فریب ہی تھی۔''

''بکواس بند کرو اور میری گاڑی سے باہر نکلو۔'' دلنواز احمد کو اس کی بات سن کر غصہ آ رہا تھا۔

عارف نے دلنواز احمد کی طرف دیکھا۔ ''آپ جانتے ہیں کہ راشد دوسری شادی کرنے والا تھا۔''

''تم میری گاڑی سے باہر نکلتے ہو کہ نہیں ورنہ میں کچھ کروں؟'' دلنواز احمد کا غصہ مزید بڑھ گیا تھا۔

''میری بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں آپ کا ہمدرد ہوں، دشمن نہیں، اس لڑکی کے پیچھے وہ ایک عرصے سے تھا، آخر وہ اس کو اغواء کرنے پر مجبور ہو گیا لیکن پکڑا گیا۔'' عارف نے لہجہ نرم ہی رکھا تھا۔

''کچھ پیسے چاہتے ہو سڑک چھاپ؟'' دلنواز احمد نے دانت پیسے۔

''پیسے میرے پاس بھی ہیں شاید آپ کے علم میں نہیں ہے کہ راشد کے ساتھ والا آفس میرا ہے اور میں کیمیکل کا ڈسٹری بیوٹر ہوں، میں آپ کا ساتھ دینا چاہتا ہوں اور آپ ابھی تک اپنے دل میں ہمارے لئے نفرت اور غصہ دبائے بیٹھے ہیں۔'' عارف بولا۔

''شٹ اپ......!'' دلنواز احمد ایک تو راشد کے سلسلے میں پریشان تھا اور دوسرا اس کی باتوں سے وہ زچ ہو رہا تھا۔

''آپ اپنے دوست کے بیٹے اویس حبیب سے ضرور مل لیجئے گا۔ اس کی بہن کی راشد سے شادی ہونے والی تھی۔ دونوں مل کر کوئی بزنس بھی کر رہے تھے۔ راشد نے ایک بڑی رقم اس کو کاروبار کرنے کے لیے دی تھی۔'' عارف نے بتایا۔

''اس فراڈیے کے ساتھ......؟'' دلنواز احمد سنتے ہی بے اختیار بول پڑا۔

عارف نے دلنواز احمد کی یہ بات سنی تو وہ دل ہی دل میں خوش ہوا کہ اب وہ اس کی بات سننے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔

''ہاں......! اس کے ساتھ سنا ہے کہ آپ کے بیٹے نے آپ کے خلاف ایک کیس بھی تیار کیا تھا، اویس حبیب کے ساتھ مل کر!''

"کیسا کیس......؟" دلنواز احمد کا لہجہ نرم ہو گیا تھا اور اب وہ عارف کی بات توجہ سے سننے لگا تھا۔ یہ بات سن کر اسے حیرت ہوئی تھی۔

"باپ سانپ بن کر دولت پر بیٹھ جائے تو اولاد سانپ کو مست کرنے کے لیے بین نکال لیتی ہے یا ایسا ہوتا ہے کہ اس اولاد کے ہاتھ کوئی نہ کوئی بین دے دیتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اویس حبیب نے راشد کو بین دی ہو۔" عارف نے کہا۔

"تم بکواس کر رہے ہو۔" دلنواز احمد کا لہجہ اس بار درشت نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

......

"مجھے آپ کو یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں یہ نہیں چاہ رہا کہ آپ میری بات پر یقین کریں۔ میں تو ایک بات کر رہا ہوں۔ ویسے راشد جیل چلا گیا، اچھا ہی ہوا۔ بیٹا جائداد کے لیے باپ کو عدالت میں گھسیٹنے ہی والا تھا۔" عارف مسکرا کر کار سے باہر نکلنے لگا۔ "اویس حبیب کا دماغ کام کر رہا تھا اور راشد کا دماغ سو رہا تھا۔"

"تم یہ سب کیسے کہہ سکتے ہو؟" دلنواز احمد اس کی بات سن کر سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا اور اسے پوچھنا ہی پڑا کیونکہ یہ بات دلنواز احمد کئی دنوں سے محسوس کر رہا تھا کہ راشد کام کی طرف توجہ کم دے رہا تھا اور اِدھر اُدھر اس کا دھیان زیادہ تھا۔ اب وہ یہ تو نہیں جانتا تھا کہ دراصل راشد دوسری شادی کے چکر میں تھا اور اس بات کا عارف فائدہ اس طرح اٹھانا چاہتا تھا کہ وہ باپ کے دل میں بیٹے کے خلاف زہر کے قطرے ٹپکا دے۔

"مجھے پتہ ہے اسی لئے آپ سے بات کر رہا ہوں، محض اس لئے کہ آپ ٹوٹے ہوئے رشتوں کو پھر سے سینے سے لگا لیں۔ اب نہ تو میری ماں رہی ہے اور نہ باپ......!" عارف نے جذباتی ہو کر کہا۔

عارف کی بات سن کر دلنواز احمد کچھ نرم ہو گیا۔

"کیسے پتہ ہے تمہیں......؟"

"مجھے خود اویس حبیب نے بتایا ہے۔" عارف نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"اویس سے تمہارا کیا تعلق ہے اور وہ تجھے کیوں بتائے گا؟" دلنواز احمد نے سوال کیا۔

"کیونکہ اویس کے ساتھ میں کام بھی کرتا ہوں اور اس کی بہن میری بیوی ہے۔" عارف نے انکشاف کیا۔

عارف کا یہ انکشاف دلنواز احمد کے لئے چونکا دینے والا تھا۔ وہ ناقابلِ یقین نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"اگر یہ سچ ہوا تو؟" عارف نے سوالیہ نگاہیں دلنواز احمد کے چہرے پر جما دیں۔

"پھر میں تمہاری ہر بات پر یقین کرلوں گا۔" دلنواز احمد نے اس خیال سے کہہ دیا کہ اسے یقین تھا کہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔

"میری باتوں پر یقین کرکے آپ کیا کریں گے؟" عارف بولا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" دلنواز احمد اس سوال سے کاروباری لگا تھا۔

"میں آپ کی کمپنی میں ہونے والے بہت سے فریب کو سامنے لاؤں گا۔ ان لوگوں کو سامنے لاؤں گا جو اس کام میں ملوث ہیں اور آپ کی کمپنی کو نقصان پہنچا رہے ہیں، وہ سب مہرے ہیں اور ان کی ڈور اویس حبیب اور راشد کے ہاتھ میں ہے، میں یہ ثابت کردوں گا کہ آپ کا سگا بیٹا آپ کے ساتھ نہیں!"

"تم میرے ہمدرد کب سے ہوگئے ہو؟"

"میں آپ کا ہمدرد نہیں ہوں بس یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ میں جس باپ کا بیٹا ہوں، جس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، ان کی بھی عزت ہے، بے شک وہ بہت زیادہ دولت کے مالک نہیں ہیں لیکن وہ دوسروں کے خیر خواہ ہیں۔" عارف اتنا کہہ کر گاڑی سے اترنے لگا۔

"سنو.....! تم مجھے ثبوت دو کہ تم اویس حبیب کی بہن سے شادی کرچکے ہو پھر میں تم سے ایک ڈیل کروں گا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیسی ڈیل......؟" عارف اسی راستے پر دلنواز احمد کو لانا چاہتا تھا۔

"میں تم کو اپنی کمپنی میں جاب دوں گا، تم ان چہروں کو سامنے لانا جو مجھے نقصان پہنچا رہے ہیں، میں خود بھی محسوس کررہا ہوں کہ کچھ گڑبڑ ہے۔" دلنواز احمد کی ساری نفرت اور غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ آخر وہ ایک بزنس مین تھا۔ اپنی کمپنی میں ہونے والی گڑبڑ محسوس کررہا تھا لیکن کچھ جان نہیں پا رہا تھا۔

اب جو عارف نے اس کو ایک سرا دکھایا تو وہ اپنا نقصان روکنے کے لئے عارف کو مہرے کی طرح استعمال کرنے کے لیے فوری تیار ہوگیا تھا۔

"میں اس بات کا ثبوت دے سکتا ہوں کہ میری شادی اویس حبیب کی بہن سے ہوچکی ہے۔ میں نے ان کے ساتھ کام کیا ہے اور ان کی سازشوں سے اچھی طرح واقف ہوں، راشد کیسے پکڑا گیا، یہ بھی جانتا ہوں۔ راشد کو پکڑوانے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے، یہ بھی بتا سکتا ہوں۔ ایسے ہی ایک دم راشد کو بلا ضمانت حوالات میں نہیں دھکیل دیا گیا۔ آپ کے ساتھ کام کروں گا اور آپ کی مدد کروں گا لیکن میری شرط ہوگی۔"

عارف کی باتوں پر غور کرنے کے بعد وہ بولا۔

"وہ کیا......؟"

"میں ان چہروں کو سامنے لاؤں گا جو آپ کے ساتھ بیٹھ کر آپ کے دشمن بنے ہوئے ہیں اور یہ کام میں کسی معاوضے کے بغیر کروں گا۔" عارف نے شرط بتائی۔

دلنواز احمد وقت پڑنے پر گدھے سے بھی کام لینا جانتا تھا۔ وہ بولا۔ "ٹھیک ہے، تم میرے ساتھ کام کرو، تم راشد کے بارے میں اور کیا جانتے ہو؟"

"کل دس بجے آپ کے آفس میں ملاقات ہوگی، باقی باتیں کل ہوں گی۔" عارف اتنا کہہ کر اس کی کار سے باہر نکل گیا اور وہ ہکا بکا کار میں بیٹھا یہ سوچتا رہا کہ عارف سے وہ بہت کچھ جان سکتا ہے۔

☆......☆......☆

عارف سے ملاقات کرنے کے بعد دلنواز احمد مضطرب ہوگیا تھا۔ جن پہلو پر اس نے شاذ ہی سوچا تھا، وہ اب ان کی طرف بھی سوچنے لگا تھا۔ وہ جب گھر پہنچا تو بہت چپ تھا۔ وہ سیدھا اپنے اسٹڈی روم میں چلا گیا تھا۔

دلنواز احمد کرسی پر بیٹھ گیا اور راشد کے معمولات کے بارے میں غور کرنے لگا۔

راشد پہلے وقت پر آفس آتا تھا، اپنا کام کرتا تھا اس کے بعد وہ دوسرے آفس چلا جاتا تھا، شام کو فارغ ہونے کے بعد وہ جم چلا جاتا تھا۔

لیکن چند ہفتوں سے ایسا نہیں ہورہا تھا۔ وہ وقت بے وقت آفس آنے لگا تھا، جب اس کا دل چاہتا وہ اپنے کرسی سے اٹھ کر کہیں بھی چلا جاتا تھا، کام پر اس کی توجہ بہت کم ہوگئی تھی۔ ایک پارٹی کی طرف سے بیس لاکھ روپے کا جو چیک اس نے وصول کیا تھا، وہ بھی کمپنی کے اکاؤنٹ میں جمع نہیں ہوا تھا۔ ان باتوں کی طرف دلنواز احمد نے تب توجہ ہی نہیں دی تھی لیکن اب وہ ایک ایک بات پر غور کررہا تھا۔

اویس حبیب اس کے دوست کا بیٹا تھا۔ اس بات کا پتہ عارف کو سمعیہ سے باتوں باتوں میں چلا تھا۔ دلنواز احمد یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ اویس حبیب سے اس کا باپ اس سے کالج کے دنوں سے بیزار تھا۔ اس کی حرکات اور عادات مختلف تھیں، اس کا اٹھنا بیٹھنا اور دوستی آوارہ لوگوں کے ساتھ تھی۔

دلنواز احمد نے اپنے موبائل فون سے اس آفس کے ہیڈ اکاؤنٹنٹ کا نمبر ملایا جس کی تمام تر ذمے داری راشد پر تھی اور وہ آفس عارف کے آفس کے ساتھ تھا۔ کچھ دیر کے بعد دوسری طرف سے فون آن ہوا۔ دلنواز احمد نے بغیر کسی تمہید کے سوال کیا۔

''نصیر! یہ بتاؤ کہ پچھلے چند دنوں میں راشد نے کوئی رقم اپنے ذاتی استعمال کے لئے لی تھی؟''

''چند ہفتے قبل انہوں نے پچاس لاکھ روپے یکمشت لئے تھے سر! اس کے علاوہ کچھ اور رقم بھی لی تھی۔'' نصیر نے بتایا۔

''پچاس لاکھ روپے......؟ وہ رقم کس کھاتے میں ڈالی تھی اس نے......؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلنواز احمد یہ سن کر چونکا۔

''بس اپنے نام لکھوائی تھی سر!'' جواب ملا۔

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا؟'' دلنواز احمد کا لہجہ تیز ہوگیا۔

''سر! مجھے کیا پتہ...... آپ نے کبھی مجھے اس بارے میں کوئی ہدایت نہیں کی تھی۔'' نصیر نے جلدی سے کہا۔ ''ورنہ میں آپ کو ضرور بتاتا۔''

دلنواز احمد کو غصہ آگیا تھا لیکن یہ بھی سچ تھا کہ اس نے کبھی کوئی ایسی ہدایت نصیر کو نہیں کی تھی کہ وہ اس کو باخبر رکھنے کے لئے آفس کی ہر بات اسے بتائے۔ وہ اعتبار کررہا تھا کیونکہ راشد اس کا بیٹا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' دلنواز احمد نے کہا اور فون بند کردیا۔ پھر وہ بڑبڑایا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ عارف جانتا ہے راشد اور اویس کے بیچ میں کیا چل رہا تھا۔''

دلنواز احمد یہ سوچتے ہوئے مزید مضطرب ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

دوسرے دن عین وقت پر عارف آفس آگیا تھا۔ دلنواز احمد خود اس سے ملنے کے لیے بے چین تھا۔ عارف اس کے کمرے میں پہلی بار اس کے سامنے براجمان تھا۔

''تم مجھے کچھ بتانے والے تھے۔'' دلنواز احمد نے وقت ضائع کرنے کے بجائے فوراً سوال کیا۔

''کل تو آپ یقین نہیں کررہے تھے کہ میری شادی اویس کی بہن سے ہوئی ہے، آپ میرے گھر چلنا چاہیں گے، وہاں آپ کی ملاقات میری بیوی سے ہوجائے گی اور آپ کو یقین آجائے گا کہ اویس حبیب کی بہن ہی میری بیوی ہے۔''

''مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، تم ٹھیک کہتے ہوگے لیکن تمہاری اس کے ساتھ شادی ہونا ضرور حیران کن ہے۔'' دلنواز احمد بولا۔

''محبت کی شادی ہے۔'' عارف نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس میں اویس کی رضامندی شامل نہیں!" دلنواز احمد نے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ ٹھیک سمجھے ہیں۔ اسی لئے اویس میرا دشمن بنا ہوا ہے، تب دوست تھا جب میں اس کے ساتھ کام کرتا تھا" عارف بولا۔ "شادی کے بعد وہ میرا دشمن ہو گیا ہے۔"

"تم اس کے ساتھ کیسے مل گئے؟ کہاں وہ اور کہاں تم......!" دلنواز احمد نے اس کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔

عارف ہولے سے مسکرایا۔ "پیاسا کنواں ڈھونڈ ہی لیتا ہے۔"

"تمہیں دولت کی پیاس تھی......؟"

"یہ پیاس آج کے اس دور میں کس کو نہیں ہے۔"

"پھر پیاس بجھی......؟"

"چند قطرے ہتھیلی پر پھیلے تھے کہ محبت ہو گئی اور میں نے شادی کر لی، دولت بھول گئی اور اب ایک ہی چیز دل و دماغ پر چھا گئی ہے کہ سب کچھ ہار جاؤں لیکن اپنی محبت نہیں ہارنی......!" عارف نے کہہ کر اپنی پینٹ کی جیب سے پرس نکال کر کھولنا چاہا۔ "میں نے اپنی محبت پا کر ہی دم لیا۔"

"تمہارے چہرے پر مجھے سچائی دکھائی دے رہی ہے، یہ بتاؤ کہ تمہیں مجھ تک کیا چیز لے کر آئی ہے؟"

"محبت کر لی، گھر بسا لیا، یہ نہیں سوچا کہ گھر پیسے سے چلتا ہے، اپنے گھر والوں سے کٹ گیا ہوں، اویس حبیب اور راشد کی سب باتیں میرے علم میں ہیں، آپ کی کمپنی میں کون کون ہے جو اویس حبیب کی کٹھ پتلی بنا کام کر رہا ہے، ان سب باتوں کو بے نقاب کرنا چاہتا ہوں لیکن......!" عارف نے جان بوجھ کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"لیکن......؟" دلنواز احمد نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ سے پیسے لے کر کام کروں گا۔" عارف بولا۔

"کل تو تم مجھ سے یہ کہہ رہے تھے کہ میں ایک پیسہ نہیں لوں گا، آج پیسے کی بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر رہے ہو؟" دلنواز احمد نے طنزیہ مسکراہٹ بکھیری۔

"اگر یہ بات کل کرتا تو آپ مجھے آفس میں گھسنے نہ دیتے، اس لئے مجھے جھوٹ بولنا پڑا۔" عارف مسکرایا۔

"خیر......! تم مجھے بتاؤ کہ کون ہے جو اویس کے ساتھ ملا ہوا ہے۔" دلنواز احمد جاننے کے لئے بے قرار تھا۔

"کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ کمپنی میں کچھ گڑ بڑ ہے، کچھ ایسا ہو رہا ہے جس کی آپ کو امید نہیں تھی؟" عارف اس کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔

"یہ جاننا تمہارا کام نہیں ہے۔" دلنواز احمد بولا۔ "تم مجھے صرف یہ بات بتاؤ کہ تم کیا جانتے ہو۔"

"پھر مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ آپ پیاسے ہیں؟" عارف نے کہا۔

"میری پیاس جاننا ضروری نہیں ہے تمہارے لئے، تم اپنی بات کرو۔" دلنواز احمد نے کرسی پر پہلو بدلا۔

"مجھے اس کمپنی میں شامل کر لیجئے، چند دنوں میں سب کچھ سامنے لے آؤں گا۔"

عارف کو دلنواز احمد کی بے چینی کا احساس تھا۔ اس کا چہرہ یہ بات بیان کر رہا تھا کہ اس کی کمپنی میں کچھ غلط ہو رہا ہے۔

"تم پر بھروسہ کیسے کروں؟" دلنواز احمد نے اس کی طرف دیکھا۔

"اس بارے میں، میں کوئی ضمانت نہیں دے سکتا، جب کام کیا جاتا ہے تو بھروسہ کرنا ہی پڑتا ہے ورنہ پھر میں چلتا ہوں، جب آپ محسوس کریں کہ آپ کا جہاز ڈوبنے لگا ہے جو آہستہ آہستہ ڈوب رہا ہے، تب شاید آپ کو میری یاد آ جائے۔" عارف کھیل کھیلنا جانتا تھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

دلنواز احمد جس سے نفرت کرتا تھا، آج وہ بھی مجبور تھا کہ عارف سے مدد لے۔ جو بات رات کو اس نے راشد کے بارے میں اکاؤنٹنٹ سے معلوم کی تھی، وہ اپنی جگہ تھی ہی......! دلنواز احمد کو جن باتوں کی طرف شک ہوا تھا، اس کے بارے میں جانا تو اس کا

شک یقین میں بدل گیا کہ وہ اپنے بیٹے پر اندھا اعتماد کر کے فریب کا شکار ہو رہا تھا۔ یہ بھی حقیقت اپنی جگہ سچ تھی کہ راشد بہت سا پیسہ سمعیہ سے شادی کے چکر میں اویس پر لٹا چکا تھا اور پھر اویس نے کچھ ایسا چکر چلایا تھا کہ راشد کے لیے کمپنی میں ہیرا پھیری کرنا ناگزیر ہو گیا تھا۔ ان باتوں کی طرف دلنواز احمد کا دھیان اس وقت تو نہیں گیا لیکن اب وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ بہت کچھ اس کے سامنے آ گیا تھا۔ وہ مجبور تھا کہ اپنی آستین میں چھپے سانپ باہر نکال سکے جن کے بارے میں عارف جانتا تھا۔

''بیٹھ جاؤ...... ٹھیک ہے، میں تم پر بھروسہ کرنے کے لیے تیار ہوں، تم کو اپنی کمپنی میں جاب دے دیتا ہوں لیکن تم وہ چھپے ہوئے مہرے کب میری آنکھوں کے سامنے لاؤ گے؟'' دلنواز احمد نے مجبوراً کہا۔

''صرف سات دن میں سب کچھ آپ کے سامنے آ جائے گا۔'' عارف کا لہجہ معنی خیز تھا۔ ''اس سے زیادہ وقت نہیں لوں گا، کسی کا محض نام نہیں لوں گا۔ ثبوت کے ساتھ آپ کے سامنے لاؤں گا۔''

''سات دن میں مجھے سب کچھ شیشے کی طرح دکھائی دینا چاہیے۔ کچھ نہ ہونے پر آٹھویں دن مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔'' دلنواز احمد سے اسے آنکھیں نکال کر دیکھا اور جواب میں عارف ہولے سے مسکرا پڑا۔

''اس کام کا مجھے کیا ملے گا؟'' عارف نے سوال کیا۔

''کیا چاہتے ہو......؟''

''سات دن کے سات لاکھ روپے!''

''بہت زیادہ ہیں۔''

''اس سے زیادہ آپ کا روزانہ نقصان ہو رہا ہے۔''

''منظور ہے۔'' دلنواز احمد نے بُرا سا منہ بنا کر ہامی بھر لی۔

''آپ چیک تیار رکھیں، ساتویں دن میں وہ چیک وصول کروں گا۔'' عارف نے کہا۔ دلنواز احمد نے اس کی بات سن کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ٹھیک اسی وقت ٹیلیفون بجا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلنواز احمد نے فون اٹھایا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔ ''مجھے راشد صاحب سے ملنا تھا۔''

''آپ کون ہیں؟''

''مجھے ان سے ضروری کام ہے، ان کا موبائل فون بند ہے، ان سے رابطہ نہیں ہو رہا ہے، مجھے ان کو کچھ بتانا تھا۔''

''مجھے بتائیں کیا بتانا چاہتے ہیں آپ!''

''مجھے صرف ان سے ہی بات کرنی ہے، نمبر دے سکتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ فون رکھتا ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''آپ کون ہیں؟'' دلنواز احمد نے پوچھا۔ دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔ دلنواز احمد اور بھی مضطرب ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر عارف مسکرا رہا تھا کیوں کہ دوسری طرف منصور تھا اور اس نے عارف کے کہنے پر ہی کال کی تھی تاکہ شک کا سانپ کنڈلی مار کر دلنواز احمد کے دل پر اچھی طرح بٹھا سکے۔

☆......☆......☆

نذیر جٹ کو پروین اور اس کی بھتیجی کی اچانک حادثاتی موت پر شدید دکھ تھا جس کے لئے اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ اس کو اب موت کے پنجوں نے چھین لیا تھا۔ وہ اندر سے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ پروین سے بہت محبت کرتا تھا، اس کو شدت سے چاہتا تھا، اس کی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام ہو گیا تھا۔ اپنے اس کرب اور دکھ کا اظہار اس نے اس طرح کیا کہ ایک نیا کیس تیار کیا اور پروین اور سائرہ کی موت کا ذمہ دار راشد کو ٹھہرا دیا۔

نئے کیس میں نذیر نے لکھا کہ مجرم راشد نے اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے پروین اور سائرہ کو اس لئے موت سے ہمکنار کر دیا تاکہ اس کے خلاف گواہی دینے والا کوئی نہ ہو۔ نذیر نے اس کیس کو بھی ایسا لکھا کہ اس کے اندر کا سارا غصہ تو باہر نکل آیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیکن راشد کی زندگی میں ایسی کیل پیوست ہوگئی کہ وہ کراہتا ہی رہ گیا۔

☆......☆......☆

عارف کو موقع مل گیا تھا۔ اس نے پریشانی میں ڈوبے ہوئے دلنواز احمد کی طرف دیکھتے ہوئے گہری سوچ میں مبتلا ہو کر کہا۔ ''یہ اندیشہ میرے دل کو کسی کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا...... ؟'' دلنواز احمد نے پریشانی کے عالم میں اس سے پوچھا۔

''راشد کے تابوت میں آخری کیل اویس نے ٹھونکی ہے۔'' عارف نے کہا۔ ''وہی ایسا کرسکتا ہے۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' دلنواز احمد بولا۔

''راشد کو اس نے جتنا استعمال کرنا تھا، وہ کرلیا، اب وہ اس کے کسی کام کا نہیں تھا، اویس نے لاکھوں روپیہ راشد کا دینا ہے، اُس نے ان دونوں کو مروا کر اس کے خلاف تھانیدار کو خرید کر کیس بھی کرادیا۔'' عارف نے کہا۔

عارف کی بات سن کر دلنواز احمد سوچنے پر مجبور ہوگیا۔ عارف کی بات میں دم تھا۔ اویس ایسا کرسکتا تھا۔ دلنواز احمد کو غصہ آگیا۔

''میں اس کا خون پی جاؤں گا۔''

''میرے پاس ایک منصوبہ ہے۔'' عارف سوچتے ہوئے بولا۔

''وہ کیا......؟'' دلنواز احمد نے پوچھا۔

''مجھے آپ اجازت دیں تو میں اپنے منصوبے پر کام شروع کردوں، اویس حبیب خود اپنے جال میں آجائے گا اور وہ اس طرح پھنس جائے گا کہ جیسے جال میں پھنسی تڑپتی ہوئی مچھلی ہوتی ہے۔'' عارف نے کہا۔

''منصوبہ کیا ہے؟'' دلنواز احمد نے پوچھا۔

''آپ کا کام اجازت دینا ہے، میں نے آپ سے سات دن لئے ہیں، بس دیکھیں ہوتا کیا ہے۔ اویس احمد اپنے جرم کا اقرار کرنے پر مجبور نہ ہوگیا تو میرا نام بھی عارف نہیں ہے۔'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے تم کام شروع کرو۔''

''اس کے لیے مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ مجھے پیسہ دے کر اس کو جال میں پھنسانا ہے، جو پیسہ میں آپ سے لوں گا، وہ آپ کی امانت ہوگا جو پورے کا پورا واپس آجائے گا۔''

دلنواز احمد نے سوچا اور پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے۔''

''اب مجھے بتادیں کہ مجھے آپ اپنی کمپنی میں کسی عہدے پر ملازم رکھ رہے ہیں اور میری سیٹ کہاں ہے؟'' عارف نے پوچھا۔

دلنواز احمد نے کہا۔ ''تم میری کمپنی میں آپریشن منیجر کی حیثیت سے کام کرو گے، ابھی میں اپنے آدمی کو بلاتا ہوں جو تمہارا تعارف اسٹاف سے کرادیتا ہے اور تمہیں تمہاری سیٹ پر بھی بٹھا دیتا ہے۔ میں راشد سے ملاقات کرکے اس سے بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ اویس کو اس نے کتنا روپیہ دیا تھا۔''

''راشد کچھ نہیں بتائے گا، آپ صرف اس کی آزادی کے لئے کوشش کریں، یہ بہتر ہے، چور اپنا ہو یا بیگانہ......! وہ اپنے بچاؤ کے لئے ہاتھ، پیر مارتا ضرور ہے۔'' عارف نے کہا۔

دلنواز احمد نے اپنا آدمی اندر بلایا اور اسے سمجھا کر عارف کو اس کے ساتھ باہر بھیج دیا۔

عارف خوش تھا کہ جس تایا نے اس سے اور اس کے خاندان سے نفرت کی تھی، جس کی وجہ سے اس کا باپ اور پھر ماں اس دنیا سے چلی گئی، آج اسی کو اس نے اپنی کمپنی میں جگہ دے دی تھی اور اس سے مدد لینے پر مجبور بھی ہوگیا تھا۔

☆......☆......☆

دلنواز احمد کے لیے عارف ناگزیر ہوگیا تھا کیونکہ جو فائل اس کے سامنے کھلی ہوئی تھی، اس فائل کو اس نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا، یہ کام راشد کے سپرد تھا۔ اس نے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ اب جو وہ فائل کا ایک ایک صفحہ پلٹ کر دیکھ رہا تھا تو کمپنی میں جو گڑ بڑ ہو رہی تھی، وہ اس کے سامنے آرہی تھی۔ جس خریداری کا بل اس فائل میں موجود تھا، وہ اتنی تعداد میں کمپنی میں آئی ہی نہیں تھی۔

دلنواز احمد کو یہ سب جان کر دکھ ہو رہا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے پر اندھا اعتماد کیا، ان کے لیے دن رات ایک کر کے دولت کا انبار جمع کیا اور وہی اولاد باپ کی جڑوں کو کاٹ رہی تھی، اپنے ہی سائبان کو پھاڑ رہی تھی۔ دلنواز احمد یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا کہ اگر اسے عارف نہ ملتا تو اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی رہتی۔

عارف جو کھیل، کھیل رہا تھا، اس کا علم صرف اسی کو تھا۔ اس نے دلنواز احمد کی کمپنی کے منیجر قمر الطاف کو اپنی مٹھی میں لے لیا تھا اور اس نے کمپنی کے بارے میں اتنی معلومات اکٹھا کرلیں کہ جس کے ذریعے وہ دلنواز احمد کے دماغ میں اندھیرا کر سکتا تھا۔

دراصل اچانک ہی قمر الطاف سے ملاقات ہوگئی تھی تب یہ بات سامنے آگئی کہ وہ دلنواز احمد کی کمپنی میں منیجر ہے اور قمر الطاف اس لئے عارف کی مٹھی میں آگیا کہ وہ جس جگہ اسے ملا تھا اور جو لڑکی اس کے ساتھ تھی، وہ دلنواز احمد کی بڑی بیٹی تھی جس کا چند ماہ قبل اپنے شوہر سے علیحدگی کے لیے عدالت میں کیس دائر کیا گیا تھا۔

عارف تب تک قمر الطاف کے سامنے نہیں گیا تھا جب دلنواز احمد کی بیٹی اس کے ساتھ براجمان تھی۔ جیسے ہی اس کی بیٹی وہاں سے گئی تھی، عارف اس کے سامنے چلا گیا تھا پھر ایک ایک کر کے گرہ کھلنے لگی اور قمر الطاف بڑے آرام سے اس کی مٹھی میں آگیا۔

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ تھی کہ راشد نے اپنے مفاد کے لیے کمپنی سے پیسہ لیا تھا مگر زیادہ نقصان قمر الطاف اس کمپنی کو پہنچا رہا تھا۔ وہ بھی بڑی ہوشیاری اور خاموشی سے.....! اور اب عارف کے ہاتھوں بلیک میل ہو رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عارف نے سوچ لیا تھا کہ وہ دلنواز احمد کو اپنے انتقام کا نشانہ بنا کر اس معاملے کو سات دنوں میں سمیٹ کر اپنی راہ چل دے گا۔ دوسری طرف منصور کو بھی وہ اس کا حق دلانا چاہتا تھا جس سے اس کا سوتیلا باپ سب کچھ چھین کر سانپ کی طرح کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔

دلنواز احمد نے اپنے آفس میں جو سیٹ عارف کو بیٹھنے کے لیے دی تھی، وہ ایسی جگہ تھی جہاں بیٹھ کر وہ سب پر نگاہ رکھ سکتا تھا۔ عارف اس کرسی پر بیٹھنے کے بعد دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ اس کا لگایا ہوا نشانہ ٹھیک جگہ پر بیٹھ گیا تھا۔ دلنواز احمد کو کچھ سوچنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا اور عارف کو اس کے آفس میں گھسنے کا موقع مل گیا تھا۔

اس نے اپنا موبائل فون نکالا اور کچھ دیر کے بعد دوسری طرف سے منصور کی آواز آئی۔

''کہاں ہو منصور؟'' عارف نے پوچھا۔

''تمہارے آفس میں ہوں۔'' منصور نے جواب دیا۔

''کام ٹھیک چل رہا ہے؟'' عارف نے پوچھا۔

''ہاں!'' منصور نے مختصراً کہا۔

''تم تیاری کرلو، ایک کھیل کھیلنے جا رہا ہوں، کسی کی بربادی ہوگی تو کسی کو اس کا کھویا ہوا حق مل جائے گا۔'' عارف کا لہجہ معنی خیز تھا۔

''کیا کرنے جا رہے ہو؟'' منصور نے جاننا چاہتا۔

''بس دیکھتے جاؤ ہوتا کیا ہے، تمہاری سائرہ تو اوپر چلی گئی۔'' عارف بولا۔

''ہاں..... اخبار میں خبر پڑھی تھی، یہ سب کیسے ہوگیا۔''

''وہ ایک حادثہ تھا لیکن وہ حادثہ کسی کے لئے وبال بن گیا ہے، ابھی دیکھنا اور کیا ہوتا ہے۔''

''عارف! مجھے میرا حق چاہئے، میرے باپ کو قتل کیا گیا تھا، اس کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے، مجھے یہ بھی جاننا ہے۔'' منصور بولا۔

''صرف سات دن میں تم اپنے آفس میں ہوگے۔'' عارف نے پُراعتماد لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

نوشین اپنے کام میں مصروف تھی لیکن وہ عارف کے لگائے زخم کو ایک پل کے لیے بھی نہیں بھول پا رہی تھی۔ اس نے جہانگیر کو اس کی تلاش پر مامور کیا تھا لیکن جہانگیر اس کو محض دلاسے ہی دے رہا تھا۔ وہ عارف کو تلاش کرنے کی کوشش تو کر رہا تھا لیکن ایسی نہیں کہ جس سے وہ اسے زمین کے اندر سے کھینچ کر باہر نکال لائے۔ وہ کچھ ایسے معاملات میں الجھا ہوا تھا کہ اس کی توجہ عارف کو تلاش کرنے میں صرف نہیں ہو رہی تھی۔ دوسری اس کی کوشش یہ تھی کہ اس کے سر پر جتنے کیس ہیں اور جس کی پیروی کے لیے وہ عدالتوں کے چکر کاٹ رہا ہے، اس کی گرفتاری سے قبل وہ نوشین کو اپنی بیوی بنا کر اپنے گاؤں کی حویلی میں لے جائے۔

کچھ دیر قبل ہی نوشین کو ملازم نے یہ اطلاع دی تھی کہ جہانگیر صاحب آئے ہیں۔ اس کا نام سنتے ہیں نوشین کا منہ بن گیا تھا۔ اس کی ماں جو ساتھ بیٹھی ہوئی تھی، اس نے ملازم کو حکم دیا کہ وہ جہانگیر کو ڈرائنگ روم میں بٹھائے، وہ ابھی آتی ہے۔

ملازم کے چلے جانے کے بعد نوشین کی ماں اس کے قریب ہوگئی۔

''تم ایک کام کیوں نہیں کرتی ہو؟''

''کیا کام کروں؟'' نوشین نے بیزاری سے پوچھا۔

''اپنا نقصان اس گدھے سے پورا کیوں نہیں کرتی جو تمہاری محبت میں الو بننے کے لیے تیار ہے۔'' اس کی ماں نے کہا۔

''کیا مطلب ہے تیرا اماں؟'' نوشین چونکی۔

''میں سمجھاتی ہوں، تم وہی کرو۔'' یہ کہہ کر اس کی ماں نوشین کو اپنا منصوبہ بتانے لگی جسے سن کر نوشین کا چہرہ کھل گیا۔ اس کی ماں ایسا منصوبہ بنائے گی، اس بارے میں اس نے

سوچا بھی نہیں تھا۔ جب اس کی ماں نے اپنی بات ختم کی تو نوشین اٹھ کر تیار ہونے کے لیے چلی گئی۔

کچھ دیر کے بعد وہ جہانگیر کے سامنے کھڑی تھی لیکن اس کے چہرے پر ایسی اداسی تھی کہ جہانگیر دیکھتے ہی پریشان ہوگیا تھا۔

''اتنا مرجھایا ہوا چہرہ......؟ نصیبِ دشمناں کیا ہوا؟'' جہانگیر نے پوچھا۔ ''اتنی اداسی کی کیا وجہ ہے؟''

نوشین جہانگیر کے پاس بیٹھ گئی اور اس نے کہا۔ ''آپ کو کیا، آپ کے ذمے ایک کام لگایا تھا، آپ نے کونسا وہ پورا کر دیا۔''

جہانگیر نے وہ کام ایک لمحے کے لیے یاد کیا اور پھر مسکرا کر بولا۔ ''وہ کام ہوا ہی سمجھو!''

''جب جان چلی جائے گی تب ہوگا۔'' نوشین نے ایک ادا سے کہا۔

''جان جائے تمہارے دشمنوں کی!'' جہانگیر بولا۔

''دشمن تو جان لینے پر تلا ہوا ہے، اس کی جان کہاں جائے گی۔'' نوشین بولی۔ ''لگتا ہے مجھے ہی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔''

''کون دشمن جان لینے پر تلا ہوا ہے، مجھے بتاؤ، اس کی ہڈی پسلی ایک نہ کر دوں تو نام جہانگیر نہیں ہے۔'' وہ ایک دم غصے میں آ گیا۔

''رہنے دیں، پہلے ہی بتا کر کونسا فیض مل گیا ہے۔'' نوشین نے منہ بنایا۔

''تم مجھے طیش مت دلاؤ'' جہانگیر نے اس کی طرف دیکھا۔

''بات طیش دلانے کی نہیں ہے، بات وہی ہے جو سچ ہے۔'' نوشین نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

''کہا تو ہے کہ میں اس کو ڈھونڈ رہا ہوں، کیا تمہیں کوئی تنگ کر رہا ہے، کوئی دھمکی دھمکی لگا رہا ہے؟'' جہانگیر بولا۔

''وہ سامنے آئے گا تو دھمکی لگائے گا، وہ تو سب سمیٹ کر چلا گیا۔ دھمکی تو وہ دے

رہا ہے جس کا پیسہ میری وجہ سے گیا ہے۔" نوشین نے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"میرے کہنے پر پروڈیوسر نے اس کے ساتھ پروڈکشن ہاؤس کھولنے کے لیے پیسہ لگایا تھا، میری ضمانت تھی۔ اب وہ پروڈیوسر میری جان کو آیا ہوا ہے، مجھے تنگ کر رہا ہے، اپنا پیسہ مانگ رہا ہے، میرا جینا دوبھر کیا ہوا ہے اس نے!" نوشین نے پریشان ہو کر کہا۔

"ہے کون وہ......؟ اس کے سر میں گولیاں اتار کر اس کا کام تمام کر دیتا ہوں، ہمیشہ کے لیے اس کی زبان کو چپ کر دیتا ہوں۔"

"بس آپ کے پاس کسی بھی مسئلے کا حل گولی ہی ہے، آپ اس کو گولی مار دیں تاکہ میں پھانسی چڑھ جاؤں؟"

"تم کیوں پھانسی چڑھو گی۔"

"سب جانتے ہیں کہ میری ضمانت پر اس نے پیسہ دیا تھا۔ کل کو اس کو کچھ ہوگا تو انگلی مجھ پر اٹھے گی۔ پولیس میری جان کو آئے گی، جائیں اور اس کو گولی سے بھون دیں تاکہ میرا سیاپا ختم ہو۔" نوشین نے تیز لہجے میں کہا۔

اس کی بات سن کر جہانگیر سوچنے لگا۔ وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ کچھ توقف کے بعد اس نے پوچھا۔ "پھر بتاؤ کیا کروں؟"

"آپ کیا کر سکتے ہو؟" نوشین کے لہجے میں ناامیدی تھی۔ "کچھ نہیں ہو سکتا، بس میری زندگی عذاب بنی تھی، وہ بن گئی۔"

"کچھ بھی کر سکتا ہوں۔"

"باتیں ہی ہیں۔"

"باتیں نہیں ہیں۔" جہانگیر کو نوشین نے پوری طرح سے تپا دیا تھا۔

"کیا آپ ڈیڑھ کروڑ مجھے دے سکتے ہیں تاکہ میں اس کے منہ پر مار کر اپنی عزت بچا سکوں، وہ روز مجھے سیٹ پر ذلیل کرتا ہے۔" نوشین نے گرم لوہے پر چوٹ کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم پر کوئی الزام نہ آئے اس لئے گولی کی بجائے تمہاری خاطر اس کو ڈیڑھ کروڑ روپے دے سکتا ہوں۔" جہانگیر نے بھی غصے سے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

یہ سنتے ہی نوشین دل ہی دل میں مسکرائی۔ وہ اس کو گھیر کر اپنی باتوں کے گرداب میں لے آئی تھی۔ "کیا آپ واقعی مجھے پیسہ دے دیں گے؟"

"یہ جہانگیر نے کہا ہے، کسی ایرے غیرے نے بات نہیں کی، ڈیڑھ کروڑ روپیہ شام کو تمہارے گھر میں ہو گیا۔"

"میں ایک ایک پائی ادا کر دوں گی۔" نوشین نے اس کی طرف ممنون نگاہوں سے دیکھا۔

"مجھے ایک ایک پائی نہیں چاہئے۔" جہانگیر نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ "مجھے تم چاہئے۔ میں تمہیں اپنی بیوی کے روپ میں دیکھنا چاہتا ہوں، تم میرے ساتھ آج ہی نکاح کر لو اور میری بیوی بن کر میرے ساتھ رہو۔"

اس کی یہ شرط سن کر نوشین کو سانپ سونگھ گیا۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ ابھی جہانگیر کو ایسی سنائے کہ وہ اپنا سا منہ لے کر رہ جائے لیکن وہ سب کچھ اندر اندر ہی دبا کر بولی۔

"مجھے پتہ نہیں تھا کہ بیوپار کرنا آپ بھی جانتے ہیں۔"

"یہ بیوپار نہیں ہے نوشین......! میرے دل کی تڑپ ہے، اگر تم پیسے کی بات نہ کرتیں تو آج میں تم سے دل کی بات ہی کرنے کے لیے آیا تھا، یہ اتفاق ہے کہ تم نے پیسے کی بات کی اور میں نے دل کی بات کہہ دی، اس کو بیوپار کہہ کر میرے منہ پر طمانچہ مت مارو۔"

جہانگیر کے چہرے کی سنجیدگی کسی چٹان کی طرح تھی۔ اس بات کو اور الجھانے کی بجائے اس نے کہا۔ "میں آپ سے نکاح کے لیے تیار ہوں۔"

اس کی بات سن جہانگیر خوش ہو گیا۔ "واقعی؟"

"ہاں......! لیکن آج پہلے پیسے دے دیں تاکہ اس کے منہ پر ماروں، کل ہم نکاح کر لیں گے۔" نوشین نے معصومیت سے کہا۔ وہ پیسہ پہلے اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی تھی۔

جہانگیر کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ اسی خوشی میں پاگل ہوا وہاں سے چلا گیا۔ نوشین نے اس کے جاتے ہی کسی ناگن کی طرح اپنے آپ سے کہا۔ ''پیسہ میرے ہاتھ میں آ جائے، تیرا ایسا انتظام کروں گی کہ اپنی ٹوٹی ٹانگوں کے ساتھ کسی چوک میں پڑے دکھائی دو گے۔ تمہارے دیئے ہوئے پیسے میں سے کچھ خرچ کر کے تمہیں اپاہج بنا دوں گی۔''

☆......☆......☆

اظہر حسین نے اپنے سامنے رکھی ہوئی فائل کو بند کیا اور مسکراتے ہوئے اپنے بیٹے عرفان کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''بینک اکاؤنٹس پیسے سے بھرے ہوئے ہیں، وسیع جائداد ہے اور یہ فیکٹری وہ آبشار ہے کہ پیسہ پانی کی طرح بہہ رہا ہے، ہر چیز کو اپنی نگاہ میں رکھو۔ میں بہت جلد زاہدہ بیگم کے نام کے بینک اکاؤنٹس تمہارے نام منتقل کرنے کی ایسی چال چلوں گا کہ وہ مجبور ہو جائے گی ایسا کرنے پر، پھر ہم اس پیسے کو جیسا چاہیں گے، استعمال کر سکیں گے۔''

''میں نے بہت کچھ جان لیا ہے اور بہت کچھ جاننے کی کوشش میں ہوں بس چیک سائن کرنے کا اختیار بھی مجھے مل جائے تو پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' عرفان نے کہا۔

''مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے میں سمندر کے کنارے پیاسا بیٹھا ہوا ہوں۔''

''تم فکر مت کرو۔ میں نے کبھی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہیں۔'' اظہر حسین مسکرایا۔

''ہم پیاسے نہیں رہیں گے۔''

''یہ جو کمپنی کا منیجر ہے لطیف بیگ...... یہ کیا چیز ہے؟'' عرفان نے پوچھا۔

''کوئی بات ہوئی ہے؟'' اظہر حسین نے اس کی طرف دیکھا۔

''مجھے بہت تیز لگتا ہے، ایسا بھی محسوس ہوتا ہے جیسے یہ بیگم صاحبہ کا مخبر ہے۔'' عرفان نے کہا۔

''تم نے یہ کیسے محسوس کیا؟'' اظہر حسین نے پوچھا۔

''میں اسے اکثر ٹیلیفون پر باتیں کرتے ہوئے ہی دیکھتا ہوں۔'' عرفان نے اپنا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شک ظاہر کیا۔

''ایسی بات نہیں ہے، وہ زاہدہ بیگم کا مخبر نہیں ہے، میری اس پر آج سے نہیں بلکہ سالوں سے نظر ہے۔ اس کے سینے میں ایک راز دفن ہے جس کی وجہ سے اس کی زبان بند رہتی ہے اور وہ اس بوجھ سے زمین کی خریداری اور فروخت کا کام کر رہا ہے۔'' اظہر حسین نے کہا۔

''وہ راز کیا ہے؟'' عرفان نے اپنے باپ کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھا۔

''تمہارا وہ راز جاننا ضروری نہیں ہے، تمہارے لئے وہ ایک فضول بات ہوگی۔'' اظہر حسین نے کہہ کر ٹال دیا۔

''منصور کے ڈیڈی کا قتل کیا سازش تھی؟'' عرفان نے اچانک سوال کر دیا۔

اس سوال کو سن کر اظہر حسین کے چہرے پر آئی ہوئی مسکراہٹ ایک دم معدوم ہو گئی اور اس نے عرفان کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ کوئی بات ہوئی تھی جو یہ سوال تمہارے ذہن میں آیا ہے؟''

''میں نے ایسے ہی سوال کیا تھا، ایک دو بار آپ کے منہ سے سن چکا ہوں کہ یہ ایک چال تھی۔''

''چھوڑو ان باتوں کو اور آئندہ ایسی بات نہ کرنا، تم اپنے کام پر دھیان دو۔'' اظہر حسین نے اس بات کو اسی جگہ ختم کرنا چاہا۔

''ڈیڈ......! جس بنگلے میں میری دوسری ماں رہتی ہیں، اس کی قیمت کیا ہوگی؟'' اچانک عرفان نے پوچھا۔

''تم اس کی ویلیو کیوں پوچھ رہے ہو؟'' اظہر حسین اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلا گیا اور باہر دیکھنے لگا۔

''بہت خوبصورت بنگلہ ہے، ایسا بنگلہ ہے کہ کوئی بھی اس میں رہنے کی خواہش کر سکتا ہے۔''

"تمہیں وہ بنگلہ بہت اچھا لگا ہے۔" اظہر حسین مسکرایا۔

"بہت ہی اچھا لگا ہے۔" عرفان نے جواب دیا۔

"اس بنگلے میں رہنا چاہتے ہو؟"

"ایسے شاہکار میں کون نہیں رہنا چاہے گا؟" عرفان نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"میرا دماغ چکی کی طرح چل رہا ہے، زاہدہ بیگم کی جھولی میں پڑی ہوئی کونسی چیز کو میں نے اٹھا کر اپنی جھولی میں رکھنا ہے، دن رات سوچتا رہتا ہوں۔ تم دیکھو گے کہ وہ بنگلہ بھی ہمارا ہو جائے گا۔"

"آپ انہیں اپنے بنگلے میں کیوں نہیں لے جاتے؟" عرفان نے پوچھا۔

"اس کا ابھی وقت نہیں آیا ہے، زاہدہ بیگم کا تنہا رہنا بہت ضروری ہے۔" اظہر حسین کی نگاہیں باہر تھیں اور لہجہ ایسا خطرناک تھا کہ عرفان کو بھی اپنے باپ کی بات کی سمجھ نہیں آئی کہ اس نے کیا بات کی ہے۔

"تنہا رہنا کیوں ضروری ہے؟"

"تم بس اپنا کام کرو اور مجھے اپنا کام کرنے دو، چلو فائلوں پر جھک جاؤ، زاہدہ بیگم آ گئی ہے لیکن یہ کیوں آئی ہے؟" اظہر حسین نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

عرفان نے ایک فائل اٹھا لی اور اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "اصل مالکن تو وہی ہیں اس کمپنی کی...... جب ان کا دل چاہے آ سکتی ہیں۔"

"یہ بھی ایک دن ختم ہو جائے گا، میں زاہدہ بیگم کو لابی میں ہی مل لیتا ہوں، وہ اس بزنس سے جتنی دور رہیں، اتنا ہی بہتر ہے۔" اظہر حسین نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ تیزی سے لابی میں پہنچ گیا۔ زاہدہ بیگم اس وقت لابی میں داخل ہوئی ہی تھی۔ وہ اظہر حسین کو دیکھ کر رک گئی۔

"کیا بات ہے اچانک یہاں؟" اظہر حسین نے حیرت کا اظہار کیا۔

 Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"مجھے فون کر کے بلا لیتیں۔"

"آپ میرے ساتھ آئیں۔" زاہدہ بیگم نے کہا اور دونوں آفس کے میٹنگ ہال میں چلے گئے۔ زاہدہ بیگم کچھ پریشان تھی اور اظہر حسین اس کا جائزہ لے رہا تھا۔

"کیا بات ہے پریشان دکھائی دے رہی ہیں آپ......؟"

"مجھے منصور کی یاد آ رہی ہے، میں چاہتی ہوں کہ منصور کو بلا کر اس کی غلطیوں کو معاف کر دوں اور اسے اپنے گھر واپس لے آؤں۔ میں نے فارم ہاؤس رابطہ کیا تھا، پتہ چلا کہ وہ وہاں سے کہیں چلا گیا ہے۔" زاہدہ بیگم کا لہجہ مغموم تھا۔

زاہدہ بیگم کی یہ بات سن کر اظہر حسین کو اچھی نہیں لگی۔ وہ ماں اور بیٹے میں خلیج دیکھنا چاہتا تھا۔ منصور کی واپسی اس کی منصوبہ بندی میں رکاوٹ ڈال سکتی تھی۔ بڑی ہوشیاری سے تو اس نے ماں اور بیٹے کو الگ کیا تھا۔

اس نے کہا "میں سمجھ سکتا ہوں کہ آپ ایک ماں ہیں اور ماں کا دل نرم ہوتا ہے لیکن یہ صلح محض آپ کا ایک خیال ہے۔"

"کیا مطلب ہے......؟"

"میں آپ کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اب آپ نے بات کی ہے تو بتا دیتا ہوں کہ منصور نے فون پر مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دی ہے، ابھی میں عرفان سے اس سلسلے میں ہی بات کر رہا تھا۔" اظہر حسین نے ایک اور تیر چھوڑا۔

"اس نے دھمکی دی ہے؟" زاہدہ بیگم چونکی۔

"ہاں......! اس کے دل میں جو نفرت ہے، وہ اس نے آج نکالی ہے۔" اظہر حسین نے نئی چال چل دی۔

"کیا وہ اتنا ہی بگڑ گیا ہے؟"

"میرے لئے یہ بات سر درد بن گئی ہے، میں اس کے الفاظ بھول نہیں سکتا، بہت سخت اور ناقابل بیان الفاظ استعمال کئے تھے اس نے!" اظہر حسین نے ایسے کہا جیسے واقعی

وہ ان الفاظ سے دکھی ہو۔

زاہدہ بیگم اس کا منہ حیرت سے تک رہی تھی۔ ''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟''

''کیا آپ کو میری بات پر یقین نہیں آ رہا؟'' جواب دینے کی بجائے اظہر حسین نے سوال کر دیا۔

''میرا مطلب ہے کہ......!'' زاہدہ بیگم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے۔ وہ دل میں کیا بات لے کر آئی تھی اور کیا سن رہی تھی۔ جس دل میں ممتا کی محبت کی خوشبو پھر سے جنم لینے لگی تھی، س بات کو سن کر منصور کے بارے میں زاہدہ بیگم تذبذب کا شکار ہو گئی تھی۔

''منصو. ہاتھ سے نکل گیا ہے، اس کی نظر میں نہ تو میری عزت ہے اور نہ ہی آپ کی......! اگر آپ کی عزت ہوتی تو وہ مجھ سے اس طرح سے بات نہ کرتا، کچھ تو آپ کا خیال کرتا۔'' اظہر حسین بولا۔

زاہدہ بیگم سوچتے ہوئے بولی۔ ''مجھے اب منصور سے ملنا ہی ہوگا، میں اس سے ملوں گی اور جاننا چاہوں گی کہ وہ چاہتا کیا ہے۔''

''آپ کو اس سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اظہر حسین نے جلدی سے کہا۔

''کیوں ملنے کی ضرورت نہیں؟ میں اس سے آمنے سامنے بات کرنا چاہتی ہوں، اس سے ملاقات کے بعد اگر مجھے اسے عاق کرنا پڑا تو پھر میں اسے عاق کر دوں گی۔''

زاہدہ بیگم نے دوٹوک :ند:ز میں کہا۔

عاق کر دینے والی بات اظہر حسین کے لئے اچھی بات تھی لیکن منصور سے ملاقات ہونے میں اظہر حسین کی چالاکی کا بھانڈا پھوٹ سکتا تھا۔

''میرا خیال ہے کہ آپ منصور سے ملنے کا ارادہ ترک کر دیں۔ ابھی ہمیں سوچ کر فیصلہ کرنا ہوگا۔''

''اب سوچنے کا وقت گزر گیا ہے۔''

''جلد بازی میں بات بگڑ بھی سکتی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''اس بگڑی ہوئی بات کو سنوارنے کے لیے ہی تو میں نے اس سے ملنے کا فیصلہ کیا ہے، مجھے وہ نمبر چاہئے جس سے اس نے آپ کو فون کیا تھا کیونکہ اس کا اپنا نمبر بند ہے۔''

زاہدہ بیگم اپنی بات پر قائم تھی۔

''وہ نمبر بھی بند ہے، ایسی باتیں ذاتی نمبر سے نہیں کی جاتی ہیں۔'' اظہر حسین نے کہا۔ ''اس کے لیے دوسرے نمبر استعمال میں لا۔ ے جاتے ہیں۔''

''پھر میں منصور سے کیسے مل سکتی ہوں؟''

''اگر آپ بضد ہیں تو میں کچھ کرتا ہوں، آپ گھر چلیں اور اپنے دماغ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں۔'' اظہر حسین نے پیار سے کہا اور زاہدہ بیگم کو اس کی گاڑی تک چھوڑنے کے لیے چلا گیا۔

جونہی وہ زاہدہ بیگم کو اس کی گاڑی میں بٹھا کر مڑا اس کا موبائل فون بجنے لگا۔ اظہر حسین نے موبائل فون نکال کر پہلے اسکرین پر آنے والا نمبر دیکھا اور پھر آن کر کے بولا۔ ''ہیلو......!''

''کیسے ہیں آپ اظہر حسین......؟'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''سوری! میں آپ کو پہچان نہیں پایا۔'' اظہر حسین آواز پہچاننے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

''آپ اتنی جلدی بھول گئے...... ابھی کل کی تو بات ہے، ہماری ملاقات ہوٹل کے کمرہ نمبر دو سو اسی میں ہوئی تھی۔''

اظہر حسین یہ سنتے ہی ایک دم چونکا۔ ''ارے آپ......! کہاں سے بول رہے ہیں آپ؟''

''آپ کے شہر میں ایک کام سے آیا تھا، سوچا آپ سے بھی ہیلو ہائے کر لوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''ہانگ کانگ سے کب آئے آپ؟''

''دو دن سے آپ کے شہر میں ہوں۔''

"کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

"اپنے اسی ہوٹل کے کمرہ نمبر بیالیس میں!"

"میں آج ہی ملتا ہوں۔ بڑے وقت پر آئے ہیں۔ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔" اظہر حسین نے فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

سمعیہ گھر میں اکیلی آرام کرسی پر براجمان آہستہ آہستہ جھول رہی تھی۔ وہ گہری سوچ میں تھی۔

سمعیہ سوچ رہی تھی کہ اس نے عارف کے ساتھ شادی کر کے کیا اچھا کیا ہے، اس کا فیصلہ غلط تو نہیں ہے۔ جب سے عارف نے اپنے بارے میں سب کچھ سمعیہ کو صاف صاف بتا دیا تھا تب سے وہ اپنے دل میں یہ ضرور سوچتی تھی کہ عارف جس راہ کا مسافر ہے، اس کی وجہ سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ وہ اپنے بھائی سے چھٹکارا پانے میں کامیاب تو ہو گئی تھی لیکن عارف کے بارے میں وہ فکرمند رہنے لگی تھی۔

○○○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

......

ایک بات پر وہ مطمئن بھی تھی کہ عارف نے اس سے جھوٹ نہیں بولا۔ جو اس کے دل میں تھا، جو بات اس کے من میں تھی، وہ اس نے سچ سچ کہہ دی تھی۔ اس کے سامنے سب کچھ بیان کر دیا، اسے کسی دھوکے اور فریب میں نہیں رکھا تھا۔ اس سے کوئی بات نہ چھپا کر عارف نے اس کے دل میں اور بھی جگہ بنا لی تھی۔

اچانک سمعیہ کی نگاہ اس دراز کی طرف چلی گئی جہاں وہ موبائل فون پڑا تھا جو آف تھا اور عارف نے اس سے کہا تھا کہ وہ جب بھی اپنے بھائی سے بات کرنا چاہے تو اس موبائل فون سے بات کر سکتی ہے۔ عارف نے منع کیا تھا کہ وہ ابھی اپنے بھائی کو اپنے گھر کا پتہ نہ بتائے ورنہ وہ اس کی غیر موجودگی میں اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔

سمعیہ نے سوچا وہ اپنی بھابی سے بات کر کے گھر کے حالات معلوم کرے۔ اس کی بھابی اس کی ہمدرد دوست ہے۔ وہ اسے اپنے گھر کے بارے میں نہیں بتائے گی لیکن بات تو کر سکتی ہے۔

یہ سوچ کر سمعیہ نے دراز سے موبائل فون نکالا اور اسے آن کر دیا پھر اس نے اپنی بھابی کا نمبر ملایا۔ بیل جانے لگی۔ کچھ دیر کے بعد رابطہ ہوتے ہی اس کی بھابی کی آواز آئی۔

"ہیلو......ہیلو......!"

سمعیہ چپ رہی۔ دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔

"ہیلو......کون......؟"

"بھابی میں بول رہی ہوں سمعیہ......!" وہ بولی۔

"ارے سمعیہ تم......؟ کہاں سے بول رہی ہو؟" اچانک دوسری طرف سے نادرہ نے چونک کر پوچھا۔

"آپ کیسی ہیں بھابی......!" سمعیہ نے سوال کیا۔

"میں تو ٹھیک ہوں، تم اپنی سناؤ؟" نادرہ نے کہا۔

"بھائی کیسے ہیں؟" سمعیہ نے پوچھا۔

"وہ بھی ٹھیک ہیں۔ تم اپنے بارے میں بتاؤ کہ تم کیسی ہو، کہاں ہو؟" نادرہ اس کے بارے میں فوراً جاننا چاہتی تھی۔

"میں اپنے گھر میں ہوں۔" سمعیہ بولی۔ "اور خوش ہوں۔"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟" نادرہ نے پوچھا۔

"وقت آنے پر بتاؤں گی۔" سمعیہ ٹال گئی۔

"کیا تم مجھ سے بھی چھپاؤ گی۔ میں تو تمہاری دوست ہوں، تمہاری ہمدرد ہوں، تمہارے بھائی جیسی نہیں ہوں۔" نادرہ نے کہا۔

"میں آپ کو پھر بتاؤں گی۔ بھائی کا غصہ کم ہوا کہ نہیں؟" سمعیہ نے پوچھا۔

"ان کا غصہ آسمان پر ہی رہتا ہے۔ تم مجھ سے ملو تو سہی، میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ میں تمہارے بغیر اداس ہوگئی ہوں۔ میں تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں۔" نادرہ مضطرب بولی۔

"میں پھر فون کروں گی۔"

"کیا مجھ سے ملنا نہیں چاہتی ہو؟"

"ملنا چاہتی ہوں۔"

"پھر کیا وجہ ہے......؟"

"بھابی! ابھی میں اپنے بارے میں کچھ بتا نہیں سکتی، ہاں میں اپنے شوہر کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوش ہوں۔" سمعیہ نے کہا۔

"وہ کون ہے جس سے تم نے شادی کی ہے؟" نادرہ نے جاننا چاہا۔ "کیا مجھ سے نہیں ملواؤ گی؟"

"وقت آئے گا تو آپ ان سے بھی مل لیں گی۔" سمعیہ بولی۔ "ابھی شاید مناسب وقت نہیں ہے۔"

"لیکن مجھ سے ایک بار مل تو لو۔ تم میری بہن ہو۔ میری دوست ہو۔ تمہارے بھائی کو کچھ نہیں بتاؤں گی وعدہ۔" نادرہ کی التجا میں مکر وفریب تھا۔ وہ یہ جاننا چاہتی تھی کہ سمعیہ کہاں ہے، اس کے گھر کا کیا پتہ ہے۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ میری دوست ہیں۔ آپ نے میری مدد کی ہے۔" سمعیہ سوچ رہی تھی کہ وہ بھابی کو اپنے گھر کا پتہ بتا دے؟ ایک بار اپنی بھابی سے مل لے کیونکہ وہ اس کی ہمدرد ہے۔ "بھابی میں پھر فون کروں گی۔"

سمعیہ جب کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی تو اس نے اتنا کہہ کر فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

عارف نے مکمل منصوبہ بندی کر لی تھی۔

وہ دلنواز احمد کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے پوری تیار کر چکا تھا۔ اس نے منصور کو بھی اچھی طرح اپنے منصوبے سے آگاہ کر دیا تھا۔ منصور حیران تھا کہ عارف کا دماغ کس قدر تیز ہے کہ اس نے ایک ساتھ تین لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر انہیں برباد کرنے کی ٹھان لی ہے۔

دلنواز احمد کا ایک پاؤں اگر اپنے آفس میں تھا تو دوسرا پاؤں وکیل کے چیمبر میں ہوتا تھا۔ وہ راشد کی رہائی کے لیے بھی بھاگ دوڑ کر رہا تھا۔ دلنواز احمد کے دوسرے بیٹے، عارف کو اپنی کمپنی میں نوکری دینے پر ناراض تھے۔ دلنواز احمد نے انہیں یہ کہہ کر فی الحال چپ کرانے کی کوشش کی تھی کہ عارف کا ساتھ چند دنوں کے لئے لینا اس کے لئے ناگزیر

ہے۔دلنواز احمد کے بیٹوں کو اپنے باپ کی یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔وہ باپ کے سامنے خاموش رہ گئے تھے لیکن آپس میں وہ اس پر تبصرہ ضرور کر رہے تھے۔وہ عارف کو جب بھی دیکھتے تھے قہر آلود اور نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تھے جبکہ عارف اس صورت حال سے دل ہی دل میں لطف اندوز ہوتا تھا۔

یہ بات راشد کے کانوں تک بھی اس کے بھائی نے پہنچادی کہ عارف ان کی کمپنی میں جاب کر رہا ہے۔راشد یہ سن کر حیران ہوا۔

جب دلنواز احمد اپنے وکیل کے ساتھ راشد سے ملاقات کے لئے آیا تو راشد نے پہلا سوال عارف کے بارے میں کیا۔اس کا سوال سن کر دلنواز احمد سوچنے لگا کہ وہ اس کی بات کا کیا جواب دے؟ جب راشد نے استفسار کیا تو دلنواز احمد کو کہنا پڑا۔

''کمپنی میں کچھ گڑ بڑ ہو رہی ہے۔کچھ لوگ کسی کے آلہ کار بن کر ہماری کمپنی کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ان کے بارے میں عارف جانتا ہے۔اس لئے وہ کچھ دنوں کے لئے ہمارے کمپنی میں کام کر رہا ہے۔وہ ہمارے ایک ملازم کی طرح کام کر رہا ہے۔میں اس سے مطلب نکالنا چاہتا ہوں۔''

''وہ کیسے جانتا ہے کہ ہماری کمپنی میں کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا ہے۔'' راشد کو یہ سن کر حیرت ہوئی۔

''وہ جانتا ہے۔'' دلنواز احمد نے بات ختم کرنا چاہی۔

''مگر کیسے جانتا ہے۔'' راشد نے تقاضا کیا۔

''مجھے کچھ باتیں اس نے بتائی ہیں جو سچ ثابت ہوئیں ہیں۔وہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ بہت کچھ جانتا ہے۔'' دلنواز احمد بولا۔''اس کے علم میں کچھ باتیں ہیں جو شدت کے ساتھ مجھ تک پہنچیں گی اور پھر ان کالی بھیڑوں کا پتہ چل جائے گا۔''

''یہ اس کا فریب ہے۔'' راشد کو یقین نہیں آیا۔''میں اس کی باتوں کو نہیں مانتا۔ آپ کو بھی اس کی کسی بات پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔''

راشد کی بات سن کر دلنواز احمد نے اس کا چہرہ دیکھا اور بولا۔''اگر فریب ہوا تو وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سزا سے بچ نہیں سکے گا۔لیکن جو باتیں اس نے کہی ہیں وہ سچ ہیں۔مجھے اس کا کام ابھی روکنا نہیں ہے۔''

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے کیا بتایا ہے۔'' راشد نے پوچھا۔''آخر مجھے بھی تو پتہ چلے۔''

دلنواز احمد اپنے بیٹے کی بے چینی دیکھ کر مضطرب ہو رہا تھا۔''یہ مناسب جگہ نہیں ہے کہ ہم اس موضوع پر بات کریں۔یہ ہمارے آفس کی باتیں جو ہم اطمینان سے آفس میں بیٹھ کر کریں گے،ہمارے کمپنی کا سب سے زیادہ قابل اعتماد،قابل بھروسہ قمر الطاف اس کی نگرانی پر مامور ہے۔''

راشد نے سلاخوں کے پیچھے بے چین ہوتے ہوئے کہا۔''مجھے اس جگہ سے رہائی کب ملے گی۔''

''کم بخت پولیس والے نے کیس ہی ایسا بنا دیا ہے کہ تمہاری ضمانت نہیں ہو رہی ہے۔پیسہ پانی کی طرح بہا رہا ہوں۔تعلقات بھی آزما رہا ہوں۔لیکن سب لوگ مطلبی ہیں۔'' دلنواز احمد نے ہاتھ جھٹکا۔

''مجھے لگتا ہے اس تھانیدار کو مجھ سے کوئی دشمنی تھی۔اس نے کچھ دیکھے بغیر مجھ پر دفعات لگا دیں۔'' راشد نے کہا۔''اتنی جلدی تو کوئی بھی نہیں کرتا۔ایسا لگتا ہے جیسے وہ میرے ہی انتظار میں بیٹھا تھا۔''

''یہ سچ ہے کہ اس نے بہت جلدی دکھائی ہے۔تم فکر مت کرو،سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' دلنواز احمد نے حوصلہ دیا۔

''مجھے تو معاملہ خراب ہوتا نظر آ رہا ہے۔'' راشد بولا۔''ایسا لگتا ہے کہ میں جیل میں ہی پڑا پڑا سڑ جاؤں گا۔''

''سب ٹھیک ہو جائے گا؟'' دلنواز احمد نے کہا۔

''ہماری کمپنی میں عارف بھی آ گیا ہے۔اس کی موجودگی میرے جسم میں آگ بھڑکا رہی ہے۔'' راشد نے ایک بار پھر عارف کا ذکر چھیڑ دیا۔

"تم ایسا کیوں سوچتے ہو۔ وہ ہم پر حکم چلانے کے لئے نہیں آیا ہے۔ وہ ہمارا ملازم ہے۔ ہمارا تنخواہ دار، وہ ہمارے لئے کام کر رہا ہے۔ کام کرے گا تنخواہ لے گا۔ ورنہ میری ایک ٹھوکر اسے باہر کردے گی۔ اس کی بات غلط ثابت ہوئی تو اس کو اپنی کمپنی اسٹاف کے سامنے ذلیل کروں گا کہ وہ ساری زندگی یاد رکھے گا۔" دلنواز احمد کا لہجہ درشت ہو گیا تھا۔

"لیکن تم بار بار اسے باہر کرنے کی بات کیوں کر رہے ہو۔ کیا تم کو میری بات کی سمجھ نہیں آرہی ہے۔ کیا مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔"

"آپ اس کو ابھی باہر کیوں نہیں کر دیتے۔ مجھے نفرت ہے اس سے۔" راشد نے ہاتھ سلاخوں پر مارا۔

"تم اس پر بضد کیوں ہو؟" دلنواز احمد نے اس کی طرف مشکوک نگاہوں سے دیکھا۔

"مجھے اس کے وجود سے نفرت ہے۔" راشد نے کہا۔

"مجھے کچھ دن دو۔ اس کے بعد سب کچھ سامنے آجائے گا۔" دلنواز احمد کا دل پہلے ہی عارف نے شکوک سے بھر دیا تھا۔ راشد کی بات سے اس کے شکوک کو مزید تقویت ملی تھی۔

"مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرا یہاں آنا بھی اس کی ہی کوئی سازش ہے۔ وہ کہتا تھا کہ وہ میرے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لے گا۔" راشد نے اپنے دل میں پلنے والا شک باہر نکالا۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ ایسا کر سکتا ہے؟ اس کی اتنی جرأت ہو سکتی ہے۔" دلنواز احمد نے پوچھا۔

"میرا شک ہے۔"

"یہ محض شک ہے۔ وہ ایسا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ مجھے اس نے بتایا تھا کہ اس نے اویس کی بہن سے شادی کر لی ہے۔" دلنواز احمد کے منہ سے نکلا۔

"اس کی بہن سے اس نے شادی کر لی ہے؟" راشد کے لئے یہ انکشاف حیران

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کن تھا۔

ایک دم اسے عارف کی کہی ہوئی تمام باتیں یاد آنے لگیں۔ سب کچھ اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔ سمعیہ سے اس کی شادی جو اس نے اور اویس نے خفیہ رکھی ہوئی تھی اس کا علم عارف کو کیسے ہوا؟ وہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہی تھیں کہ عارف نے وہ سب سمعیہ سے ہی معلوم کیا ہوگا لیکن سمعیہ کی شادی عارف سے کیسے ہوگئی؟ یہ سوچ کر راشد پریشان ہو گیا تھا۔ ایک ایسی بے چینی نے اس کو گھیر لیا تھا کہ وہ لمحہ بہ لمحہ حیرت کے سمندر میں اترتا جا رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" جب دلنواز احمد نے اس کا اچھی طرح سے جائزہ لے لیا تو پوچھا۔

"یہ سب کیسے ہو گیا۔ اس کی شادی سمعیہ سے کیسے ہوگئی۔ میرے لئے یہ بات ناقابلِ یقین ہے۔" راشد کو یقین نہیں آرہا تھا۔

"اس نے بتایا ہے کہ اس کی شادی محبت کی ہے۔ محبت اندھی ہوتی ہے۔ اس لئے دونوں کی شادی ہوگئی۔ محبت کی آنکھیں ہوتیں تو کبھی عارف اس سے شادی کرنا تو دور کی بات ہے بات بھی نہ کر پاتا۔" دلنواز احمد نے کہا۔

"ڈیڈی آپ اس سے ہوشیار رہیے گا۔ مجھے اس کی ہر بات فریب دکھائی دے رہی ہے۔" راشد نے خبردار کیا۔

"میں اس پر نگاہ رکھوں گا۔" دلنواز احمد نے سوچتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

"لیکن اسے ایک بار آزماؤں گا ضرور۔" دلنواز احمد نے اتنا کہہ کر ترچھی نگاہ سے راشد کی طرف دیکھا، جو ابھی تک مضطرب تھا۔

☆......☆......☆

عارف کی نگاہیں دروازے کی طرف ہی تھیں۔ جونہی قمر الطاف باہر نکلا، عارف اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

قمر الطاف نے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''کیا بات ہے خیریت تو ہے۔''

''کیا تم مجھے اپنی گاڑی میں ڈراپ کر سکتے ہو۔'' عارف نے پوچھا۔ ''زیادہ دور نہیں جانا۔''

''کیوں نہیں۔'' قمر الطاف نے کہا اور دونوں چلتے ہوئے کار میں بیٹھ گئے۔ کار جب سڑک پر دوڑنے لگی تو قمر الطاف نے پوچھا۔ ''کہاں جانا ہے؟''

''کہیں بھی اتر جاؤں گا۔ تم گاڑی چلاتے رہو۔'' عارف نے لاپرواہی سے کہا۔

قمر الطاف نے گاڑی چلاتے ہوئے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا تو عارف نے ایک دم سوال کیا۔ ''ملاقات کا وقت ہو رہا ہے؟''

اس کا سوال سن کر قمر الطاف چونکا۔

''ملاقات کا؟''

''دلنواز احمد کی بیٹی رابعہ سے ملاقات کی بات کر رہا ہوں۔ ویسے یہ چکر کب سے چل رہا ہے۔'' عارف نے وضاحت چاہی۔

''ابھی شروع ہی ہوا تھا۔'' قمر الطاف بیوی بچوں والا تھا۔ گھبراہٹ اس کے چہرے پر آ گئی تھی۔

''مجھے تو یہ پرانا چکر لگتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری وجہ سے ہی رابعہ طلاق لے رہی ہے۔ تم دونوں خفیہ شادی کرنا چاہتے ہو۔'' عارف نے پراعتماد انداز میں تیر چھوڑا جو عین نشانے پر جا لگا۔ ''تم شادی کے بعد داماد بن کر سسر جی کا مال مزید اپنے ہاتھ میں کرنا چاہتے ہو۔ تمہاری بیوی بھی اچھی فیملی سے ہے۔ لیکن تم چالاک ہو۔ ابھی کچھ ظاہر نہیں کرنا چاہتے ہو۔ شادی کے بعد سوتن قبول ہو ہی جاتی ہے۔''

قمر الطاف نے گھبرا کر عارف کی طرف دیکھا۔ عارف اس کی گھبراہٹ سے جواب جان گیا تھا۔ وہ مسکرایا اور بولا۔ ''دلنواز احمد کو پتہ ہے کہ ان کی ناک کے نیچے کیا ہو رہا ہے؟ سنا ہے کہ تمہاری بیوی بہت سخت مزاج ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''یہ تو بس ایک کھیل تھا۔'' قمر الطاف نے بات ٹالنا چاہی۔ ''بس ایسے ہی اچانک شروع ہو گیا۔''

''ایسے تو نہیں ہے۔ بات بہت دور تک نکل چکی ہے۔ دلنواز احمد کے داماد بن رہے ہو۔ اس کی کمپنی میں چھید کر کے اپنا بینک بیلنس بھر رہے ہو۔'' عارف نے مسکرا کر کہا۔

''دیکھو تم نے میرے ساتھ طے کیا تھا کہ تم اپنا حصہ لو گے اور مجھ پر انگلی اٹھائے بغیر اپنی راہ لو گے۔'' جب عارف دور تک جانے لگا تو اس نے واضح الفاظ میں اس کو یاد دلایا۔

''یہ تو میں ایسے ہی بات کر رہا ہوں۔ کوئی تیسرا سننے والا نہیں ہے۔'' عارف اس صورتحال سے لطف لے رہا تھا۔

''تم اس معاملے پر بات نہ کرو تو مہربانی ہو گی۔'' قمر الطاف بے چارگی سے بولا۔

''چلو دوسرے معاملے پر بات کر لیتے ہیں۔ تم دلنواز احمد کے کان میں ایک بات ڈال دو کہ عارف کی اپنی ذاتی کمپنی ہے اور اس کا آفس بھی ہے اور کسی طرح سے دلنواز احمد کو اس آفس تک لے جاؤ یا وہ خود اس آفس تک جانے پر مجبور ہو جائے۔'' عارف مطلب کی بات کی طرف آتا ہوا بولا۔

''کس آفس تک؟'' قمر الطاف نے پوچھا۔

''میرا آفس راشد کے نئے آفس کے برابر میں ہے۔'' عارف نے بتایا۔

''ٹھیک ہے، میں کل بتا دوں گا۔'' قمر الطاف بولا۔

''کل نہیں ابھی فون کرو اور یہ بتاؤ کہ تمہیں پتہ چلا ہے کہ عارف کا ذاتی آفس ہے۔ اس کا اپنا کاروبار ہے۔ پھر وہ اس کمپنی میں کیا کر رہا ہے اور یہ بات شک کے انداز میں کرنا۔'' عارف نے کہا۔

''میں ابھی فون کر دیتا ہوں۔ اگر وہ پوچھیں کہ مجھے کیسے پتہ چلا تو کیا جواب دوں؟'' قمر الطاف نے پوچھا۔

''کہہ دینا کہ مجھے ایسے ہی کسی سے پتہ چلا تھا اور دوسرا کام یہ کرو کہ اپنے بھائی کو فون کرو جو لاہور میں ہوتے ہیں۔ ان سے بولو کہ وہ پانچ لاکھ روپے کا ڈرافٹ بنام راشد

بنا کر کمپنی کے ایڈریس پر آج ہی کوریئر کر دے۔ اس کے ساتھ بس ایک تحریر لکھی ہو کہ پہلا منافع قبول ہو، اس کے سوا کچھ نہیں لکھا ہوا ہونا چاہیئے۔''

''پانچ لاکھ روپے۔'' قمر الطاف گھبرا سا گیا۔

''تم اپنے بھائی کو ادا کر دینا۔ یہ کام ہونا چاہیئے۔ میں منافع کے ساتھ لوٹا دوں گا۔'' عارف نے کہا۔ ''چلو دونوں کام کرو۔''

قمر الطاف کی گردن عارف کے ہاتھ میں تھی۔ اس نے پہلے دلنواز احمد کو فون کر کے اپنے اس شک کا اظہار کیا کہ عارف کا اپنا ذاتی کاروبار ہے اور اس کا دفتر راشد کے نئے دفتر کے ساتھ ہے۔ دلنواز احمد کو اس شش و پنج میں ڈال کر اس نے اپنے بھائی کو فون کیا اور عارف کی ہدایت کے مطابق پانچ لاکھ روپے کا ڈرافٹ بنانے کی درخواست کی اور جو تحریر عارف نے کہی تھی، وہ اس پر لکھنے کی تاکید کی۔ اس کے بعد عارف نے قمر الطاف کے گال تھپتھپائے اور کار سے اتر کر چلا گیا۔

☆......☆......☆

جہانگیر اپنے ڈیرے پر بیٹھا نوشین کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ڈیڑھ کروڑ روپے کا وہ کہہ تو آیا تھا لیکن اتنی رقم اس کے پاس نہیں تھی۔ نوشین کے دو فون بھی آ چکے تھے۔ آج شام کا اس نے وعدہ کیا تھا۔

سوچتے سوچتے جہانگیر اس نتیجے پر پہنچ گیا۔ وہ نوشین کا نمبر ملانے کے بعد بولا۔

''جہانگیر کی جان کا کیا حال ہے؟''

''جان جل رہی ہے۔'' دوسری طرف سے جلے ہوئے انداز میں کہا گیا۔ ''کباب ہو رہی ہے جان۔''

''جلیں تمہارے دشمن...... میرا ڈرائیور تمہیں لینے کے لئے آ رہا ہے۔ تم اس کے ساتھ بیٹھ کر یہاں میرے پاس آ جاؤ۔'' جہانگیر نے کہا۔

''کیوں؟'' سوال ہوا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تمہاری رقم کا انتظام ہو چکا ہے۔ آؤ اور پیسے لے جاؤ۔ ساتھ بیٹھ کر ایک کپ چائے کا بھی پی لیں گے۔''

''لیکن میں کیسے آؤں؟''

''میرے ڈرائیور کے ساتھ آؤ گی۔''

''میرا مطلب ہے آپ خود آ جائیں نا۔ میری شوٹنگ کا بھی وقت ہو رہا ہے۔'' نوشین نے بہانہ کیا۔

''اسی بہانے میرے غریب خانے میں تمہارے قدم پڑیں گے تو دل خوش ہو جائے گا۔ ویسے تو تم تب ہی آؤ گی جب آؤ گی۔ تمہیں اپنی حویلی میں بلانے کا یہ ایک بہانہ ہے۔'' جہانگیر بولا۔

''جب آپ کی حویلی میں آ ہی جانا ہے تو پھر اس بہانے کی کیا ضرورت ہے۔'' نوشین بولی۔

''اس کا مطلب ہے کہ تم پہلے آنا نہیں چاہتی ہو۔'' جہانگیر نے کہا۔ ''میری اس دعوت کو قبول نہیں کر رہی ہو۔''

''میں نے یہ کب کہا ہے۔'' نوشین اس کو ناراض کر کے پیسہ ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔

''تو تم تیار ہو جاؤ۔ میرا ڈرائیور آ رہا ہے۔ ایک ایک کپ چائے پئیں گے اور پھر تم روپے لے کر چلی جانا۔ میرا دل خوش ہو جائے گا۔'' جہانگیر نے اس کا جواب سنے بغیر رابطہ منقطع کر دیا اور ڈرائیور کو اسے لینے کے لئے بھیج دیا۔

ایک گھنٹے کے اندر نوشین حویلی میں موجود تھی۔ ساتھ اس کی ماں بھی تھی۔ نوشین شاید کبھی نہ آتی لیکن مجبوری یہ تھی کہ اسے پیسہ چاہیئے تھا۔ پیسے کے لیے اس نے اس حویلی میں آنا منظور کر لیا تھا۔

جہانگیر نے پہلے تو نوشین کو اپنی ساری حویلی دکھائی، نوکروں سے ملوایا اور پھر وہ اس کی ماں کے ساتھ لان میں بیٹھ گیا۔ نوشین اس انتظار میں تھی کہ جہانگیر اس کو رقم کا بیگ

دے اور وہ اس جگہ سے نکلے، لیکن جہانگیر کی باتیں ختم نہیں ہو رہی تھیں۔

وہ ماں اور بیٹی کے اُکتائے ہوئے چہرے دیکھ رہا تھا۔ لان میں دائیں بائیں اس کے گن مین مستعد کھڑے تھے جن کی طرف دونوں ماں بیٹی کی نظریں اٹھ رہی تھیں۔ پھر ایک دم سے اس نے نوشین کی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے فیصلہ کن انداز سے کہا۔ ''میں نے نوشین سے شادی کا فیصلہ کیا ہے اور یہ شادی ابھی اسی وقت کرنا چاہتا ہوں۔''

دونوں نے جیسے ہی یہ سنا وہ دم بخود رہ گئیں۔ ایک دم ان تینوں کے درمیان سناٹا چھا گیا۔

نوشین سے پہلے اس کی ماں مسکراتی ہوئی بولی۔ ''ارے بیٹا...... نوشین تیری ہی ہے۔ اسی ہفتے اسے لے آنا اپنی حویلی میں۔ اب اتنی بھی جلدی کیا ہے۔''

''اب میری حویلی میں آئی ہے، یہ کہیں نہیں جائے گی۔'' جہانگیر کا روپ ہی بدلا ہوا تھا۔

اس بات نے نوشین اور اس کی ماں کو مضطرب کر دیا تھا۔ جس زمین پر ان کے قدم تھے وہ بھی جہانگیر کی تھی، جس چار دیواری میں وہ دونوں موجود تھیں، وہ بھی جہانگیر کی ملکیت تھی، دونوں اس کی اجازت کے بغیر باہر جانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتی تھی۔

جہانگیر کا لب ولہجہ ایسا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے، وہ حتمی ہے۔

''ایسی بھی کیا جلدی ہے۔'' نوشین نے کہنا چاہا۔

''مجھے جلدی ہے۔'' جہانگیر نے دوٹوک انداز میں کہا۔

''اس پر ہم کل بھی بات کر سکتے ہیں۔'' نوشین بولی۔ ''مجھے شوٹنگ سے دیر ہو رہی ہے۔ میرا انتظار ہو رہا ہوگا۔''

''کل کس نے دیکھا ہے۔ جانے پل میں کیا ہو جائے۔ اس لئے میں تم سے ابھی شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''جہانگیر آپ کو کیا ہو گیا ہے؟''

''بس یہ میرا فیصلہ ہے۔'' جہانگیر نے اپنی ملازمہ کو بلایا اور اسے ہدایت کی کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ان دونوں کو کمرے میں لے جائے اور نوشین کو دلہن کی طرح تیار کرے۔

''یہ کیا بکواس ہے۔ تم اس طرح نہیں کر سکتے۔'' نوشین کی ماں ایک دم غصّے سے بولی اور اکڑ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

جہانگیر نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔ ''لاکھوں روپیہ تم ماں بیٹی پر پانی کی طرح بہا چکا ہوں۔ ڈیڑھ کروڑ روپیہ نہیں دوں گا۔ بیوی بنا کر رکھوں گا اور جو کوئی اس کی طرف دیکھے گا، اس کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ یہ اس حویلی میں رہے گی۔''

''ہمیں جانے دو۔'' نوشین کی ماں نے کہا۔

''جانا ہے؟'' جہانگیر نے پوچھا۔

''ہاں، ہم نے جانا ہے۔'' نوشین کی ماں کا لہجہ درشت تھا۔

جہانگیر نے اپنے ڈرائیور کو بلایا اور بولا۔ ''ان دونوں کو جہاں سے لائے ہو، چھوڑ آؤ۔''

ڈرائیور نے اثبات میں سر ہلایا اور ان دونوں کو ساتھ لے کر پجیرو کی طرف چل پڑا۔

دونوں حیران تھیں کہ جہانگیر نے اتنی جلدی جانے کی اجازت کیسے دے دی۔

نوشین نے جاتے ہوئے جہانگیر کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ دونوں کی خواہش تھی وہ اس جگہ سے فوراً چلی جائیں۔ اس وقت نوشین کو پیسے کی نہیں اپنی جان بچانے کی فکر تھی۔

پجیرو میں سب سے پہلے نوشین کی ماں سوار ہوئی۔ عین دوسری طرف سے جہانگیر کا گن مین بیٹھ گیا اور اس نے اپنی گن کا رخ نوشین کی ماں کی طرف کر دیا۔ یہ دیکھتے ہی نوشین کی ماں دم بخود رہ گئی۔ خوف سے اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔

نوشین کو سوار ہونے سے قبل دو ملازماؤں نے پکڑ لیا تھا اور اسے زبردستی اندر لے گئی تھیں۔ نوشین کی ساری مزاحمت دھری کی دھری رہ گئی تھی۔ نوشین کی ماں کی گن مین کے آگے بولتی بند ہو گئی تھی۔

جہانگیر اس کے پاس جا کر بولا۔ ''میں نے بہت سوچا۔ میری عقل نے یہی کہا کہ

اتنی بڑی رقم لے کر مجھے کتے کی طرح دھتکار دیا جائے گا۔ میں نوشین کو بہت چاہتا ہوں۔ اس کو اپنی بیوی بنانا چاہتا ہوں۔ میرے آدمی تم کو تمہارے گھر چھوڑ آئیں گے۔ پولیس کو بتانا چاہو تو بتا دینا، کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہو تو وہ کر لینا۔ یہ ثبوت کہیں نہیں ملے گا کہ نوشین کو میں نے اپنی حویلی میں رکھا ہوا ہے۔ چند گھنٹوں میں وہ میری بیوی بن جائے گی اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ زبان بند رکھو گی تو نوشین کی سلامتی رہے گی۔"

نوشین کو حویلی کے تہہ خانے میں بند کر دیا گیا۔ جو ایک کمرے کی طرح سجا ہوا تھا۔

جہانگیر کے اشارہ پر ڈرائیور بجیر واس حویلی سے باہر لے گیا۔ یہ سارا اس کا علاقہ تھا۔ تھانہ اس کی مٹھی میں تھا۔ اس کو کوئی ڈر نہیں تھا۔ جہانگیر نے مسکرا کر دیکھا، اسی اثناء میں فون آیا کہ اس سے ملنے کے لیے ملک اسد آیا ہے۔ ملک اسد کے ساتھ اس کی ایک عرصے سے دشمنی چلی آ رہی تھی۔ دونوں کے درمیان صلح ہونے کی کوششیں ہو رہی تھیں۔ یہ ملاقات اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ جہانگیر نے اپنے ملازمین کو ہدایات دیں اور کہا کہ اسد جب تک نہ آ جائے نوشین کو فی الحال دلہن نہ بنایا جائے۔

☆......☆......☆

دونوں گروپ ڈیرے پر موجود تھے۔ ثالث بھی ساتھ تھے۔ بات صلح کی چلی تو بحث میں بدل گئی اور پھر غصے کی آگ میں تبدیل ہو گئی اور ایک دم وہاں لڑائی کا میدان گرم ہو گیا۔ اسلحہ نکل آیا، فائرنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک اودھم اور بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ اس لڑائی میں جہانگیر کو بھی دو گولیاں لگیں اور اس کے ساتھی اس کو اٹھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

شدید زخمی اور تکلیف کی حالت میں جہانگیر سوچ رہا تھا کہ اس نے ساری زندگی لڑائیاں لڑیں، دوسرے کے حق کو اپنا حق جانا، اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے کے لئے اس نے کبھی نرم دلی سے نہیں سوچا اور جو فصل وہ بوتا رہا آج وہ اسی زمین پر بہتے ہوئے خون کے ساتھ اپنے ساتھیوں کی بانہوں میں جا رہا تھا اور پھر ہسپتال جانے سے قبل اس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زندگی کی ڈور ٹوٹ گئی۔

☆......☆......☆

دلنواز احمد یہ بات سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ اگر عارف کا ذاتی کاروبار ہے اور اس کا آفس بھی ہے تو پھر وہ اس کے آفس میں کیا کر رہا ہے جبکہ اس نے کہا تھا کہ وہ شادی کے بعد اپنے گھر کا کچن چلانے سے بھی عاجز ہے۔

ایک بات تو دلنواز احمد کی سمجھ میں آ رہی تھی کہ وہ عارف کے خاندان کو جانتا تھا۔ اس کو یہ اندازہ تھا کہ ان کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ وہ اپنا ذاتی کاروبار شروع کر سکیں۔ ان کی اتنی حیثیت ہی نہیں ہے۔ پھر قمر الطاف کو کیسے شک ہوا کہ عارف کا ذاتی کاروبار ہے اور اس کا آفس راشد کے نئے آفس کے ساتھ ہے۔ بہت سوچ و بچار کے بعد دلنواز احمد نے فیصلہ کیا کہ وہ آفس میں جا کر اس بات کی تصدیق کرے گا۔

آدھے گھنٹے کے اندر دلنواز احمد اس آفس کے دروازے پر کھڑا تھا۔ عارف کو یقین تھا کہ دلنواز احمد اپنی شکی عادت سے مجبور ہو کر اس کے آفس ضرور آئے گا۔ اس وقت اسٹاف تو چھٹی کر گیا تھا، عارف ایک کمرے میں چھپا بیٹھا تھا جبکہ منصور اس کی سیٹ پر براجمان فائل کھولے بیٹھا تھا۔

منصور نے دلنواز احمد کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ دلنواز احمد نے اپنا تعارف ایک فرضی نام سے کرایا، منصور نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔ "جی فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"مجھے عارف سے ملنا تھا۔" دلنواز احمد نے کہا۔

"عارف کون؟" منصور نے حیرت کا اظہار کیا۔

"اس کمپنی کے مالک ہیں؟" دلنواز احمد کے جملے میں سوال بھی موجود تھا۔ "مجھے ان ہی سے ملنا ہے۔"

"یہ کمپنی تو میری ہے۔ اس کمپنی کا مالک میں ہوں۔ شاید آپ اس عارف کی بات

کررہے ہیں جس نے کچھ عرصہ میرے پاس کام کیا تھا۔'' منصور بولا۔

''تو کیا عارف یہاں ملازم تھا؟'' دلنواز احمد چونکا۔

''ہاں، کیا آپ کو اس نے اس کمپنی کا مالک بتایا ہے؟'' منصور مسکرایا۔

''کتنا عرصہ وہ آپ کے پاس ملازم رہا تھا۔'' دلنواز احمد نے پوچھا۔

''یہی کوئی تین، چار ماہ۔'' منصور نے جواب دیا۔ ''لیکن اصل بات کیا ہے۔ میں وہ جاننا چاہتا ہوں۔''

''اتنے مختصر عرصے کے بعد وہ کام چھوڑ گیا۔'' دلنواز احمد نے جواب دینے کی بجائے سوال کیا۔

''اسے میں نے ملازم رکھا تھا، میرے پارٹنر کو وہ ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ اس لئے عارف کو اس جگہ سے جانا پڑا۔'' منصور نے کہا۔

''آپ کا پارٹنر بھی ہے۔'' دلنواز احمد بولا۔

''جی ہاں، یہ ساتھ والا آفس بھی ان کا ہے۔'' منصور نے یہ اس انداز میں کہا جیسے یہ بات غلطی سے اس کے منہ سے نکل گئی ہو۔ اس کی بات سن کر دلنواز احمد چونکا۔

''یہ آفس تو راشد کا ہے؟'' دلنواز احمد بولا۔

''آپ جانتے ہیں ان کو؟''

''ہاں...... ایک بار ملاقات ہوئی تھی۔ کیا واقعی مسٹر راشد آپ کی اس کمپنی میں پارٹنر ہیں؟'' دلنواز احمد نے مزید تصدیق کے لیے پوچھا۔

منصور نے تذبذب کا اظہار کیا اور اس طرح ظاہر کیا جیسے اس نے یہ بات غلطی سے بتادی ہو۔ اس نے بات کا رخ بدلا۔ ''آپ کیا لیں گے ٹھنڈا، گرم......''

''مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔'' دلنواز احمد کی نگاہیں منصور کے چہرے پر تھیں۔

''میں آپ کے اس سوال کا جواب کیوں دوں؟ یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ جانے کیسے یہ بات میرے منہ سے نکل گئی۔'' منصور بڑبڑایا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کب سے پارٹنرشپ چل رہی ہے؟''

''میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتائیے، یہ میں نہیں بتا سکوں گا۔'' منصور نے صاف انکار کر دیا۔

''آپ کو بتانا ہوگا۔'' دلنواز احمد کے لہجے میں کچھ سختی کا عنصر آ گیا تھا۔

''مگر کیوں؟'' منصور بولا۔

''کیونکہ راشد میرا بیٹا ہے اور میرے علم میں لائے بغیر وہ یہ کام کر رہا ہے۔''

دلنواز احمد بلڈ پریشر کا مریض تھا۔ ایک دم اس کا غصہ بڑھ گیا۔ منصور اس کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

''آپ نے اپنا تعارف کسی اور حوالے سے کرایا تھا۔'' منصور بولا۔

''اپنا تعارف صحیح کرا دیتا تو پھر یہ سب کیسے جانتا۔ مجھے سب کچھ سچ سچ بتاؤ۔''

دلنواز احمد اس کی طرف دیکھنے لگا۔

منصور نے کچھ توقف کے بعد کہا۔ ''راشد جیل میں ہے اور آپ کے سامنے سچ میرے منہ سے نکل گیا ہے جبکہ اس نے مجھے پابند کیا تھا کہ میں یہ کسی پر بھی ظاہر نہیں کروں گا کہ ہم دونوں کی شراکت داری ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ میری زبان کیسے پھسل گئی۔''

منصور کو اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔

''مجھے اس شراکت داری کی تفصیل چاہیے۔'' دلنواز احمد کو اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں دلچسپی نہیں تھی۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ بولا۔ ''آپ میرے ساتھ ایک وعدہ کریں۔ آپ راشد کو نہیں بتائیں گے کہ آپ کو اس شراکت داری کا پتہ چل گیا ہے۔''

''میں اس کو کیوں بتاؤں گا۔'' دلنواز احمد نے کہا۔

منصور نے کچھ سوچا اور پھر دراز سے ایک فائل نکال کر دلنواز احمد کے آگے رکھ دی۔ وہ راشد اور منصور کے درمیان ہونے والے معاہدے کی کاپی تھی جو عارف نے تیار کی تھی۔

دلنواز احمد اس کو پڑھنے لگا۔

ابھی اس نے دو صفحے ہی پڑھے تھے کہ منصور بولا۔ ''میں یہ شراکت داری ختم کرنا چاہتا ہوں۔ اس کاروبار میں ہم دونوں برابر کے شراکت دار ہیں۔ کاروبار منافع میں جا رہا ہے۔ میں برطانیہ سے آیا تھا۔ اس کے ساتھ ایک دوست کی وجہ سے علیک سلیک تھی۔ کاروبار کا تجربہ نہیں رکھتا۔ راشد کسی کیس میں پھنس چکا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ کمپنی نقصان میں چلی جائے۔ اگر آپ اس کمپنی کی باگ ڈور سنبھال لیں اور میرا سرمایہ واپس کر دیں تو میں اس جگہ سے جانا چاہوں گا۔''

دلنواز احمد کی توجہ فائل سے ہٹ کر منصور پر مرکوز ہو گئی تھی۔ اسی اثناء میں منصور نے بڑے آرام سے وہ فائل اس سے لی اور اسے دراز میں رکھ کر ایک دوسری فائل اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ اکاؤنٹ کی فائل تھی، جس میں سرمایہ اور مال کی تفصیل لکھی ہوئی تھی۔

''ایک ایک چیز اس میں لکھی ہوئی ہے۔''

دلنواز احمد نے اس فائل کا جائزہ لیا اور بولا۔ ''میرے پاس حساب کتاب لکھنے والا ایک سے ایک بڑا دماغ ہے۔ مجھے یہ فائل دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تم سے پھر ملوں گا۔''

''ایسا نہ ہو کہ آپ اگلی بار آئیں تو میں سب کچھ سمیٹ کر نکل جاؤں۔'' منصور نے بڑے اطمینان سے کہا۔ دلنواز احمد اس کی بات سن کر دم بخود رہ گیا۔ منصور نے بڑے جرات سے بات کی تھی۔ اسے کوئی خوف نہیں تھا۔

دلنواز احمد نے اس کو گھورا۔ ''تم میرے بیٹے کا پیسہ سمیٹ کر نکل جاؤ گے؟''

''کونسا بیٹا...... کس کا بیٹا...... کون پارٹنر...... یہ کاروبار تو میرا ہے۔'' منصور نے جلدی سے کہا۔

''یہ فائل اس شراکت داری کا ثبوت ہے۔''

''اس فائل کی کاپی راشد کے پاس نہیں ہے۔ اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس نے مجھے اس کاروبار کے لیے مائل کیا ہے۔ میں یہ کاروبار کر کے پھنس گیا۔ شرافت اور رازداری سے کہہ رہا ہوں کہ میرا تین کروڑ مجھے دے دیں تا کہ میں چلا جاؤں۔ ورنہ کچھ نہیں ملے گا۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دلنواز احمد اس کا چہرہ دیکھنے لگا کہ اس کے سامنے بیٹھا ہوا نوجوان کس جرأت سے یہ سب کہہ رہا تھا۔ دلنواز احمد غصے سے اٹھا اور بولا۔ ''پھر بات ہو گی۔''

وہ غصے کے عالم میں باہر نکل گیا۔ ابھی وہ راہداری میں ہی تھا کہ سامنے سے قمر الطاف آتا دکھائی دیا۔ وہ دلنواز احمد کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔ قمر الطاف اس وقت یہاں عارف کے کہنے پر ہی آیا تھا۔ عارف نے اس کو ایک نیا سبق یاد کرا دیا تھا۔ مجبور ہو کر قمر الطاف وہاں آ گیا تھا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو؟'' دلنواز احمد نے چونک کر پوچھا۔

''مم...... میں سر وہ ایسے ہی کسی سے ملنے کے لیے آیا تھا۔'' قمر الطاف نے گھبرانے کی اداکاری کی۔

''اتنا گھبرائے ہوئے کیوں ہو۔''

''نن...... نہیں سر۔''

''دال میں کچھ کالا ہے۔ بتاؤ کیا بات ہے۔ یہاں کیوں اور کس لئے آئے ہو؟'' دلنواز احمد نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''سر میں آپ سے جھوٹ نہیں بول سکتا کیونکہ میں نے ہمیشہ آپ سے وفاداری کی ہے۔ سر مجھے راشد صاحب نے کسی سے فون کرا کے ایک پیغام دیا تھا۔ اس کے لئے یہاں آیا تھا۔''

''کیا پیغام بھیجا تھا اور کس نے فون کیا تھا؟''

''فون کرنے والے کا تو مجھے پتہ نہیں ہے سر بس اتنا کہا تھا کہ وہ راشد صاحب کا دوست بول رہا ہے۔ اس کی ملاقات راشد صاحب سے ہوئی تھی، راشد صاحب کا حکم تھا کہ میں مسٹر جاوید سے ملوں۔''

''جاوید کون؟'' دلنواز احمد نے پوچھا۔

''یہاں ان کا آفس ہے۔ ان کے ساتھ راشد صاحب کی شراکت داری ہے۔ جاوید صاحب اس کام کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ راشد صاحب کا حکم تھا کہ میں ان سے کہوں

"وہ کام بند نہ کریں، وہ ان کا سرمایہ واپس کرنے کا انتظام کرتے ہیں۔"

"تم کو معلوم تھا اس معاملے کے بارے میں۔" دلنواز احمد نے سوال کیا۔

"سر مجھے تو ابھی فون کال آئی تھی اور میں حکم کی تعمیل کرنے کے لیے اس جگہ پہنچ گیا ہوں۔ میں تو ایک ملازم ہوں۔" قمر الطاف نے کہا۔

"اسے بولو کہ اپنا پیسہ لے اور دفتر سے نکل جائے۔" دلنواز احمد نے جذباتی انداز میں کہا۔

"میں بات کرتا ہوں سر۔"

"جو بات بھی ہو مجھے بتانا۔ میں تمہارا گھر پر انتظار کر رہا ہوں۔ راشد نے جو بھی کیا ٹھیک نہیں کیا۔" دلنواز احمد کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

☆......☆......☆

دلنواز احمد بڑی بے چینی سے قمر الطاف کا انتظار کر رہا تھا۔ جونہی وہ اس کے گھر پہنچا اس نے پہلا سوال کیا۔

"کیا بنا؟"

"میری تفصیل سے بات ہوئی ہے سر۔ دراصل بات یہ ہے کہ راشد اور مسٹر جاوید نے مل کر کام شروع کیا تھا۔ کمپنی منافع میں ہے۔ راشد صاحب جیل چلے گئے اور جاوید صاحب اس کاروبار کو کرنے کی سکت نہیں رکھتے ہیں کیونکہ ان کو کاروبار کرنے کا تجربہ نہیں ہے، وہ تو راشد پر تکیہ کیے تھے۔ اب جاوید صاحب نے کہا ہے کہ وہ اپنا سرمایہ لے کر اس کمپنی سے الگ ہو جائے گا ورنہ پھر اس کے ہاتھ جو آئے گا وہ سمیٹ کر نکل جائے گا۔" قمر الطاف نے تفصیل بتائی جو عارف نے اس کے دماغ میں ڈالی تھی۔

"وہ تو بھاگ جائے گا اور راشد پھنس جائے گا؟" دلنواز احمد نے تشویش سے کہا۔

"ایسا تو ہوگا سر۔ مسٹر جاوید نے دو دن کا وقت دیا ہے کہ میرا سرمایہ تین کروڑ روپے واپس کر دیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر ہم اس کو کوئی پیسہ واپس نہیں کرتے تو وہ جو کچھ اس کے ہاتھ میں آئے گا وہ لے کر نکل جائے گا اور بدنامی راشد کی ہوگی۔" دلنواز احمد سوچنے لگا۔

"بہت سا کیش راشد کے اکاؤنٹ میں ہے۔ راشد صاحب حوالات میں ہیں۔" قمر الطاف بولا۔

دلنواز احمد معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ "پھر ایسے ہی مجھے دھمکی دے رہا تھا کہ وہ سب کچھ سمیٹ کر بھاگ جائے گا۔"

"سر اگر مسٹر جاوید جو کچھ ہاتھ میں آئے گا اس کو لے کر فرار ہو جاتا ہے، اس آفس کو بند کر دیتا ہے اور مارکیٹ میں یہ افواہ پھیلتی ہے کہ یہ لوگ بھاگ گئے ہیں تو جن لوگوں کا روپیہ دینا ہے وہ سب آپ کے آفس میں آ جائیں گے اور راشد کی جان اس وقت ہی چھوٹے گی جب وہ سب کا روپیہ لوٹا دے۔"

دلنواز احمد نے اس کی بات غور سے سنی اور پھر بولا۔ "میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ ہو کیا رہا ہے۔"

"بات سیدھی ہے سر۔ مسٹر جاوید اگر سب کچھ سمیٹ کر بھاگ جاتا ہے تو بدنامی آپ کی ہے سر۔ راشد صاحب کی ہے۔ اس کو روپیہ دے کر فارغ کرنے کی صورت میں آپ اس کاروبار کو سنبھال سکتے ہیں۔ ہمارے پاس آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ ہم اس کو بہتر انداز میں چلا سکتے ہیں۔ ایک نئے بزنس کا اضافہ ہو جائے گا۔ نئی آمدنی کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔" قمر الطاف نے ہوشیاری سے کہا۔ "میں نے جائزہ لیا ہے۔ کمپنی فائدے میں جا رہی ہے۔ پیسہ کمانے کا اور موقع ہاتھ آ رہا ہے تو کیا حرج ہے۔"

دلنواز احمد سوچنے لگا۔ "اب تو کسی پر اعتبار کرنے کا وقت ہی نہیں رہا۔ مجھے راشد سے کھل کر بات کرنی ہوگی۔"

"سر راشد صاحب نے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے میرے ساتھ بات کی ہے۔ آپ ان سے بات کریں گے تو وہ مجھ پر شک کریں گے کہ میں نے راز کو راز نہیں رکھا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ راشد صاحب سے بعد میں اطمینان سے بات کر سکتے ہیں۔ فی

الحال آپ مسٹر جاوید کو اس کاروبار سے الگ کر کے اس کو آپ سنبھال لیں۔ ورنہ راشد صاحب تو پریشان ہیں ہی، ایک نئی پریشانی شروع ہو جائے گی۔" قمر الطاف نے مشورہ دیا۔

"ٹھیک ہے تم کل کا وقت طے کرو اور سارا حساب کتاب کرو اور میں اس کو چیک دے دیتا ہوں۔ ان معاملات پر راشد کے باہر آنے پر ہی بات ہوگی۔" دلنواز احمد ایک کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ اس کی بات سن کر قمر الطاف مسکرایا۔ عارف نے اسے کام ہونے پر کمیشن کا لالچ دیا تھا۔

○○○

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

عارف کی یہ چال بھی کامیاب رہی تھی۔

دوسرے دن قمر الطاف سیدھا عارف کے آفس پہنچ گیا۔ وہاں وہ عارف اور منصور کے ساتھ تین گھنٹے تک مصروف کار رہا۔ ایک فرضی حساب کتاب کی شیٹ تیار کی گئی۔ راشد کا بینک اکاؤنٹ ظاہر کر کے اس میں بڑی رقم دکھائی گئی اور جب قمر الطاف وہ شیٹ لے کر دلنواز احمد کے آفس پہنچا تو وہ خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

قمر الطاف نے شیٹ دلنواز احمد کے سامنے رکھ دی۔ دلنواز احمد اسے بغور دیکھنے لگا۔ یہ بات حوصلہ افزا تھی کہ راشد کے اکاؤنٹ میں اچھا خاصا پیسہ تھا، کاروبار بھی فائدے میں جا رہا تھا اس لئے اس کاروبار کا تین کروڑ روپیہ اور چالیس لاکھ کے قریب منافع دینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

دلنواز احمد نے ایک چیک تیار کیا، اپنے دستخط کئے اور اس معاہدے کو بھی پڑھ کر دستخط کر دیئے جس میں لکھا گیا تھا کہ جاوید اب اس کاروبار سے اپنا سرمایہ لے کر الگ ہو رہا ہے، آئندہ اس کا اس کاروبار کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اس کام سے فارغ ہو کر دلنواز احمد نے دراز سے ایک لفافہ نکالا اور قمر الطاف کے سامنے رکھ دیا۔

"اسے دیکھو۔" وہ بولا۔

قمر الطاف نے لفافہ کھولا تو اندر پانچ لاکھ روپے کا ڈرافٹ بنام راشد تھا اور ساتھ ایک

مختصر سی تحریر تھی کہ کاروبار کا پہلا منافع مبارک ہو۔

"سر! میں سمجھا نہیں؟" قمر الطاف نے سب کچھ جانتے ہوئے انجان بن کر سوال کیا۔

"راشد کو کسی نے منافع بھیجا ہے، اس کا مطلب ہے کہ راشد نے کہیں اور بھی سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔" دلنواز احمد بہت زیادہ الجھن کا شکار تھا۔

"ہو سکتا ہے سر......!"

"تم جاؤ اور فارغ ہو کر میرے پاس آؤ۔" دلنواز احمد بولا۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس پر مزید کوئی بات کرے۔

قمر الطاف چلا گیا تو اس نے اپنے دوسرے بیٹوں کو بلا کر راشد کے بارے میں بتانا شروع کیا اور پھر بولا۔ "اگر تم میں سے کوئی مجھے دھوکا دے رہا ہے تو صاف صاف بتا دو اور اس کمپنی سے الگ ہو جاؤ۔"

دلنواز کے پریشان حال اور الجھے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اس کے بیٹے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو اس کمپنی کو نقصان پہنچا کر اپنی جھولی بھر رہا تھا۔ وہ سب اپنے اپنے بارے میں اس بات کی یقین دہانی کرانے لگے کہ وہ اپنے کاروبار کے ساتھ مخلص ہیں۔

اس کے بعد سب نے عارف کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔ دلنواز احمد نے اطمینان سے سب کی باتیں سننے کے بعد کہا۔ "مجھے ابھی چار دن اور دیکھنے ہیں، اس کے بعد جو بھی عارف کے ساتھ ہوگا، وہ اس کے لئے حیران کن ہوگا، اگر وہ جھوٹا اور فریبی ہوا تو!"

☆......☆......☆

بینک سے رقم اپنے اکاؤنٹ میں منتقل کرانے کے بعد عارف واپس اپنے آفس آیا جہاں منصور اور قمر الطاف بھی براجمان تھے۔ عارف نے وہ فائل جس پر دلنواز احمد نے جاوید کو کاروبار سے الگ کرنے کے معاہدے پر دستخط کئے تھے، پھاڑ کر ٹکڑوں میں منقسم کی اور پھر اس کو آگ لگا دی۔ اس کے ساتھ وہ شیٹ بھی تھی جو اس نے جعلی تیار کی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اگر مجھ سے فائل مانگی گئی تو میں کیا جواب دوں گا؟" قمر الطاف نے پوچھا۔

"جواب دینے کی نوبت ہی نہیں آئے گی، تم جاؤ اور اپنا کام کرو۔" عارف نے معنی خیز انداز میں کہا۔

قمر الطاف اس کا منہ دیکھتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد عارف نے منصور سے کہا۔ "یہ جھٹکا دلنواز احمد سے برداشت نہیں ہوگا، جس طرح میرا باپ اپنا دل پکڑ کر اس دنیا سے گیا تھا اور میری ماں بھی چپ چاپ چلی گئی تھی، ایسا ہی دلنواز احمد کے ساتھ بھی ہوگا۔"

کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ پھر عارف بولا۔ "میں نے اپنا کام تو کر دیا ہے، اب تمہیں حق دلانا ہے، تم اب اس آفس میں نہیں بیٹھو گے اور نہ ہی دلنواز احمد کا سامنا کرو گے۔"

"ٹھیک ہے۔" منصور نے کہا۔

"میں تمہارے آفس جا رہا ہوں۔" عارف بولا۔

"کس سے ملنے کے لئے جا رہے ہو؟" منصور نے اس کی طرف دیکھا۔

"مسٹر اظہر حسین سے ایک ڈیل کرنے جا رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یہ ڈیل اچھی رہے گی۔" عارف کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"کیا ڈیل کرنے جا رہے ہو؟" منصور نے پوچھا۔

"تم بس اپنا آفس سنبھالنے کی تیاری کرو۔" عارف نے اٹھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے......!"

"کیا یہ اچھی بات میں نے نہیں بتائی کہ تم اپنا آفس سنبھالنے کی تیاری کرو۔" عارف اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"لیکن کھل کر کچھ نہیں بتایا۔"

"سب پتہ چل جائے گا، تم مجھے بتا رہے تھے کہ تمہارے ڈیڈی کا قتل ہوا تھا اور آج تک اس کا پتہ نہیں چلا تھا۔"

"ہاں......!" منصور نے دکھ سے اثبات میں سر ہلایا۔

"تمہیں مسٹر اظہر پر شک ہے؟"

"ہاں مجھے وہی اپنے ڈیڈی کا قاتل لگتا ہے۔"

"وہ بھی سامنے آجائے گا۔" عارف نے کہا۔

☆......☆......☆

سمعیہ نے ایک بار پھر اپنی بھابھی کو فون کیا اور اس کو اپنے گھر کا پتہ اس شرط پر بتا دیا کہ وہ کسی سے ذکر نہیں کرے گی اور اس سے ملنے کے لئے آجائے گی۔ نادرہ نے ایڈریس بولتے ہوئے لکھا تو دروازے پر کھڑے اویس حبیب نے سن لیا۔

جب نادرہ اس جگہ پہنچی تو سمعیہ نے اس کا استقبال ایسے کیا کہ بہت دیر تک اس کے گلے لگی رہی۔ اس کے بعد وہ دونوں ایک کمرے میں بیٹھ گئیں اور باتیں کرنے لگیں۔

نادرہ ایک ایک چیز کا جائزہ لے رہی تھی۔ اچانک بیل ہوئی اور سمعیہ گھبرا سی گئی کیونکہ اس نے اپنی بھابھی کو عارف کی اجازت کے بغیر بلایا تھا۔ اس نے سوچا کہیں عارف نہ آگیا ہو۔

"بھابھی! مجھے لگتا ہے کہ عارف آگئے ہیں، تم ایسا کرو کہ اس کمرے میں چلی جاؤ پھر میں دیکھتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" نادرہ کمرے میں چلی گئی۔

جب سمعیہ نے دروازہ کھولا تو وہ خوف سے حیرت زدہ رہ گئی کیونکہ اس کے سامنے اس کا بھائی اویس حبیب کھڑا تھا۔ سمعیہ کے جسم سے جیسے جان ہی نکل گئی تھی، اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

سمعیہ دروازے سے ایک طرف ہٹ گئی۔ اس نے فوراً اپنے حواس کو اپنے قابو میں کرتے ہوئے اپنے اوپر غالب آتی ہوئی گھبراہٹ کو دور کیا۔ اویس حبیب کچھ دیر تک دروازے میں کھڑا رہا اور پھر اندر چلا آیا۔ سمعیہ اس کے پیچھے چل رہی تھی۔ اویس رک کر گھر کا جائزہ لینے لگا۔

"نادرہ سے کہو کہ وہ سامنے آجائے۔" اویس نے کہا اور سمعیہ کے بلانے سے قبل ہی نادرہ سامنے آگئی۔ کچھ توقف کے بعد اویس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں نے تمہاری کہاں کہاں تلاش نہیں کی، تمہیں پاگلوں کی طرح ڈھونڈا لیکن تم..... تم یہاں ہو۔ اس گھر میں۔ میں نے تمہارے لئے اس سے بھی بڑا گھر تلاش کیا تھا۔ اس سے زیادہ آسائشیں تھیں وہاں، مجھے افسوس ہے کہ تم نے اپنی زندگی ایک ایسے شخص کے نام کر دی ہے جو دھوکے باز اور فریبی ہے، فریب دینا جس کا کام ہے۔"

"میں سب جانتی ہوں۔" سمعیہ نے نظریں جھکا کر کہا۔

"تم کچھ نہیں جانتیں، اگر جانتیں تو تم اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ نہ کرتیں۔" اویس جلدی سے بولا۔

"آپ میری زندگی کا فیصلہ اچھا کر رہے تھے؟" سمعیہ نے پوچھا۔

"کیا میں تمہارے لئے بُرا سوچ سکتا ہوں؟" اویس نے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا میں تمہارے لئے کنواں کھود سکتا ہوں۔"

"آپ ایک شادی شدہ شخص سے میری شادی کرنا چاہتے تھے۔" سمعیہ نے ہمت کی۔

"وہ اپنی پہلی بیوی کو چھوڑ رہا تھا۔" اویس کا جذباتی پن اس کے لہجے سے عیاں تھا۔

"کل کو وہ تیسری بیوی کے لئے مجھے بھی چھوڑ سکتا تھا۔" سمعیہ کے اندر کا خوف معدوم ہو گیا تھا۔

"تم گستاخی کرنے لگی ہو سمعیہ...... اپنے بھائی کے سامنے!" اویس بولا۔

"میں بات کر رہی ہوں، کوئی بدتمیزی نہیں کر رہی۔" سمعیہ نے نرم لہجے میں کہا۔

"جس کا میں نے انتخاب کیا تھا، وہ عارف جیسا نہیں تھا۔ ایک بزنس مین تھا۔ عارف نے مجھے دھوکا دیا ہے، اس نے مجھے لوٹا ہے۔" اویس کو غصہ آگیا۔

"آپ نے عارف کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا تھا، دھوکے میں تو آپ نے عارف کو رکھا تھا۔" سمعیہ بولی۔

اس کی بات سن کر اویس متحیر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"کیونکہ مجھے عارف نے ایک ایک بات بتا دی ہے، ان کے ساتھ کیا ہوا اور وہ کیا کر رہے ہیں، سب کچھ میرے علم میں ہے، مجھ سے انہوں نے کچھ نہیں چھپایا، ایک ایک بات

میرے علم میں ہے۔'' سمعیہ بولی۔

اویس کو یہ سن کر حیرت ہوئی۔ اس کی دانست میں تھا کہ عارف نے ان باتوں سے سمعیہ کو لاعلم رکھا ہوگا اور وہ ان باتوں کو سمعیہ کے سامنے لا کر اس کے دل میں عارف کے لئے دراڑ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن یہاں تو ماجرا ہی کچھ اور تھا۔

''تم کیا جانتی ہو؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''کیا میں سب باتیں آپ کو بتاؤں، گھڑی کی چوری سے بات شروع ہوئی تھی اور پلاٹ حاصل کرنے کے لئے مہرہ بنا کر جو کھیل کھیلا گیا، سب کچھ بتاؤں؟'' سمعیہ اتنا کہہ کر چپ ہوگئی۔

اس کا مطلب ہے کہ عارف نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس نے اویس کی کلائی سے قیمتی گھڑی چوری کی تھی۔ جس نے یہ بات نہیں چھپائی، اس نے پھر اور کیا مخفی رکھا ہوگا۔ اویس لاجواب سا ہوگیا تھا۔

''تم نے عارف کی ہر بات پر یقین کرلیا؟'' اویس نے ایک بار پھر چال چلنے کی کوشش کی۔

سمعیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہاں!''

''وہ باتیں جھوٹ بھی تو ہو سکتی ہیں، ضروری نہیں ہے کہ عارف نے سب کچھ سچ ہی کہا ہو۔'' اویس بولا۔

''عارف مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔'' سمعیہ نے کہا۔

اس کا اعتماد دیکھ کر اویس پریشان سا ہوگیا۔ وہ غصے میں بولا۔ ''یہ تمہارا پاگل پن ہے، وہ ایک نمبر کا جھوٹا ہے۔''

''ایک بھائی سے بھی زیادہ جو اپنے مفاد کے لئے بہن کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔'' سمعیہ نے کہا۔

سمعیہ کی یہ بات بھی اویس کے حلق سے نیچے نہیں اتری۔ ''کیا بات کر رہی ہو، کس مفاد اور قربانی کو تم بیچ میں لے آئی ہو؟''

''میں کسی بحث میں جانا نہیں چاہتی، میں اپنے شوہر کے ساتھ اپنے گھر میں خوش

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوں۔'' سمعیہ بات ختم کرنا چاہتی تھی۔

اسی اثناء میں کسی نے اپنا گلا صاف کیا تو اس کی آواز سنتے ہی سب نے ایک ساتھ اس سمت دیکھا۔ عارف دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے کھانس کر سب کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

''آپ سب لوگ کھڑے کیوں ہیں، بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' عارف نے آگے بڑھ کر کہا۔

اویس اس کی طرف تیزی سے بڑھا جیسے ابھی اس کو گردن سے پکڑ لے گا۔ ''تم آگئے دھوکے باز......!''

''یہ الزام مت دیں مجھے۔ میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا، البتہ آپ وہ پلاٹ اس ادارہ سے لینا چاہتے تھے جو آپ کا نہیں تھا۔ آپ نے مجھے ایک جھوٹی کہانی سنائی تھی۔'' عارف اطمینان سے بولا۔

''جھوٹ بول کر تم نے میری بہن کو بھی اعتماد میں لے لیا ہے۔'' اویس کی سمجھ میں نہیں رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

''ایک بات یاد رکھنا...... عارف ساری دنیا سے جھوٹ بول سکتا ہے لیکن اپنی بیوی سے نہیں۔'' عارف نے کہا۔

''تم......!'' اویس نے اس کی طرف انگلی اٹھا کر دانت پیسے۔

عارف نے اویس کا بازو پکڑا اور ایک طرف لے گیا۔ ''اب صرف میں بولوں گا۔ مجھے اس بات کا شدت سے انتظار تھا کہ تم میرے گھر آؤ، آج تم آگئے، دیکھو میں نے تم سے کوئی دھوکا نہیں کیا ہے، تمہاری بہن میری بیوی ہے، کوئی جھگڑا فساد کرنے کے بجائے تم اس رشتے کو قائم رکھنے کی بات کرو۔''

''تمہارا مطلب ہے کہ میں سب کچھ بھول کر تجھے معاف کر کے گلے لگا لوں؟'' اویس بولا۔

''دوسرا آپشن بھی ہے تمہارے پاس!'' عارف نے کہا۔

''کیا......؟'' جب عارف چپ رہا تو اویس نے پوچھا۔

"اپنا پستول نکالو اور میرے سینے پر رکھ کر گولی چلا دو...... گولی ایک چلے گی لیکن لاشیں دو گریں گی۔ ایک میری، گولی لگنے سے اور دوسری میری بیوی کی...... صدمے سے!"

عارف نے کہا۔

اویس اس کے سامنے یوں کھڑا تھا جیسے کسی کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے جائیں، وہ بے بس اور لاچار ہو جائے۔ بالآخر وہ بولا۔

"تم بہت چالاک ہو، تم بہت گہرے ہو، کسی سمندر کی طرح...... وقت سے پہلے سوچتے ہو، تم نے میری بہن سے شادی کر کے اس وقت کے لئے اپنے آپ کو بچا لیا تھا ورنہ میں تمہارا دوسرا آپشن ماننے میں دیر نہ کرتا، کچھ بھی ہے، مجھے اپنی بہن سے پیار ہے۔" اویس نے اتنا کہہ کر عارف کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔

"نادرہ! چلو چلیں۔"

"بھائی......!" سمعیہ نے آگے بڑھ کر اس کو روک لیا۔ "پہلی بار میرے گھر آئے ہیں، کچھ کھا کر جایئے گا۔"

"دوبارہ جب آؤں گا تب میرا اس گھر میں پہلی بار آنا ہوگا۔" اویس یہ کہہ کر باہر چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہی نادرہ بھی نکل گئی جس کو اس بات کا غم تھا کہ سمعیہ کا گھر بسا ہوا ہے اور اس کا بھائی بھی اپنی بہن کے آگے سب کچھ ہار کر جا رہا ہے۔

ان کے جانے کے بعد عارف نے سمعیہ کا ہاتھ پکڑ کر اس کو حوصلہ دیا جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ کچھ ٹھیک ہو گیا ہے اور کچھ آنے والے وقت میں ٹھیک ہو جائے گا۔ عارف کو یقین تھا کہ اویس کتنا ہی غصیلا سہی، وہ اپنی بہن کی خاطر سب کچھ بھول جائے گا۔

☆......☆......☆

عارف اپنے اگلے ہدف کی طرف چل پڑا تھا۔ اس نے اپنے چہرے پر سفید شیشوں والا چشمہ لگایا، ہاتھ میں دفتری بیگ پکڑا اور زاہدہ بیگم کے آفس پہنچ گیا۔ عارف نے استقبالیہ پر جا کر زاہدہ بیگم کے بارے میں دریافت کیا۔ جب اسے بتایا گیا کہ وہ موجود نہیں ہیں تو عارف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولا۔ "مجھے انہوں نے اس وقت آفس آنے کے لئے کہا تھا۔"

"آپ تشریف رکھیں پھر وہ آتی ہی ہوں گی۔" لڑکی نے کہا۔

"مجھے کتنا انتظار کرنا پڑے گا؟" عارف نے سوال کیا۔

"اب یہ ان پر منحصر ہے کہ وہ کب آفس آتی ہیں۔" لڑکی نے جواب دیا۔ "آپ تشریف رکھیں۔"

عارف نے اپنی جیبیں ٹٹولیں اور پھر پریشانی سے بولا۔ "میرے پاس سے ان کا موبائل نمبر کہیں کھو گیا ہے، پلیز ان کو میرے بارے میں اطلاع کر دیں۔" عارف نے اپنا لہجہ ایسا بنایا ہوا تھا جیسے وہ اپنی اس گفتگو کو کسی اور پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"سوری، ہمیں اس بات کی اجازت نہیں ہے۔" لڑکی نے انکار کر دیا۔ اسے عارف عجیب سا لگا تھا۔

"تو پھر میں کیا کروں؟" عارف نے سوال کیا۔

"پلیز آپ اس جگہ بیٹھ جائیں۔" لڑکی اکتا سی گئی۔

"مجھے کہیں اور بھی جانا ہے۔" عارف اس کو زچ کرنا چاہتا تھا۔

"میں سر کو اطلاع کر دیتی ہوں۔" لڑکی بولی۔

"وہ کون ہیں؟" عارف چونکا۔

"ان کے شوہر ہیں۔" لڑکی نے بتایا۔

"نو...... نو......! ان کو اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں ہے پلیز۔ میں ان کا انتظار کر لیتا ہوں، آپ ان کو میرے بارے میں اطلاع مت کیجئے گا۔" عارف نے جلدی سے کہا اور جا کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ جس انداز میں اس نے انکار کیا تھا اور لڑکی کو اطلاع کرنے سے منع کیا تھا، استقبالیہ پر موجود لڑکی کو کچھ شک سا ہوا۔

دس منٹ میں وہ لڑکی کئی بار عارف کا جائزہ لے چکی تھی۔ جب بھی کوئی اندر سے باہر نکلتا یا اندر جاتا تھا، عارف رسالہ اپنے چہرے کے آگے کر لیتا جیسے وہ اپنا چہرہ چھپا رہا ہو۔ وہ لڑکی بطور خاص اس بات کو نوٹ کر رہی تھی۔ عارف اس کو مشکوک دکھائی دے رہا تھا۔ آخر اس

نے انٹرکام پر اظہر حسین کے سیکرٹری کو اطلاع کر کے عارف کے بارے میں بتا دیا۔ عارف اسی بات کا انتظار کر رہا تھا۔

عارف کی اطلاع اور اس کی مشکوک حرکات اظہر حسین تک جا پہنچیں۔ عارف جو چاہتا تھا، وہ اس میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد عارف کو اظہر حسین نے اندر بلا لیا۔ اپنے سامنے بیٹھا کر اظہر حسین نے اس کا جائزہ لیا اور پوچھا۔ ''آپ زاہدہ بیگم سے کیوں ملنا چاہتے ہیں؟''

عارف یونہی سوچنے لگا اور پھر بولا۔ ''کیا یہ بہتر نہیں کہ میں صرف بیگم صاحبہ سے ہی ملوں؟''

''مجھے اظہر حسین کہتے ہیں اور میں ان کا شوہر ہوں۔'' اس نے اپنا تعارف کرایا۔

''آپ مجھ سے بات کر سکتے ہیں۔''

''اوہ......! وہ آپ ہیں جن سے ان کی دوسری شادی ہوئی ہے۔'' عارف بولا۔

''اب بتاؤ کہ کس لئے ملنا چاہتے ہو؟''

''میں ایک پراپرٹی ڈیلر ہوں۔'' عارف اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا پھر بولا۔ ''سوری میں اپنا کارڈ لانا بھول گیا۔''

''زاہدہ بیگم کو آپ سے کیا کام......؟'' اظہر حسین جاننے کے لئے بیتاب تھا۔

''وہ اپنا بنگلہ فروخت کرنا چاہتی ہیں۔ میری ان سے بات چل رہی ہے۔ آج مجھے انہوں نے یہاں ملاقات کا وقت دیا تھا۔'' عارف نے بتایا۔

اس کی بات سن کر اظہر حسین نے فون کا نمبر ملایا۔ کچھ دیر کے بعد دوسری طرف سے زاہدہ بیگم کی آواز آئی۔ ''جی......!''

''آپ آفس آ رہی ہیں؟''

''ہاں میرا آنے کا ارادہ تھا لیکن اب نہیں...... کیوں خیریت ہے؟'' زاہدہ بیگم نے پوچھا۔

''نہیں! بس ایسے ہی پوچھا تھا'' اظہر حسین نے فون بند کر دیا۔ عارف پراعتماد انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کو امید نہیں تھی کہ اظہر حسین تصدیق کرنے کے لئے فوراً زاہدہ بیگم کو فون کر دے گا۔ اب اس کو یہ نہیں پتہ تھا کہ دوسری طرف سے کیا جواب دیا گیا ہے اور یہ اتفاق ہی تھا کہ زاہدہ بیگم آفس کے لئے تیار ہوئی تھی لیکن پھر اچانک ہی ارادہ بدل گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''وہ اب نہیں آئیں گی، ان کو کوئی ضروری کام پڑ گیا ہے۔'' اظہر حسین نے بتایا۔

''شکریہ! میں چلتا ہوں۔'' عارف کھڑا ہو گیا۔

''اس بنگلے کا کوئی خریدار ہے کیا؟'' اظہر حسین نے پوچھا۔

''ڈیل تقریباً فائنل ہو چکی ہے بس بیعانہ دینا ہو گا لیکن مجھے بیگم صاحبہ نے کسی سے بات کرنے سے منع کیا تھا، دیکھیں یہ آپ کا کوئی بھی ذاتی معاملہ ہو سکتا ہے۔ اب مجھ سے بات ہو چکی ہے تو آپ میری بات کی پردہ داری رکھئے گا۔''

''اگر پردہ داری میں ہم کوئی بات کر لیں تو ....؟'' اظہر حسین نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

''میں سمجھا نہیں!'' عارف نے انجان بننے کی کوشش کی۔

''پارٹی میں دیتا ہوں، اس بنگلے کی ڈیل آپ ان سے کرا دیں۔'' اظہر حسین بولا۔

''لیکن بات تو تقریباً طے ہو چکی ہے۔''

''ابھی بات ہی ہوئی ہے، بیعانہ تو نہیں ہوا ہے نا، جس طرح بیگم صاحبہ نے رازداری سے سب کچھ کرنے کی کوشش کی ہے، اسی طرح رازداری سے وہ بنگلہ آپ ہمیں دلوا دیں۔'' اظہر حسین مسکرا رہا تھا۔

عارف نے حیرت زدہ ہونے کی اداکاری کی۔ ''آپ رازداری سے اپنی بیوی سے وہ بنگلہ خریدیں گے؟''

''دیکھو آپ کو اپنے کمیشن سے تعلق ہونا چاہئے۔ ویسے آپ مجھے کافی معقول انسان نظر آتے ہیں، مجھے امید ہے کہ یہ ڈیل کر کے مستقبل میں بھی ہم بہت سا کام ایک ساتھ کریں گے۔'' اظہر حسین نے کہا۔

''اگر آپ کا اشارہ اس طرف ہے کہ میں ایسے کام کرنے میں معقول ہوں تو آپ ٹھیک سمجھے ہیں۔ میں نے ایک جائیداد باپ سے بیٹے کو لے کر دے دی تھی اور وہ بھی ایسی رازداری سے کہ باپ کو پتہ ہی نہیں چل سکا تھا۔''

عارف کی بات سن کر اظہر حسین مسکرایا۔ ''جواری کو جواری مل ہی جاتے ہیں، تو ہم آپ

سے ڈیل کریں؟"

"بالکل!" عارف پھر بیٹھ گیا۔

دونوں پندرہ منٹ تک ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔ اظہر حسین نے اپنی دوسری کمپنی سے ایک شخص کو بلا کر عارف سے ملوایا کہ وہ بنگلے کا خریدار بن کر جائے گا۔ اس کے بعد عارف چلا گیا۔

اظہر حسین نے اپنے بیٹے کے کمرے میں جا کر خوش ہوتے ہوئے کہا۔"جو بنگلہ تجھے پسند تھا، میں وہ خرید کر دے رہا ہوں۔ بنگلہ بھی زاہدہ بیگم کا اور اس کو خریدنے کے لئے پیسہ بھی اسی کا!" اظہر حسین ہنسا جبکہ عرفان معاملے کی تفصیل جاننے کے لئے بے تاب تھا۔

☆......☆......☆

عارف نے بیل دی اور گیٹ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد چوکیدار نے اندر سے جھانکا۔ عارف نے زاہدہ بیگم سے ملنے کے لئے کہا۔ وہ چوکیدار اندر چلا گیا۔

زاہدہ بیگم، عارف کا نام سن کر حیران ہوئی کہ وہ کون ہے۔ آخر زاہدہ بیگم نے اس کو اندر بلا لیا۔

اس نے عارف کا جائزہ لیا اور پوچھا۔"جی فرمایئے......؟"

"میرا نام عارف ہے اور میں منصور کا دوست ہوں۔" عارف نے بتایا اور زاہدہ بیگم ایک دم چونکی۔

"تم منصور کے دوست ہو......منصور کہاں ہے؟" زاہدہ بیگم نے اس کے پیچھے دیکھا جیسے منصور وہاں کھڑا ہو۔

"منصور میرے ساتھ نہیں آیا۔ میں پراپرٹی کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہوں، کیا آپ یہ بنگلہ فروخت کرنا چاہ رہی ہیں؟"

"نہیں......! تمہیں کس نے کہا کہ میں یہ بنگلہ فروخت کرنا چاہتی ہوں......؟" زاہدہ بیگم حیران ہوئی۔

"اظہر حسین صاحب نے اس بنگلے کی خریداری کی بات میرے ایک دوست سے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔ میرے علم میں یہ بات آئی تو میں منصور کے کہنے پر اظہر حسین سے ملنے کے لئے چلا گیا، میرے ساتھ وہ دوست بھی تھا جس سے اظہر حسین کی بات ہوئی تھی، دراصل اظہر حسین ایک فرضی خریدار کے ذریعے آپ کے ہی پیسوں سے یہ بنگلہ خرید کر اپنے نام کروانے کے چکر میں ہیں۔" عارف نے بتایا۔

"یہ میں کیا سن رہی ہوں؟" زاہدہ بیگم اچنبھے سے بولی۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں، جب اظہر حسین صاحب نے آپ کو فون کر کے یہ پوچھا تھا کہ آپ آفس آ رہی ہیں کہ نہیں، میں وہاں موجود تھا۔ دراصل وہ یہ پتہ کرنا چاہتے تھے کہ آپ آفس تو نہیں آ رہی ہیں۔" عارف بولا۔

زاہدہ بیگم اُس کا منہ دیکھتے ہوئے سوچنے لگی کہ جس بات کا شک اس کے دل میں پل رہا تھا، وہ سامنے آ گیا ہے۔

"میں تمہاری بات کا یقین اس لئے کر سکتی ہوں کیونکہ مجھے ان کا فون آیا تھا۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔"اس کا مطلب ہے کہ تم وہاں موجود تھے۔"

"منصور کی والدہ ہونے کے ناتے میں آپ کو اس دھوکے سے بچانا چاہتا ہوں۔" عارف بولا۔

"منصور کیسا ہے؟" زاہدہ بیگم نے پوچھا۔

"آپ کے بغیر ایسے ہی ہے جیسے مچھلی خشکی پر تڑپ رہی ہو۔" عارف نے جواب دیا۔

زاہدہ بیگم نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔"اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے بھی وہ زندگی کی سانس لینے میں مشکل کا شکار ہے؟"

"منصور کی بیوی کہاں سے آ گئی؟" عارف نے پوچھا۔

"کہاں سے آ گئی کا کیا مطلب......؟ اس نے ماں کو چھوڑ دیا، اس لڑکی کی خاطر وہ مجھ سے جھوٹ بولتا رہا کہ اس کے دوست کو کاروبار کرنے کے لئے پیسہ چاہئے۔" زاہدہ بیگم نے بتایا۔"وہ بہت بدل چکا ہے۔"

"یہ سب آپ کو کس نے بتایا کہ وہ ایک لڑکی کے لئے ایسا کرتا رہا اور اس نے شادی کر

لی ہے؟"

"اظہر نے......!" زاہدہ بیگم کہتے ہوئے رک گئی۔

"میں سمجھ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ہی اس کا وہ دوست ہوں جس کے لئے اس نے آپ سے پیسہ مانگا تھا اور دوسرا سچ یہ ہے کہ اس کی زندگی میں کسی لڑکی کا کوئی وجود نہیں ہے، وہ اکیلا ہے اور آپ کی جدائی میں وقت گزار رہا ہے۔" عارف نے حقیقت منکشف کی۔

"لیکن......!" زاہدہ بیگم چونکی۔

"لیکن یہ کہ یہ سب ایک چال ہے تاکہ ماں اور بیٹا ایک دوسرے سے دور ہو جائیں اور سب کچھ سمیٹنے کے لئے راستہ صاف ہو جائے، اس کا ثبوت یہ بھی ہے کہ مجھے انہوں نے اس بنگلے کو خریدنے کے لئے بات کی ہے، ایک فرضی خریدار تیار کیا ہے۔"

زاہدہ بیگم اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ عارف نے کہا۔ "آپ گھبرائیں نہ، آپ کا بیٹا بھی واپس آ جائے گا اور اظہر حسین اور اس کے بیٹے کی چال بھی کامیاب نہیں ہونے دوں گا، بس آپ ویسا کریں جیسا میں کہتا ہوں۔"

عارف کی بات سن کر زاہدہ بیگم نے اس کی طرف دیکھا۔

☆.....☆.....☆

دلنواز احمد جتنا زیادہ سوچتا تھا، اس کو اپنا دل رکتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ وہ دوبار اپنے دل کے معالج سے معائنہ کے لئے جا چکا تھا۔ ڈاکٹر نے مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا، فکر سے آزاد ہونے کی تاکید کی تھی لیکن دلنواز احمد فکر کے جس گرداب میں پھنس چکا تھا، اس کے لئے اس سے فی الحال چاہتے ہوئے بھی نجات ممکن نہیں تھی۔

اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ راشد سے کھل کر بات کرے۔ اس سے بہت سے سوال کرے جو اس کے دماغ میں تھے لیکن پھر وہ یہ سوچ کر چپ ہو جاتا تھا کہ وہ سات دن مکمل ہونے کا انتظار کرے، شاید عارف کسی ایسے چہرے کو سامنے لے آئے جس سے اس کا فائدہ ہو جائے۔

پانچ دن گزر گئے تھے۔ عارف کوئی نئی بات سامنے لے کر نہیں آیا تھا۔ دلنواز احمد کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تشویش اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ جب دلنواز احمد کی بے چینی زیادہ بڑھ گئی تو اس نے اس وقت عارف کو اپنے کمرے میں بلا لیا جب وہ کسی کام سے باہر جا رہا تھا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" دلنواز احمد نے پوچھا۔

"آپ کو کوئی کام ہے مجھ سے......؟"

"پانچ دن گزر گئے ہیں اور تم نے ابھی تک کسی ایک کو بھی پکڑ کر میری نظروں کے سامنے نہیں کیا کہ یہ ہے وہ کالی بھیڑ جو مجھے نقصان پہنچا رہا ہے۔"

"ایک گھنٹے کے بعد آپ راشد کے نئے آفس میں آ سکتے ہیں؟" عارف نے پوچھا۔

"وہاں اطمینان سے بات کرتے ہیں۔"

دلنواز احمد نے سوچا۔ "ہاں آ سکتا ہوں، مجھے آج اپنے نئے آفس بھی جانا ہے۔"

"میں وہاں انتظار کروں گا۔" عارف یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

☆.....☆.....☆

دلنواز احمد ایک گھنٹے کے بعد راشد کے آفس میں موجود تھا۔ وہ قمر الطاف کے ساتھ آیا تھا۔ راشد کے آفس میں بیٹھ کر دلنواز احمد نے قمر الطاف کو اس آفس میں بھیجا تھا جسے اس نے راشد کے پارٹنر جاوید کو فارغ کر کے حاصل کیا تھا۔

دلنواز احمد کو وہاں آئے پندرہ منٹ ہو گئے تھے لیکن عارف نہیں آیا تھا۔ اسی طرح کچھ وقت اور گزر گیا۔ دلنواز احمد ٹہلنے لگا، اس کا بلڈ پریشر بڑھ رہا تھا، عارف پر غصہ آنے لگا تھا۔

"جھوٹا......کمینہ......!" دلنواز احمد بڑبڑانے لگا۔

اسی طرح مزید ایک گھنٹہ گزر گیا تھا۔ اس کا غصہ اور بھی دو چند ہو گیا تھا۔ قمر الطاف نے بھی وہاں جا کر دلنواز احمد کا پتہ نہیں کیا تھا۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ دلنواز احمد نے خود ہی اس کو منع کیا تھا کہ جب تک وہ نہ بلائے، وہ اندر آنے کی جرأت نہ کرے۔

دلنواز احمد غصے سے آگ برساتا ہوا راشد کے آفس سے باہر نکلا اور ساتھ والے آفس میں چلا گیا۔ وہ سیدھا اس کمرے میں گیا جہاں اس کی ملاقات منصور سے ہوئی تھی۔ جونہی اس

نے دروازہ کھولا، وہ ٹھٹک کر رہ گیا۔ سامنے عارف براجمان تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"کیا مطلب کہ میں یہاں کیا کر رہا ہوں؟" عارف نے متحیر ہوتے ہوئے پوچھا۔

"میں وہاں بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہوں اور تم یہاں مزے سے میرے اس آفس میں بیٹھے ہو اور یہ قمر کہاں مر گیا ہے؟"

"اس کا میرے آفس میں کیا کام......؟"

"میرے آفس میں......؟ یہ تمہارا آفس کب سے ہو گیا ہے، یہ میرا آفس ہے۔" دلنواز احمد جو پہلے ہی غصے سے بھرا ہوا تھا، اس کا بلڈ پریشر بھی بڑھ گیا تھا، وہ اس کی بات سنتے ہی چیخا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو، یہ میرا آفس ہے اور اس کمپنی کا میں مالک ہوں۔" عارف بولا۔

"آپ ایسی بات کیوں کر رہے ہیں۔"

"بکواس بند کرو، اس کمپنی کے میرے پاس کاغذات ہیں۔" دلنواز احمد کا غصہ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"کہاں ہیں کاغذات، کس کے پاس ہیں؟"

"قمر......قمر......!" دلنواز احمد چیختے ہوئے اس کو بلانے لگا۔

"وہ نہیں آئے گا، وہ چلا گیا ہے، اس کو کہیں جانے کی جلدی تھی۔" عارف بولا۔

"اٹھو اس جگہ سے گھٹیا انسان!" دلنواز احمد پوری قوت سے چیخا۔

"گھٹیا میں ہوں۔ ایک ایسے باپ کا بیٹا گھٹیا نہیں ہو سکتا جس نے اپنی اولاد کو حق حلال کی روزی کھلائی ہو، وہ گھٹیا نہیں ہو سکتا جس کے دل میں انسانیت ہو، اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھئے، کتنے لوگوں کا حق دبا کر یہاں تک پہنچے ہیں آپ......! آپ کی کمپنی کو دیمک کی طرح کھا رہا ہے وہ قمر الطاف!" عارف نے کہتے ہوئے اپنی دراز سے ایک لفافہ نکالا اور دلنواز احمد کے سامنے کیا اور اس کے اندر سے تصاویر نکال کر دلنواز احمد کے سامنے رکھ دیں۔

"ان کو دیکھیں......! یہ ہے قمر الطاف اور آپ کی بیٹی!"

دلنواز احمد سب کچھ بھول کر ان تصاویر کو دیکھنے لگا تھا۔ اس کی سانس تیز اور دل کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دھڑکن منتشر ہو گئی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔ اپنی کمپنی کے جس آدمی پر اسے سب سے زیادہ اعتماد تھا، وہ اس کا ملازم ہو کر اس کی بیٹی کے ساتھ تعلقات استوار کئے ہوئے تھا۔ عارف نے اس کی مختلف جگہوں پر رابعہ کے ساتھ تصاویر لی تھیں۔ دلنواز احمد ایک ایک تصویر دیکھ کر دم بخود ہو رہا تھا۔

"اس وقت قمر الطاف نیچے آپ کی گاڑی میں بیٹھا ہوا موبائل فون کو کان سے لگائے آپ کی بیٹی رابعہ سے باتیں کر رہا ہے۔" عارف بولا۔ "وہی قمر الطاف ہے جس نے راشد کو ان مقدمات میں پھنسایا ہے، دشمن ہے وہ آپ کا!"

ایک دم جانے دلنواز کو کیا ہوا کہ وہ دروازہ کھول کر لڑکھڑاتا ہوا سیڑھیوں کی طرف چلا گیا جبکہ لفٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ خالی تھی۔ دلنواز احمد سیڑھیاں اترنے لگا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ابھی جاتے ہی قمر الطاف کا گلا دبا دے گا۔ ایک دم اس کا پیر پھسلا اور وہ لڑھک کر نیچے جانے لگا۔ جونہی وہ آخری سیڑھی سے نیچے گرا، اس نے بے بسی سے بلندی کی طرف دیکھا جہاں عارف کھڑا تھا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

☆......☆......☆

شہر کے فائیو سٹار ہوٹل میں اظہر حسین جب ہانگ کانگ سے آئے شخص سے دوسری ملاقات کے لئے گیا تو اس کے علم میں یہ بات نہیں تھی کہ عارف نے اپنے ایک آدمی کو اس کی نگرانی پر مامور کر رکھا ہے۔ اظہر حسین کی پل پل کی خبر منصور کو مل رہی تھی اور منصور پھر عارف کو بتا رہا تھا۔ جونہی اظہر حسین اس ہوٹل کے کمرے میں گیا، عارف بھی اس ہوٹل میں پہنچ گیا۔ اس نے زاہدہ بیگم کو بھی اسی جگہ پہنچنے کے لئے کہا تھا۔

اظہر حسین نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ زاہدہ بیگم کو بھی موت کی وادی میں پہنچا کر کاروبار پر پوری طرح سے قابض ہو جائے گا لیکن جب بنگلہ فروخت کرنے کی بات ہوئی تو وہ اپنے اس ارادے کو کچھ دنوں کے لئے موخر کرنے کے لئے اس شخص کے پاس پہنچ گیا تھا۔

جیسے ہی اظہر حسین اس آدمی کے کمرے سے باہر نکلا، باہر عارف کو دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گیا۔

"ارے آپ یہاں......؟" عارف اس کو دیکھتے ہی بولا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اظہر حسین کا لہجہ خشک تھا۔

"مجھے یہاں کسی سے ملنا تھا۔" عارف نے بتایا۔

"اوکے! مجھے ذرا جلدی ہے۔" اظہر حسین آگے بڑھا۔

"آج شام کو ڈیل ہے، یاد ہے آپ کو؟"

اظہر حسین اس جگہ زیادہ دیر رکنا نہیں چاہتا تھا۔

"مجھے یاد ہے۔"

اظہر حسین کو ایک بار پھر رکنا پڑا کیونکہ منصور ایک طرف سے نکل کر ایک دم سامنے آ گیا تھا۔ اظہر حسین نے اس کی طرف دیکھا اور اسے نظرانداز کر کے جونہی وہ پاس سے گزرنے لگا، منصور بولا۔

"یہ کون شخص ہے، جس سے آپ ہفتے میں تیسری بار ملنے کے لئے آئے ہیں، کوئی خاص آدمی ہے؟"

منصور کے منہ سے حقیقت سن کر اظہر حسین چونکا۔ "اپنے کام سے کام رکھو۔"

عارف اس جگہ سے چلا گیا تھا، راہداری میں وہ دونوں ہی کھڑے تھے۔ منصور نے کہا۔

"یہ شخص ہانگ کانگ سے آیا ہے، اس کا عجیب سا حلیہ ہے، یہ شخص کل ایک ایسے آدمی سے ملا ہے جو دو دن پہلے جیل سے رہا ہو کر آیا ہے، وہ آدمی جرائم پیشہ ہے۔"

"تم مجھے یہ سب کیوں بتا رہے ہو؟" اظہر حسین اس کی بات سن کر جس گھبراہٹ کا شکار ہوا تھا، وہ اس پر ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔

"کیونکہ آپ بھی جرائم پیشہ ہیں۔" منصور یکدم بولا۔

اظہر حسین مسکرایا۔ "ہاں یہ جرم کم تو نہیں ہے کہ میں نے اپنے دماغ کو استعمال کرتے ہوئے ایک ماں سے اس کا بیٹا الگ کر دیا ہے، جو کاروبار زاہدہ بیگم کے بیٹے کی جھولی میں جا رہا تھا، وہ میرے بیٹے کی جھولی میں پکے ہوئے پھل کی طرح آ گرا ہے۔" اظہر حسین یہ کہہ کر ہنسا اور جونہی وہ آگے بڑھا، اس کے قدم اسی جگہ جم گئے۔

چہرے پر حیرت آ گئی۔ سامنے زاہدہ بیگم ششدر کھڑی تھی۔ اس کو عارف نے اوپر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

آنے کے لئے کہا تھا۔ اس نے سب کچھ سن لیا تھا، حقیقت سامنے آ گئی تھی۔

زاہدہ بیگم آگے آئی، اس نے نفرت سے اظہر حسین کی طرف دیکھا اور پھر منصور کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میرے بچے! کیسے ہو تم......؟"

"میں ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں......؟" منصور بولا۔

"تجھے دیکھ کر لگتا ہے اب جسم میں جان آئی ہے۔"

"آج اس بیٹے کو دیکھ کر جسم میں جان آ گئی ہے۔ یاد کرو یہ اُسی شخص کا بیٹا ہے جس کے وجود سے تمہیں نفرت تھی۔" ماں اور بیٹے کا ملاپ برداشت نہ ہوا تو اظہر حسین غصے سے بولا۔

"خبردار! جو ایک لفظ آگے بولا۔" زاہدہ بیگم نے ایک دم اس کو منع کر دیا۔

"کچھ نہ بولوں...... چپ رہوں؟ ٹھیک ہے، آؤ میرے ساتھ اور وہ سنو جو میں کہنا چاہتا ہوں۔"

"میں جانتی ہوں کہ تجھے میری دولت چاہئے۔ میں تجھے اپنی دولت اور اپنا کاروبار دے دیتی ہوں لیکن تم ہم دونوں کی زندگی سے نکل جاؤ۔" زاہدہ بیگم تیز لہجے میں بولی۔

"ہم اس شخص کو کچھ نہیں دیں گے، اسے خالی ہاتھ آپ کی زندگی سے جانا ہوگا، یہ دھوکے باز ہے۔" منصور بولا۔

"خالی ہاتھ نہیں جاؤں گا، تیری ماں جانتی ہے کہ میرے ایک ایک لفظ کی کیا قیمت ہے۔" اظہر حسین نے دانت پیسے۔

"تم چلے جاؤ، سب کچھ تمہیں مل جائے گا۔" زاہدہ بیگم چیخی۔

"میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کون سے ایسے الفاظ ہیں جن کی قیمت کوئی خاص ہے؟" منصور آگے بڑھا۔

"آؤ میں بتاتا ہوں۔" اظہر حسین نے کہا۔

زاہدہ بیگم بجلی کی سی تیزی سے آگے بڑھی اور اظہر حسین کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا۔

"چلے جاؤ اور سب کچھ لے جاؤ، ہم کو چھوڑ دو۔"

اظہر حسین کو اس طمانچے کی امید نہیں تھی۔ وہ غصے میں بپھر کر بولا۔ ''تمہاری یہ جرأت کہ تم مجھے طمانچہ مارو، کل تک تم میری محبت میں سلگتی تھیں۔ تم نے اس کے باپ کو دھوکا دیا۔ میری محبت میں اس کے باپ کو اس شخص سے قتل کرایا جو اس وقت اس کمرے میں موجود ہے۔''

''خاموش...... خاموش......!'' زاہدہ بیگم چیخی۔ منصور پتھر کا بنا اپنی ماں کو دیکھ رہا تھا۔

اسی اثنا میں اس بند کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ شخص تیزی سے باہر نکلا۔ وہ ان کی باتیں سن چکا تھا۔ ایک دم اس کے آگے عارف آ گیا۔ اس نے پلک جھپکتے پستول نکال کر تان لیا۔ اس کے پیچھے اظہر حسین کھڑا تھا۔

''تم اس کھلونے سے مجھے مت ڈراؤ، تم جیسے چوہے مٹھی میں کرنے آتے ہیں مجھے!''

عارف نے اکسانے والے لہجے میں کہا۔

''ہٹ جاؤ۔'' وہ بولا۔

''ورنہ کیا کرو گے؟'' عارف نے پوچھا۔

''گولی ماردوں گا۔''

''چلا لیتے ہوا سے......؟''

اس نے جوش میں آ کر ایک فائر کر دیا۔ عارف نیچے جھک گیا اور گولی اظہر حسین کے سینے میں لگ گئی۔ وہ اسی جگہ خون میں لت پت ہو کر ساکت ہو گیا۔ اس شخص کو گارڈز نے گرفتار کر لیا۔

منصور کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کی ماں ایسا بھی کر سکتی ہے۔ اس کے باپ کے قتل میں اس کی ماں کا ہاتھ تھا۔ زاہدہ بیگم تھی کہ بس پتھر کی بن کر بے بس نگاہوں سے منصور کی طرف دیکھے جا رہی تھی اور پھر وہ نیچے گر گئی۔

☆......☆......☆

زاہدہ بیگم کومے میں چلی گئی تھی۔ منصور کے پاس سب کچھ تھا۔ بزنس، بنگلہ اور پیسہ......! لیکن باپ کا سایہ نہیں تھا اور ماں ہسپتال میں بے نیاز کومے میں پڑی تھی۔ سب کچھ بدل گیا تھا۔ منصور روز اپنی ماں کو دیکھنے کے لئے جاتا تھا۔ وہ بہت دیر تک پاس کھڑا اپنی ماں کو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھتا رہتا تھا اور پھر وہاں سے چلا جاتا تھا۔ وہ آنسو بہاتا تھا اور سوچتا رہتا تھا۔

☆......☆......☆

جہانگیر کی موت نے پوری حویلی میں ایسی صورتحال پیدا کر دی تھی کہ کسی کو یاد ہی نہیں تھا کہ نوشین اس حویلی کے تہہ خانے میں قید ہے۔ اس کو آخری کھانا چار دن پہلے ملا تھا۔ اس وقت کھانے کے خالی برتن بکھرے ہوئے تھے، پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا اور بھوک، پیاس سے نڈھال نوشین فرش پر پڑی موت کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

جس مشہور اداکارہ کی اچانک گمشدگی اخبارات کی سرخیاں بنی تھیں، جس کی ماں اس ڈر سے چپ زبان دانتوں تلے دبائے بیٹھی تھی کیونکہ جہانگیر کی موت کے بعد یہ انکشاف ہوا تھا کہ جہانگیر کا تعلق انتہائی مطلوب پیشہ ور لوگوں کے ساتھ تھا اور جس کسی کا تعلق جہانگیر سے نکلتا تھا، اس کو پولیس پکڑ کر پوچھ گچھ کے لئے نامعلوم مقام پر لے جاتی تھی۔ نوشین کی ماں نہ بول سکتی تھی اور نہ چپ رہ سکتی تھی۔ وہ عجیب مخمصے میں انتظار کر رہی تھی کہ جیسے ہی مناسب وقت آتا ہے، وہ اپنی بیٹی کے اغوا کا الزام جہانگیر پر لگا کر اپنی آواز بلند کرتی اور نوشین...... سسک سسک کر موت کے منہ میں جا رہی تھی۔ وہ کئی بار دروازہ پیٹ چکی تھی، اب تو اس کے ہاتھوں میں بھی جان نہیں رہی تھی۔

☆......☆......☆

رات کا وقت تھا جب دروازے پر دستک ہوئی اور یاسر نے دروازہ کھولا۔ وہ دروازہ کھولتے ہی چونک پڑا، سامنے عارف اور سمعیہ کھڑے تھے۔ دونوں اندر آ گئے۔ عارف نے اپنے گھر کی طرف دیکھا۔ اس کے دوسرے بھائی نواز اور شکیل بھی سامنے کھڑے ان دونوں کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

عارف سب سے ملا اور سمعیہ کا تعارف کرایا۔

''ارے تم نے شادی بھی کر لی......؟'' شکیل نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ہاں کر لی اور بزنس بھی سیٹ کر لیا، اب ہم سب مل کر بزنس کریں گے۔'' عارف نے ایک دم اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

''بہت بھوک لگ رہی ہے، کچھ کھانے کے لئے ہے؟''

''ہاں میں ہنڈیا پکا رہا ہوں۔'' شکیل جلدی سے بولا۔

''ہنڈیا آپ پکاتے ہیں......؟'' سمعیہ نے پوچھا۔

''اس گھر میں کوئی اور پکانے والا ہے ہی نہیں۔'' شکیل مسکرایا۔

''آج ہنڈیا میں پکاتی ہوں۔'' سمعیہ بولی۔

''ارے......!'' شکیل نے روکنا چاہا۔

''بھائی جان! پکانے دیں۔'' سمعیہ نے اس کے ہاتھ سے چمچ لیا اور کچن میں چلی گئی جبکہ وہ سب بھائی آپس میں باتیں کرنے لگے۔

دوسرے دن ملک کے ایک بہت بڑے رفاہی ادارے کو ایک بھاری رقم کا چیک موصول ہوا جو ضرورت مندوں کے لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ کام کر کے عارف کو سکون ملا تھا۔

ختم شد